بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گلدستۂ درویشان کے

وہ پھول.................جو مرجھا گئے

حصہ دوئم

حکیم چوہدری بدرالدین عامل بھٹہ

سابق جنرل سیکرٹری لوکل انجمن احمدیہ - قادیان

احمد اکیڈمی ربوہ

حیات مارکیٹ گولبازار ربوہ

نام کتاب: .... وہ پھول جو مرجھا گئے

مصنف: .... حکیم چوہدری بدرالدین عامل بھُٹہ

ناشر: .... جمال الدین انجم

ادارہ: .... احمد اکیڈمی ربوہ حیات مارکیٹ گولبازار

فون: 0476215528

کمپوزڈ بائے: .... اُسامہ ولید

فون: 0476214501

مطبوعہ: .... لاہور آرٹ پریس 15 انارکلی لاہور

فہرست عناوین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رمِ زندگی

۴۷ سال بعد آج پھر ایک بار میرے ذہن میں وہ وقت اجاگر ہو رہا ہے۔ جب موت سے بغلگیر ہونے کے لیئے درویشان ایک دوسرے پر گرِے پڑتے لائینوں میں لگے زیرِلب دعائیں کر رہے تھے کہ کہیں اس سعادت سے ہم محروم نہ رہ جائیں۔ یہ ۱۱نومبر ۱۹۴۷ء کا دن تھا جب قادیان میں رہ پڑنے والوں کی فہرست کو آخری شکل دی جارہی تھی۔ اور امیر جماعت احمدیہ قادیان مولانا جلال الدین صاحب شمس قادیان میں موجود افراد کا انٹرویو لے رہے تھے۔ انٹرویو ختم ہوا۔ قادیان میں آباد رہ کر ہر قسم کے دُکھ اور آلام کو قبول کرنے کے ارادہ سے زندگی پر موت کو ترجیح دینے والوں کی تعداد ۳۱۳ کے عدد سے کہیں زیادہ تھی۔ پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق اس مخصوص تعداد کی پابندی کرنا ضروری تھا۔ سو اس کا فیصلہ انٹرویو کے بعد اگلے دو روز میں کردیا گیا۔ جن خوش نصیب افراد کو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے قادیان میں آباد رہنے کے لیئے چن لیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ باقی افراد جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ خوشی سے جا نہیں رہے بلکہ مجبوراً جارہے ہوں۔ ۱۶ نومبر کا سورج طلوع ہوا تو ناشتہ کے بعد اور کچھ کھانا تبرک کے طور پر ہمراہ لے کر جانے والے بھائیوں کی قادیان سے روانگی کا عمل تکمیل پذیر ہوا۔ ۱۰ یا ۱۱ بجے کا عمل ہوگا کہ یہ قافلہ محلّہ دارالانوار سے روانہ ہو پڑا۔ روانگی سے قبل طویل دعا ہوئی اور

مولا بخش صاحب باورچی لنگر خانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھا۔

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار

یہ شعر سن کر سب کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ نگاہیں قافلہ کی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ یہاں تک رواں دواں رہیں کہ قافلہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ درویشان پرنم آنکھوں سے اپنے پیاروں کو الوداع کہہ کر الدار میں لوٹ آئے۔

ابتداء درویشی میں درویشوں کی مصروفیات کا لائحہ عمل کچھ یوں تھا۔ کہ نماز تہجد دونوں مساجد میں باجماعت ادا ہوتی جن افراد کی پہرہ کی ڈیوٹی ہوتی وہ اپنے مقام پر نماز ادا کرتے۔ پھر فجر کی نماز اور درسِ حدیث۔ بعد ازاں بہشتی مقبرہ میں دعا اور واپس آکر ناشتہ جو لنگر خانہ کی ایک روٹی اور دال پر مشتمل ہوتا۔ بعد ناشتہ چند افراد کو چھوڑ کر جو دفتری اور تیاری طعام کے کاموں پر مامور تھے۔ باقی افراد بہشتی مقبرہ کے گرد بنائی ہوئی حفاظتی دیوار کی مرمت کے کام میں لگ جاتے اور نماز ظہر تک وقارِ عمل کا سلسلہ جاری رہتا۔ نماز ظہر کے بعد کھانا۔ عام معمول کا کھانا دال اور روٹی۔ ایک دو تین چار تک جیسی کسی کو بھوک ہوتی۔ بعد فراغت تھوڑی دیر آرام، اس صورت میں پہرہ کا قیام لازمی اور پھر نماز عصر اور بعد نماز عصر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا درس۔ نماز مغرب کے بعد رات کا کھانا۔ پھر نماز عشاء اور نماز کے بعد حاضری۔ پھر رات کے پہرہ کی تقسیم۔ اور باقی افراد آرام۔

رات کو جن افراد کی جس روز پہرہ کی ڈیوٹی نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے ذاتی مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مجھے خود بھی پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ دن بھر میں جو بھی

ٹائم بچتا وہ پڑھنے میں گذارتا۔ احمدیہ لائبریری میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ گھروں سے بے شمار کتابیں اکٹھی ہوگئی تھیں۔ غیر مسلم بھائیوں نے محلّہ جات کے مکانوں سے کتابیں لا لا کر دینا شروع کردی تھیں۔ کتابوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

۱۹۴۸ء کو مکرم چوہدری فیض احمد صاحب قادیان آئے۔ آپ بہت اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ طبیعت کی مناسبت سے ہم نے ایک دوسرے سے مل کر پڑھنے کے تعلق سے پروگرام بنالیئے۔ ان ایام میں ایک خزانہ دریافت ہوا۔ مکرم ومحترم ملک عمر علی صاحب کے کتب خانہ کی کتابیں جو قریب دو ٹرکوں میں سما سکتی تھیں۔ مکرم چوہدری محمد طفیل صاحب درویش کی تحویل میں تھیں۔ مکرم چوہدری محمد طفیل صاحب سے ہم (میں اور چوہدری فیض احمد صاحب مرحوم) ایک ایک کتاب لے آتے اور پھر لائی ہوئی کتاب کو پڑھ چکنے کے بعد آپس میں بدل لیتے اور پڑھ کر باہم تبادلہ خیال اور کتب پر تبصرہ بھی کیا کرتے۔ یہ خزانہ کچھ عرصہ بعد پاکستان بھجوا دیا گیا۔

میں نے اپنے فارغ اوقات میں درویش بھائیوں کے حالات زندگی جمع کرنے کا بھی پروگرام بنایا تھا۔ اور ۱۹۵۶ء تک میں نے اڑھائی سو درویشوں کے حالات نوٹ کر کے ایک فائل میں رکھے تھے۔ بعد میں اس کام میں بعض اوز وجوہ سے باقاعدگی نہ رہ سکی۔ اور یہ فائل پڑی رہی۔

۱۹۵۴ء میں پاسپورٹ ویزا جاری ہوکر دونوں ملکوں کے درمیان آمدورفت شروع ہوگئی تھی۔ ان ایام میں اگر میں خود پاکستان جاتا تو نئی کتابیں پڑھنے کے لئے خرید لاتا اور چوہدری فیض احمد صاحب بھی جاتے تو کتابوں کا تحفہ ضرور لاتے اور ہم مل کر پڑھا کرتے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ نے چندسال آمدورفت میں مشکل

پیدا کردی۔ ان ایام میں ایک روز مکرم چوہدری فیض احمد صاحب رات بعد نماز عشاء خاکسار کے مکان پر آئے۔ کسی کتاب کا مطالعہ کیا میں نے کہا کتابیں تو سب آپ کی پڑھی ہوئی ہیں۔ کہنے لگے چلو ''اوکھر'' ہی سہی (یعنی پڑھی ہوئی کو دوبارہ) میں نے کہا اچھا تشریف رکھیں۔ میں اندر جانے کے لئے کہہ کر آتا ہوں۔ جب میں واپس آیا تو چوہدری صاحب میری الماری میں سے وہ فائل نکال کر دیکھ رہے تھے۔ جس میں ۲۵۰ کے قریب درویش بھائیوں کے حالات تھے۔ میرے آنے پر کہا کہ یہ تو آپ نے عجیب کام کیا ہے۔ یہ مجھے پڑھنے کے لئے دے دیں۔ میں نے کہا لے جایئے۔

کچھ عرصہ بعد چوہدری صاحب نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ جو بھائی وفات پا گئے ہیں ان کے حالات شائع کر دیئے جائیں میں نے ہاں کہہ دی۔ اور چوہدری صاحب نے اخبار بدر میں یہ سلسلہ مضامین شروع کر دیا۔ جس کی کتابی صورت میں حصہ اوّل کی کاپی احباب جماعت دیکھ چکے ہیں۔ اور دوسرا حصہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حصہ اوّل میں ۵۴ درویشان کے حالات آ چکے ہیں۔ ان درویشان کے ساتھ ساتھ دو شہدائے احمدیت۔ جو درویشی دور شروع ہونے سے قبل قادیان میں خدمت بجالاتے ہوئے شہادت پا گئے۔

(۱) مکرم نیاز علی صاحب کھاریاں اور (۲) میاں غلام محمد صاحب سیالکوٹ۔

ایک بھائی مکرم عبدالرحیم صاحب ملکانہ انسپکٹر بیت المال قادیان کے حالات بھی حصہ اوّل کی زینت بنے ہیں۔ آپ بھی زمرہ درویشان میں شامل نہیں تھے۔ لیکن آپ کے نیک نمونہ اور پاکیزہ حالات سے متاثر ہو کر مکرم چوہدری صاحب نے ان کو بھی اپنی کتاب میں جگہ دی۔ حصہ اوّل میں درویشان کے حالات میں ایک

درویش حضرت بابا کرم الٰہی صاحب رضی اللہ عنہ کے حالات مندرجہ صفحہ ۶۳ پر آپ کا وطن بھڈیار ضلع سیالکوٹ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ آپ کا وطن موضع بھڈیار ضلع امرتسر ہے۔

حصہ دوم میں ۶۰ درویشان کے حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ بعد مطالعہ اگر کوئی کمی پائیں تو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں۔

والسلام

افسروں کے افسر

جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء ربوہ میں تین درویشوں کو حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ۱۹۷۱ء سے لے کر ۱۹۷۶ء کے وسط تک ہندوپاکستان میں ویزا کی سہولتیں نہیں تھیں۔ ۱۹۷۶ء سال کے آخر میں ایک محدود تعداد میں ویزاجات ملنے شروع ہوگئے تھے۔ اور درویشوں میں سے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مکرم فضل الٰہی صاحب اور خاکسار بدرالدین عامل بھٹہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ جلسہ سالانہ سے چندروز قبل افسر صاحب جلسہ سالانہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور جلسہ سالانہ کے انتظامات کا معائنہ فرمالیں۔ اس وقت حضرت مولانا جٹؓ صاحب بھی بغرض ملاقات وہاں موجود تھے۔ حضور نے حضرت مولاناؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ افسروں کے افسر یہاں ہیں۔ پہلے ان کو معائنہ کروالیں پھر میں جاؤں گا۔ اس روز ایک کار منگوائی گئی جس میں ہم تینوں درویشوں کو سوار کرکے تمام لنگرخانوں اور رہائش گاہوں کا معائنہ کروایا گیا۔

ایک روز جلسہ سالانہ کے ایام میں ایسا ہوا کہ دوپہر کے وقفہ میں ہم لوگ کھانا نہ کھاسکے۔ اور جلسہ شروع ہونے کا وقت ہوگیا۔ ہم فوراً جلسہ سالانہ سٹیج پر پہنچ گئے۔ محترم ناظر صاحب خدمتِ درویشان کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کارکنان کو ہدایت دی کہ جونہی اجلاس ختم ہو تینوں درویشوں کو سیدھا تحریک جدید کے خصوصی مہمان خانہ میں جو غیرممالک کے مہمانوں کے لئے ہے، میں لایا جائے۔ اور

وہاں ان کی تواضع کی جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ جلسہ کے اختتام پر ہم تینوں کو ایک گاڑی میں بٹھا کر خاص مہمان خانہ میں لایا گیا۔ جہاں یورپ کے مخصوص کھانے ابلی ہوئی سبزیاں گوشت اور بریڈ جام وغیرہ حاضر تھے۔ حضرت مولانا صاحب رضی اللہ عنہ نے چکھ کر فرمایا۔ یہ کیا ہے۔ اونچی دوکان اور پھیکا پکوان اس پر فوراً ایک خادم کو بھجوا کر گول بازار سے کباب نان اور مچھلی فرائی شدہ منگوائی گئی۔ جو آپ نے بہت پسند فرمائی۔

جلسہ سالانہ کے بعد صرف چند یوم ربوہ میں قیام رہا اور ان ایام میں بہت سی دعوتیں کھائیں۔ متعدد ایسی دعوتیں تھیں جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بھی رونق افروز رہے۔ اور حضرت مولانا صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھی درویش ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کی بھی عزت افزائی ہوئی۔ آپ جلد قادیان واپس آنا چاہتے تھے۔ واپسی پر آپ نے لاہور میں اپنے بھانجے مکرم ملک عبداللطیف صاحب ستکوہی کے ہاں دو یوم رُکنا تھا۔ اور میں نے بھی اپنے عزیزوں کی ملاقات کے لئے لاہور میں ایک ہفتہ قیام کرنا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنی ذاتی گاڑی دی۔ فرمایا محترم مولوی صاحب اور ان درویشوں کو لاہور چھوڑ آئیں۔ خاکسار اور حضرت مولانا صاحبؓ ایک ساتھ اس گاڑی میں لاہور آئے۔ حضرت مولوی صاحبؓ تو دوروز بعد واپس قادیان آگئے۔ میں لاہور میں بعض وجوہ کی بنا پر دو ہفتہ قیام کرکے ۱۶-۱-۱۹۷۷ کو قادیان پہنچا۔ قادیان آکر حضرت مولانا صاحب کی طبیعت مسلسل سفر کی وجہ سے علیل ہوگئی تھی۔ مقامی طور پر علاج کے باوجود طبیعت نہیں سنبھل سکی اور میرے قادیان پہنچنے تک مزید خراب ہوگئی۔ ۱۹-۱-۱۹۷۷ کو محترم مولوی صاحبؓ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ جائیں۔ اور مکرم

ڈاکٹر ملہوترہ صاحب ہارٹ سپیشلسٹ سے مشورہ کر کے کسی ایسے ہارٹ کے ماہر ڈاکٹر کو لے کر آئیں جس کے پاس پورٹ ایبل E.C.G مشین ہو۔ میں فوراً امرتسر آیا اور ڈاکٹر ملہوترہ صاحب کے مشورہ کے بعد مکرم ڈاکٹر اروڑہ صاحب کو ساتھ لے کر قادیان آیا۔ یہاں E.C.G کرنے پر معلوم ہوا کہ خاصی فکر مندی کی بات ہے۔ ادویات لانے اور ڈاکٹر اروڑہ صاحب کو چھوڑنے میں پھر امرتسر گیا۔ رات دس بجے واپس آیا۔ ادویات دی گئیں۔ ضروری احتیاطیں بھی کی گئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اپریل ۱۹۵۰ء سے جنوری ۱۹۷۷ء تک مجھے حضرت مولوی صاحبؓ کے ساتھ بطور صدر حلقہ مبارک و جنرل سیکرٹری لوکل انجمن احمدیہ و ناظم جائیداد وافسر لنگر خانہ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے آپ کو بڑا شفیق ہمدرد معاملہ فہم مضبوط عزم والا عظیم انسان پایا ہے۔

افسوس حضرت الحاج مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضلؓ رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

قادیان ۲۱ جنوری (صلح) نہائت درجہ افسوس اور بھاری دل کے ساتھ احباب تک یہ المناک خبر پہنچائی جاتی ہے کہ حضرت الحاج مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان اچانک دل کا شدید دورہ پڑنے کے نتیجہ میں عبدالرحمٰن ۲۱/۲۰ جنوری کی درمیانی رات پونے دو بجے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولوی صاحب ممدوح کی یہ آخری علالت ۱۷ جنوری سے شروع ہوئی جبکہ فجر کے وقت بائیں شانہ میں درد محسوس ہوا جو نیچے کمر تک جاتا اس پر فوری طبی امداد بہم پہنچائی گئی جس سے افاقہ معلوم ہوا۔ اور بلڈ پریشر جو اس وقت بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ وہ بھی کم ہو گیا۔ سارا دن اور اگلی رات حالت پرسکون رہی ۱۹/۱۸ کی درمیانی رات قریب سوا نو بجے آپ کو زیادہ تکلیف محسوس ہوئی۔ چنانچہ محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی موجودگی اور حکم سے مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ناصر مکرم حکیم بدرالدین صاحب عامل کے علاوہ مکرم ڈاکٹر کیدارناتھ صاحب کو بھی بلایا گیا۔ جنہوں نے آپ کا بغور معائنہ کر کے بتایا کہ دل کا شدید دورہ (SEVERE HEART ATTACK) ہوا ہے۔ چنانچہ مناسب ادویہ تجویز کیں جو اسی وقت شروع کر دی گئیں۔ اس سے رات کو نیند

آ گئی ۔ اور اگلا روز بھی آرام سے گزرا۔

حضرت مولانا صاحب کی اچانک تشویشناک علالت کے پیش نظر مقامی ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ امرتسر کے ہارٹ سپیشلسٹ سے مشورہ اور رہنمائی حاصل کی جانی ضروری ہے۔ چنانچہ محترم صاحبزادہ صاحب نے اسی وقت کار پر آدمی امرتسر بھجوائے۔ جنہوں نے جناب ڈاکٹر ملہوترہ صاحب کو تمام کیفیت سنائی. ڈاکٹر موصوف نے اپنے اسسٹنٹ ڈاکٹر اروڑہ صاحب کو E.C.G آلہ دے کر قادیان بھیجا۔ E.C.G لینے پر ہارٹ میں انفیکشن ثابت ہوئی چنانچہ تجویز کردہ ادویہ میں بعض مزید ادویہ کا اضافہ کیا گیا۔ ۲۰/۱۹ جنوری کی درمیانی رات نیند نہیں آئی اور بے چینی میں رات گذری۔ ۲۰ جنوری کا سارا دِن غنودگی رہی اور حالت بتدریج نازک اور تشویشناک بنتی گئی۔ ۲۰ جنوری قبل دوپہر جناب ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب ایم۔بی۔ایس (جن کا رشتہ حال ہی میں شاہجہانپور ہوا ہے اور اِس طرح انہیں حضرت مولوی صاحب سے قرابت داری بھی ہے) نے نہائت ذمہ داری اور توجہ سے آپ کی دیکھ بھال کی۔ رات کو حضرت مولوی صاحب کو ہچکی بھی شروع ہوگئی اور آخر میں خون کی قے آئی اور پونے دو بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے حقیقی مولا کے حضور جا پہنچی۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا صاحبؓ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے والدین قادیان ہی کے قریب واقع موضع فیض اللہ چک کے رہنے والے تھے۔ آپ کے ماموں اور خسر حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے خادم اور صحابی تھے۔ جنہیں بکثرت حضور کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل رہا۔ حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ کی ہدایت پر ہی حضرت مولوی صاحب مرحوم نوعمری میں قادیان بغرض حصول تعلیم آئے۔ اور

تحصیلِ علم کے بعد اسی مقدس مقام کو اپنی مستقل رہائش گاہ بنالیا۔

آپ کو سلسلہ کی بیشمار خدمات کا موقع ملا۔ ملکی تقسیم سے قبل آپ مدرسہ احمدیہ میں بطور ہیڈ ماسٹر کام کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی سلسلہ ناظم دارالقضاء جنرل پریذیڈنٹ لوکل انجمن احمدیہ اور ناظم سپلائی اجناس جلسہ سالانہ کے اہم فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ملکی تقسیم کے وقت آپؓ نے قادیان ہی میں ٹھہرے رہنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو قادیان میں امیر مقامی اور پھر ناظر اعلیٰ کے اہم عہدوں پر فائز کیا۔ جن کو آپ نے آخری وقت تک نہائت درجہ خوش اسلوبی اور ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ انجام دیا آپ بیشمار خوبیوں کے مالک تھے۔ پرانے بزرگ عالم ہونے کے سبب سلسلہ کے سبھی علماء اور مبلّغین کے آپ استاد تھے۔

علم فقہ اور حدیث میں مستند عالم مانے جاتے تھے۔ انتظامی امور میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ علاقہ میں غیر مسلموں کے ساتھ آپ کے گہرے ذاتی مراسم تھے۔ قادیان کی میونسپل کمیٹی کے ابتدائی ممبران میں سے تھے۔ ملکی تقسیم کے بعد آپ ایک عرصہ تک بطور پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی بھی کام کرتے رہے۔ تمام غیر مسلم ممبران کمیٹی آپ کی قیادت پر ہمیشہ مطمئن رہے۔

تقریباً عرصہ چھ سال کے بعد مرحوم مولوی صاحب کو اسی سال جلسہ سالانہ ربوہ جانے اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو ربوہ میں فلو کا عارضہ ہوگیا اور بتایا کہ اس وقت مجھے خیال آیا کہ ساری عمر تو قادیان مین رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آخری وقت قادیان سے باہر آجائے اس لئے جلسہ ربوہ کے بعد جلد قادیان آگیا۔ اس بات سے حضرت مولوی صاحب کی قادیان سے دلی محبت اور تعلق پر کافی روشنی

پڑتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی آپ کی اس خواہش کو پورا کیا۔ آپ کی زندگی کے آخری لمحات بھی قادیان میں ہی اپنے قدوس آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مولد و مدفن میں گزرے اور اپنی آخری آرام گاہ بھی اسی جگہ پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جَعَل الجنۃَ مثواہُ.

حضرت مولانا صاحبؓ نے اپنے پیچھے تین لڑکے اور دو لڑکیاں اور ایک بیوہ اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے عزیز مکرم مولوی سعادت احمد صاحب نے گزشتہ سال مدرسہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہو کر مولوی فاضل پاس کیا ہے اور اب تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور معلم کام کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرا بیٹا عزیز ادارت احمد خان پری میڈیکل میں بٹالہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

ادارہ بدر حضرت مولوی صاحبؓ کی وفات پر آپ کے تمام پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو اور اپنے بزرگ کے حقیقی جانشین بننے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ آپؓ کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے۔ اور جنت الفردوس میں آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نیک نمونہ پر عمل کرتے چلے جانے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

الحاج حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل کی وفات

پر انجمن ہائے صدر انجمن احمدیہ۔ تحریک جدید۔ وقفِ جدید قادیان کی طرف سے قرار دادِ تعزیت

قادیان ۲۳ صلح (جنوری) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل کی افسوسناک رحلت پر قادیان میں جماعت احمدیہ کی ہر سہ انجمن ہائے صدر انجمن احمدیہ۔ تحریک جدید و وقفِ جدید کی طرف سے ایک مشترکہ قرار داد تعزیت پاس ہو کر بغرضِ اشاعت بدر موصول ہوئی ہے۔ جیسے زیر ریزولیشن نمبر ۶ غ م ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء صدر انجمن احمدیہ میں ریکارڈ کیا گیا۔ اس تعزیتی ریزولیشن کا مکمل متن ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

رپورٹ ایڈیشنل ناظر اعلیٰ۔ ایڈیشنل وکیل اعلیٰ وانچارج وقفِ جدید محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب

(۱) حضرت الحاج مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل صحابی، ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ، وکیل اعلیٰ تحریک جدید انجمن احمدیہ و رکن وقفِ جدید انجمن احمدیہ قادیان۔ مختصر علالت کے بعد ۲۱ جنوری ۱۹۷۷ء کو (مطابق ۲۱ صلح ۱۳۵۶) بعمر چوراسی سال راہی ملک بقا ہو گئے ہیں۔ ہم اس عظیم صدمہ پر انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ اور اسی سے صبر و رضا بالقضاء اور استعانت کے طلبگار ہیں۔
خادم خاص حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت حافظ حامد علیؓ صاحب اپنے

ماموں کے باعث آپ نے اپنے عہد طفولیت میں حضور کی زیارت کے بکثرت
مواقع پائے۔ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں آپ نے حضور کی طرف سے تفویض کردہ
خدمت بجالائی اور آپ کے بڑے بھائی حضرت ملک عبداللہ جٹ کا نام بھی ۲۸
فروری ۱۹۰۷ء کی پیشگوئی کے گواہوں کے طور پر تتمہ حقیقۃ الوحی (صفحہ ۵۶) میں
درج ہے۔ حضور کی تربیت کا اثر آپ کے قول وفعل میں نظر آتا تھا۔ علماء سلسلہ
حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی
وفات پر علماء کے خلاء کو پر کرنے کے لئے حضور نے مدرسہ تعلیم الاسلام میں دینیات
کی ایک جماعت کھلوادی جس میں داخل ہونے والے اولین دو طلباء میں سے ایک
حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ پھر باقاعدہ مدرسہ احمدیہ کھل گیا۔ اس سے
فارغ التحصیل ہوکر ۱۹۱۴ء سے آپ خدمت سلسلہ میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔
''منصب خلافت'' میں ذکر ہے کہ زیرانتظام انجمن ترقی اسلام گورداسپور میں
مولوی عبدالرحمٰن صاحب جو اس سال مدرسہ احمدیہ سے اپنا کورس پورا کر کے نکلے
تھے تبلیغ اسلام وسلسلہ حقہ میں ہمہ تن مصروف تھے۔ (سرورق آخر)

مدرسہ احمدیہ میں حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث
ایدہ اللہ تعالیٰ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (وکیل الاعلیٰ و وکیل
التبشیر) اور اکناف عالم میں اعلائے کلمۃ اللہ کرنے والے مبشرین کی ایک کثیر
تعداد کے استاد ہونے کا آپ کو شرف حاصل تھا۔ سلسلہ احمدیہ کی خاطر جرمانہ ادا
کرنے کی بجائے قید وبند کی صعوبت جھیلنے کا اعزاز آپ کو ملا۔ جبکہ ناجائز طور پر
آپ کو پولیس نے چالیس بیالیس سال پہلے قدیم قبرستان میں ایک شخص کی تدفین
کرواتے وقت آپ کو گرفتار کرلیا تھا۔ لیکن ہائی کورٹ نے آپ کو باعزت طور پر
بری کردیا۔

پروفیسر جامعہ احمدیہ، ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ، ناظم سپلائی جلسہ سالانہ، ناظم
قضاء، رکن بورڈ قضاء، جنرل پریذیڈنٹ لوکل انجمن احمدیہ، رکن امن کمیٹی بوقت تقسیم
ملک، صدر مجلس کارپرداز مصالح قبرستان، ناظر اعلیٰ، وکیل الاعلیٰ اور رکن انجمن
احمدیہ وقف جدید کے طور پر اور ان میں سے متعدد مناصب پر بیک وقت فائز رہ کر
آپ نے کمال سرگرمی وتندہی اخلاص عزم وبلند ہمتی اور مستعدی سے مفوضہ
فرائض سرانجام دیئے جن کا عرصہ خدمت تریسٹھ سال پر ممتد ہے۔ آیت استخلاف
میں جماعت مومنین سے وعدہ الٰہی ہے کہ خلافت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کے
حالات خوف کو امن سے تبدیل کردیتا ہے۔ چنانچہ تقسیم ملک کے بعد اس وعدہ کا ایفا
ایک دفعہ پر مرکز قادیان وجماعت ہائے بھارت کے لیئے ہوا۔ جبکہ ان پُرفتن
ہولناک اور نازک ترین حالات میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
حضرت مولوی صاحبؓ کو ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء سے امیر مقامی قادیان اور ۶ مارچ
۱۹۴۸ء سے ناظر اعلیٰ وکیل الاعلیٰ مقرر فرمایا۔ اور تاحیات ان ہر دو ذمہ واریوں کو
آپ نے نہائت کامیابی سے نبھایا۔ آپ کی شخصیت کا افسران اور قادیان
ومضافات کے غیر مسلم طبقہ پر گہرا ذاتی اثر ورسوخ تھا جو باہمی میل ملاپ میں
اضافہ اور تعلقات کی استواری کا موجب بنا اور بھارت میں خلفاء کرام کی روحانی
قیادت میں ناقابل فراموش خدمات بجالانے کی سعادت آپ نے پائی
اور جماعت احمدیہ کے دائمی مرکز قادیان کی تقویت وفعالیت کا باعث بنے۔
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے تعلیم وتدریس
قرآن کریم کی تحریک پر آپ باوجود اپنی پیرانہ سالی اور گوناگوں مصروفیات کے
آخر وقت تک بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم پڑھاتے رہے۔
۳۷ سال کے قریب بطور میونسپل کمشنر اور بعد تقسیم ملک ایک سال وائس

پریذیڈنٹ اور ایک عرصہ تک پریذیڈنٹ کے طور پر آپ نے خدمت خلق کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ میونسپل کمیٹی نے بطور پرایذیڈنٹ آپ کی حسن کارکردگی کا اعتراف اپنی ایک قرارداد میں کیا تھا۔ اور تقسیم ملک کے بعد آپ ہی اس کمیٹی کی ازسرِنو تنظیم کا باعث بنے تھے۔ جماعت احمدیہ کے ساتھ معاملات میں غیر مسلم آپ پر فیصلہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور یقین رکھتے تھے کہ آپ کا فیصلہ انصاف اور ہمدردی والا ہوگا۔ اور آپ کے فیصلہ پر پوری طرح مطمئن ہو جاتے تھے۔ اور یہ لوگ بالعموم اپنے نجی اور خانگی معاملات میں بھی آپ سے استصواب کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

ایک صحابی عالم باعمل دعا گو جید فقیہہ جو وراثت کے متعلق اختصاص رکھتے تھے۔ اور بیدار مغز چوکس و مستعد قائد جو انتظامیہ وقضائیہ صلاحیتوں کے مالک خلافت کے نہائت درجہ فرمانبردار شرع اسلامی پر وسیع نظر رکھنے والے سلسلہ احمدیہ کی ستر سالہ تاریخ جن کی چشم دید تھی۔ درویشان سے پدرانہ شفقت رکھنے والے بزرگ کی وفات سے جو اپنی ذات میں ایک تناور سایہ دار درخت کا یا ایک انجمن کا رنگ رکھتے تھے جماعت احمدیہ میں اور خصوصاً بھارت میں ایک ناقابل تلافی خلاء پیدا ہوا ہے۔

ہم ہر سہ انجمنیں اپنے اس مشترکہ خصوصی اجلاس میں آپ کے اہل و عیال اور دیگر پسماندگان سے اس بھاری صدمہ میں تعزیت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کا اور ہم سب کا کفیل وکارساز اور حافظ و ناصر ہو۔ اور حضرت مولوی صاحبؓ کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

قرارداد ھذا کی نقول سیدنا حضرت امیر المومنین ایدااللہ تعالیٰ، محترم ناظر صاحب خدمتِ درویشان، پسماندگان حضرت مولوی صاحب اور احمدیہ پریس کو بھجوائی جائیں۔ پیش ہو کر فیصلہ ہوا۔ کہ رپورٹ ھذا منظور ہے۔

مَوت العَالِم مَوت العالَم

بہشتی مقبرہ قادیان کی مقدس سرزمین میں قطعۂ صحابہ نمبر ۳ کی ساتویں لائین میں ایک تازہ قبر کی پائینتی کے پاس اداس اور مغموم کھڑا صاحب قبر کی بلندئ درجات کیلئے ہاتھ اٹھائے ہوں۔ شدتِ غم واندوہ سے ہاتھ لرز رہے ہیں۔ تالم کی فراوانی سے سارے جسم میں سنسناہٹ ہے۔ اور اعصاب میں بے جانی کی سی کیفیت ہے۔

ایک ناقابلِ قبول سی دعا لبوں پر مچل رہی ہے۔ ایک ناممکن الوقوع سی خواہش بار بار دل سے اُٹھ رہی ہے کہ کاش! ایک بار پھر یوں ہو کہ یہ صاحبِ قبر بول اُٹھے وہی پُر رعب انداز ہو۔ وہی گرجدار لَے ہو وہی محبت کے پانی سے گوندھی ہوئی ہیبت کانوں کی لوؤں سے ٹکرائے ”چوہدری صاحب! ادھر آیئے!! اور میں ادب واحترام کے ساتھ اس مقدس وجود کے قریب ان کی کرسی سے ہٹ کر اس چبوترے پر بیٹھ جاؤں۔ اس چبوترے پر جو مہمان خانہ کے گیٹ کے اندر ہے جہاں ہر شام وہ بزرگ اپنی فرشتگی اور عظمت اور سنجیدگی کے ساتھ قریباً ایک گھنٹہ تشریف رکھتے تھے کہ شاید کوئی غمزدہ درویش اپنی رُودادِ غم سنانے ان کے گھٹنے سے آ لگے۔ شاید کوئی آلامِ روزگار کا ستایا ہوا درویش ان کے دامن میں پناہ لینے آ پہنچے۔ اور شاید درویشی کے طویل دور میں بے شمار قسم کے خانگی۔ اہلی۔ خاندانی آلام کی تمازتوں کا جھلستا ہوا ازخم خوردہ درویش ان سے عطائے مرہم کی التجاء کرے۔

میں قبر کی پائینتی کی جانب بدستور اس آواز کا منتظر کھڑا ہوں جس کی شدّت میں

نرمی تھی۔ جس کی حدّت میں برودت تھی۔ جس کے رعب میں پیار تھا۔ جس کی جھڑک میں شفقت تھی۔ مگر وہ آواز نہیں آئی۔ جھنجھلا کر سوچتا ہوں کہ اگر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب بولنا چاہیں اور واقعی بول اٹھیں تو ان کی آواز اتنی پاٹ دار ہے کہ ان کے جسدِ بزرگ کو چھپانے والی یہ دس پندرہ من مٹی ان کی آواز کو روک نہیں سکتی۔ وہ تو اپنے دفتر میں بولتے تھے تو بڑے گیٹ تک ان کی آواز سنائی دیتی تھی۔

انتظار اور اداسی کی کیفیت میں حقیقت کی طرف لوٹتا ہوں۔ آہ حضرت مولانا تو وفات پا چکے ہیں۔ زبردست قوتوں والے کارکنانِ قضاء وقدر تو انہیں ہم سے چھین کر وہاں لے گئے ہیں جہاں سے کوئی نہیں آیا کرتا۔ جہاں کوئی نہیں بولا کرتا۔ جہاں آوازیں نہیں ہوتیں جہاں لبوں پر مہریں ہوتی ہیں۔ جہاں خموشیوں کا پہرہ ہوتا ہے۔

ایک بے کس اور بیچارگی کے عالم میں حضرت مولانا کو مخاطب تصوّر کرتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں حضرت! آپ تو ایک بہت وسیع وعریض سائبان تھے جسے قدرت نے لپیٹ کر اندر رکھ لیا ہے۔ ہم نے متواتر تیس سال تک آپ کے ٹھنڈے سایہ میں غموں کی دھوپ سے بچنے کے لئے پناہ لی آپ شہر ناطقاں کو چھوڑ کر شہر خموشاں میں کیوں چلے آئے۔ دیکھئے تو آرزوؤں درخواستوں اور فریادوں سے بھرپور کتنے ہی نطقِ صعوبت انتظار میں ہیں کہ آپ کے کان توجہ فرمائیں تو کچھ عرض کیا جائے۔ کتنی تمنائیں ہیں جو بیان کی راہ پانے کے لئے سینوں میں مچل رہی ہیں۔ کتنی خواہشیں ہیں جو آپ سے اور صرف آپ سے ہی بیان کی جاسکتی تھیں۔ ہم اپنے بیشمار ایسے راز بھی آپ سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ جنہیں ہم اپنی بیویوں اور قریب ترین عزیزوں سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ہم جانتے تھے کہ آپ ان رازوں کے امین ہیں۔ اور ہمارے لبوں سے نکلا ہوا راز ہمیشہ کے لئے آپ کے وسیع الظرف سینے میں محفوظ ہو جائے گا۔ ہم آپؒ سے مشورے بھی مانگا کرتے تھے۔ اور

آپ کے مشوروں کی اصابت پر یقین بھی رکھتے تھے۔ اور یہ اس لئے تھا کہ ہر درویش نے ہمیشہ آپ کے امیر جماعت ہونے کے باعث آپ کو باپ کا درجہ دیا۔ اور ہمیں بھی یہ اعتراف ہے کہ آپ نے ہم سب کو ہمیشہ اپنے ہی بچے سمجھا۔

پلکوں نے آنسوؤں کو رستہ دے دیا اور میں ایک التجائے مجسم بن کر ابھی تک اس آواز کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس آواز کا جو صرف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی آواز تھی۔ لیکن آہ! وہ آواز نہیں آتی۔ وہ آواز۔ ہائے وہ آواز اب کبھی نہیں آئے گی۔ وہ آواز ۲۱ جنوری ۱۹۷۷ء کی صبح کو ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

مَیں پھر ایک کربناک عالمِ تصور میں صاحبِ قبر سے مخاطب ہوں۔ حضرت! آپ نے ہم درویشوں کی بہت سی بچیوں کو ان کی شادیوں کے موقع پر اپنی بیٹیوں کی طرح شفقت بھرا بزرگ ہاتھ سر پر پھیر کر رخصت کیا۔ ہمارے بیٹوں کی شادیوں پر اپنے بیٹوں کی طرح خوشیاں منائیں۔ آپ ان کے دادا جو تھے۔ لیکن حضرت یہ آپ نے کیا کیا کہ اپنے دو جوان بیٹوں اور ایک جوان بیٹی کی شادی کا بھی انتظار نہیں کیا۔ اپنے پیارے بیٹوں کو دولہے بنے ہوئے تو دیکھ لیا ہوتا۔ اپنی پیاری بیٹی کو دلہن کے عروسی جوڑے میں رخصت کر دیا ہوتا۔ آپ کے بڑے دو بیٹے اور بڑی بیٹی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے جوان اور سمجھدار ہیں۔ انہیں بخوبی علم ہے کہ ہمارے ابّا اب وہاں چلے گئے ہیں۔ جہاں سے کبھی واپس نہ آئیں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا سلیقہ اور توفیق بھی بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر رہے۔ لیکن آپ کی چھوٹی بچی ابھی ناپختہ عمر میں ہے وہ کچھ عرصہ تو آپ کا انتظار کرے گی۔ پھر وہ صبر کا مفہوم سمجھ لے گی۔ اور پھر وہ سنِّ شعور و بلوغت کو پہنچ کر آپ کے پیار اور آپ کے نقوش کو ذہن میں لا کر یاد کیا کرے گی۔ اس یاد کے ساتھ آنسو بھی ہوں گے اور آہیں بھی۔

لیکن حضرت مولانا! اگر آپ میری بات سن رہے ہیں تو میں ایک بڑی ہی الم انگیز خبر آپ کو سنانے چلا ہوں آپ کا چھوٹا فرزند عزیز بشارت احمد چند روز قبل اپنی والدہ محترمہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ڈاک آئی تو ماں نے ڈاک پڑھنا شروع کی بشارت دیکھتا رہا اور سوچتا رہا خدا جانے اس نے کیا سوچا کہ یکدم اپنی والدہ سے یہ دردناک الفاظ کہے:-

''ابا وہاں سے آ تو نہیں سکتے لیکن کیا وہ خط بھی نہیں لکھ سکتے۔''

یہ سُن کر اس ماں کے دل پر کیا گزری ہوگی اس کا اندازہ تو صرف وہی کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب دیکھئے نا آپ کا وہ پیارا اور لاڈلا بیٹا آپ کے خط کا انتظار کر رہا ہے وہ بیٹا شاید آپ کو جس کے ساتھ اپنی ساری اولاد سے زیادہ پیار تھا۔ جو گھر میں اور دفتر میں آپ سے چمٹا رہتا تھا۔ اور آپ جب کسی درویش کی تیمارداری یا کسی شادی کے موقعہ پر کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تو یہ بچہ آپ کی انگلی پکڑے ہوتا تھا۔ یا شاید آپ اس کی انگلی پکڑے ہوتے تھے۔ اور ہم اکثر سوچا کرتے تھے کہ ننھا بچہ بوڑھے باپ کا سہارا لے کر چل رہا ہے یا بوڑھے باپ کا بڑھاپا خدا تعالیٰ کے اس انعام کے سہارے چل رہا ہے۔

حضرت یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہر ذی روح کے لئے موت مقدر ہے اور ہر متنفس کے لئے ایک دمِ واپسیں۔ لیکن آپ کی جسمانی صحت آپ کی توانائی آپ کی قوتِ کارکردگی آپ کی قوتِ ارادی اور جواں سالی کا لبادہ اوڑھے ہوئے آپ کی کہولت نے ہمیں یہ احساس کبھی نہ ہونے دیا کہ آپ اتنی جلد اور اتنی اچانک ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ آپ کا قامت اتنا بلند و بارعب تھا۔ آپ کا جسم اتنا تنومند اور بھرا ہوا تھا آپ کی آواز میں اتنی شوکت تھی کہ ابھی کئی سالوں تک یہ سوچنا بھی ہمارے لئے جائز نہ تھا کہ آپ ہمیں جلد داغِ مفارقت دے جائیں گے۔ البتہ آپ

کی چال میں جو ذرا سست گامی تھی وہ کبھی کبھی خوفزدہ ضرور کر جاتی تھی۔ لیکن اسے ہم یا تو عمر کا تقاضا سمجھتے تھے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ ٹرین پلیٹ فارم کے قریب پہنچ کر دھیمی ہو ہی جایا کرتی ہے۔

ہمارے درویشی کے اس تیس سالہ دور میں دفتری اوقات کی پابندی میں آپ کی مداومت میں اتنی شدّت تھی کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ دفتر کے مقررہ اوقات سے کبھی ایک منٹ بھی لیٹ پہنچے ہوں یا دفتری اوقات کے ختم ہونے سے ایک منٹ قبل اُٹھے گئے ہوں۔ آپ کی یہ مردانہ وار مداومت اتنی غیر منقطع تھی کہ حق یہ ہے کہ درجنوں بار ہم کچھ لیٹ پہنچنے کی وجہ سے شرمسار بھی ہوئے اور بڑے متعجب ہو کر آہستہ روئی سے آپ کے دفتر کے سامنے سے گذرے کہ کہیں یہ گرج کانوں کے پردے نہ پھاڑ دے کہ ''تمہیں دفتر کے وقت کا علم نہیں۔''

ہم سب درویش تو آپ کے بچے تھے اور ہمارا فرض، ہمیں اس امر پر آمادہ کرتا تھا کہ آپ کی خدمت میں جب حاضر ہوں تو وہ مؤدبانہ حاضری ہو۔ لیکن آپ کی عظمت تو غیر مسلموں میں بھی مسلّم تھی۔ اور ہم نے دیکھا بھی تھا کہ غیر مسلموں کے خواص وعوام میں سے جب کوئی شخص آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ اپنے رواج کے مطابق آپ کے گھٹنوں کو چھوا اور ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ آپ کے جنازہ میں شہر کے ہر طبقہ کے لوگ کس طرح امڈ کر آئے تھے یوں جیسے ان کا اپنا ہی بزرگ فوت ہو گیا ہو۔

آپ کے الطافِ کریمانہ آپ کے اوصافِ بزرگانہ آپ کا اندازِ ناصحانہ اور آپ کا تبحّرِ علمی اور وسیع تعلیمی تجربہ وغیرہ کے بارہ میں تو شاید بدر کا ایک خاص نمبر عنقریب نکلنے والا ہے۔ جس میں آپ کے اوصافِ حمیدہ کے بارہ میں لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور وہ برحق بھی ہوگا کیونکہ آپ کی ساری عمر تعلیم و تعلّم میں

گزری۔ اور آج جبکہ احمدیت کی تبلیغ زمین کے کناروں تک پہنچ چکی ہے۔ اور دنیا
کے ہر ملک میں سینکڑوں مبلغین دین محمدؐ کی سربلندی کے لئے شب و روز کوشاں
ہیں۔ ان میں سے ہر مبلغ اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے آپ سے درسی تعلیم پائی
یا کوئی علم حاصل کیا۔ مدرسہ احمدیہ کے ایک قدیمی استاد اور ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے
آپ نے جن سینکڑوں شاگردوں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا اس کے اثمار تو دیکھئے کہ
آپ کے دینی شاگرد دنیا کے ہر کونے میں اسلام کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ ان سب کو
جب آپ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع پہنچی ہوگی تو وہ کتنے مغموم وملول
ہوئے ہوں گے۔ وہ کس طرح دل تھام کر رہ گئے ہوں گے کہ جس شفیق استاد سے
تعلیم پا کر وہ سات سمندر پار تبلیغی جہاد میں شب و روز مصروف ہوئے۔ وہ عظیم
القدر شخصیت دنیا سے اٹھ گئی۔

حضرت مولانا! آج کتنے ہی لوگ دلوں میں حسرت لئے آپ کی اس
گرانڈیل شخصیت کا کڑھتا ہوا تصور دلوں میں لئے محلّہ احمدیہ کی گلیوں میں سے
گزرتے ہیں جسے انہی گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھ کر یوں لگا کرتا تھا جیسے بازار
لوگوں سے بھرا ہوا ہو یوں جیسے ایک عظمت حرکت میں ہو یوں جیسے وہ باعظمت
وجبروت شخصیت پکار رہی ہو کہ مجھے دیکھو! مَیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے مبارک زمانہ کی نشانی ہوں۔ اے قدردانو! میری آنکھوں کو دیکھو۔ اس لئے
دیکھو کہ ان آنکھوں نے کئی سالوں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرے کی
قریب سے زیارت کی ہے۔ ان آنکھوں میں اس مبارک مامورِ زمانہ۔ عشاقِ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار کے خدوخال محفوظ ہیں۔ جس کے صرف چہرے کو دیکھ کر
بیشمار لوگوں نے صداقت کی دلیل پالی تھی۔ مَیں نے اپنا بچپن حضرت مسیح موعود علیہ
السلام کے زمانے میں قادیان میں گذارا جو چند کچے اور نیم پختہ گھروندوں کی ایک

گمنام بستی تھی۔ میں مدرسہ احمدیہ کے ابتدائی طلبہ میں سے ایک تھا۔ جب درختوں
کی چھاؤں میں چند سادہ لوح بزرگ تعلیم دینے پر مامور تھے۔ اور پھر میں نے
اپنے دمِ واپسیں سے قبل محض خدا کے فضل سے یہ زمانہ بھی دیکھ لیا کہ احمدیت
خدا تعالیٰ کے وعدوں کے عین مطابق بڑی سرعت کے ساتھ زمین کے کناروں تک
جا پہنچی۔ اور اس تبلیغ کو پہنچانے والے اکثر میرے شاگرد تھے۔

میں اسی طرح مغموم اور اداس قبر کی پائینتی کی طرف ایک چھوٹی سی دیوار پر
بیٹھ گیا ہوں۔ حضرت مولاناؒ کی بیشمار عظمتیں اور رفعتیں میری نمناک آنکھوں میں
جھلملا رہی ہیں میں پھر قبر کی تازہ اودے رنگ کی مٹی کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک احساسِ
ندامت سے یکدم لرز جاتا ہوں اور پھر صاحب قبر سے مخاطب ہوتا ہوں۔ حضرت
مولانا! ہم آپ کے بچے تھے ہم کئی بار اپنے مسائل لے کر آپ کے پاس پہنچتے کئی
بار روٹھتے۔ کئی بار مچلتے۔ کئی بار ضد کرتے اور کئی بار اپنے سنگین اور فوری مسائل
کے باعث (خاکم بدہن) ہمارے منہ سے کچھ ایسے الفاظ بھی نکل جاتے جنہیں آپ
کی عظمت سے کچھ بھی نسبت نہ ہوتی۔ لیکن آپ کی پیشانی ہمیشہ کشادہ رہی۔ آپ
کے ماتھے پر بل نہ آیا۔ آفرین ہے آپ کی فراخ حوصلگی پر کہ آپ کے کمرے سے
باہر نکلتے وقت کبھی کسی کو احساس تک نہ ہوتا تھا کہ آپ ناراض ہو گئے ہیں۔ آپ
باپ جو تھے اور باپ تو شفیق ہوا ہی کرتے ہیں۔ آپ بزرگ جو تھے اور بزرگ تو
ہمیشہ ہی چشم پوشی کیا کرتے ہیں۔

میرے قابلِ صد احترام مولانا! آپ کے سوانح حیات لکھنے والے تو آپ ہی
کے لائق اور شہرۂ آفاق رکھنے والے شاگردوں میں سے بہت سے ذی علم اور قد
آور بزرگ موجود ہیں۔ اور وہ یقیناً آپ کے مناقب اور آپ کے اخلاقِ فاضلہ کو
بڑے مؤثر انداز میں بیان کریں گے۔ مَیں تو ایک ناچیز اور کم علم درویش ہوں جس

نے آپ کے سکینت بخش سائے میں درویشی کے ۳۰ سال گزارے ہیں۔ مجھے تو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آپ کی خدمت میں محبت کا ایک نذرانہ اور عقیدت کے چند پھول پیش کرنے تھے۔ للہ انہیں قبول فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں ارفع مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ میری ایک معذرت بھی قبول فرمائیے کہ میں نے یہ چند الفاظ اسی عنوان ''وہ پھول جو مرجھا گئے'' کے تحت تحریر کئے ہیں۔ حالانکہ آپ صرف ایک پھول ہی نہ تھے بلکہ ایک گلدستہ تھے۔ بلکہ ایک چمن تھے۔ آپ ہماری ظاہر بین نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ لیکن آپ کے کارہائے نمایاں اور خدماتِ جلیلہ تو ہمیشہ زندہ رہنے والی چیز ہے۔ اور آئندہ کا مؤرخ جب احمدیت کی تاریخ مرتب کرے گا۔ تو اس کا ایک سنہری باب آپ بھی ہوں گے۔

مَیں قبر کی پائینتی سے اُٹھ کر شہر خموشاں کے ساکنین کے لئے دعا کرتا ہوا شہر ناطقاں کی طرف آرہا ہوں۔ یہ سوچ دل و دماغ پر حاوی ہے کہ آسمانِ احمدیت کا کتنا بڑا ستارہ تھا جو ڈوب گیا۔ کوئی میرے کان میں سرگوشی کر رہا ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرت مولانا کی آواز ہے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

قادیان کے ایک درویش کی یاد میں

مکرم حافظ نور الٰہی صاحب مرحوم درویش قادیان تقریباً دو ماہ بیمار رہنے کے بعد ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب کو اس جہان فانی سے رخصت ہو کر اپنے مولا سے جا ملے۔ ان کی زندگی کے حالات پر تبصرہ تو وہی احباب کر سکتے ہیں جو پورے طور پر ان کے حالات سے واقف ہوں۔ ذیل میں ان کی قادیان میں درویشانہ زندگی کے مختصر عرصہ قیام کے متعلق میں اپنے ذاتی تاثرات پیش کر رہا ہوں تا کہ اس فرض سے کسی حد تک سبکدوش ہوسکوں جو ایک درویش دوست ہونے کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

حافظ نور الٰہی صاحب مرحوم کوٹ مومن ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے اور آپ ریاست بہاولپور میں محکمہ نہر میں بطور ہیڈ کلرک کام کرتے تھے۔ آپ وہاں کی مقامی جماعت احمدیہ کے امیر تھے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تحریک اور ارشاد پر آپ نے لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو قادیان کے لئے پیش کیا اور محکمہ کے افسران اعلیٰ سے بذریعہ تار چھٹی کا بندوبست کر کے قادیان تشریف لے آنے کی غرض سے لاہور آ ٹھہرے اور قریباً ڈیڑھ ماہ قیام کے بعد مؤرخہ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو دارالامان میں تشریف لے آئے یہاں آ کر ان کے چہرہ سے بشاشت اور طمانیت کے آثار ان کی دلی کیفیات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اور ان کا ذہن اخلاص وعقیدت کی فراوانی سے اس احساس کی دولت سے مالا مال تھا کہ وہ اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل میں دنیا کی دلفریبیوں کو خیر آباد کہہ کر ایک درویش کی حیثیت

سے دیارِ محبوب حاضر ہوئے ہیں۔

قادیان آکر آپ نے اخلاص اور ایمان کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ حافظ صاحب مرحوم نے یہاں آکر ایک ماہ تک متواتر روزے رکھے۔ وقت کا بیشتر حصہ دعاؤں اور عبادتوں میں گذارا۔ درسوں میں باقاعدہ حاضر ہوتے رہے۔ اور قرآن مجید کی قرأت کا دور کرتے رہے۔ آپ روزانہ کم از کم گیارہ سپارہ چھ سات مرتبہ دوہراتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ مجھے خدا تعالیٰ نے موقع دیا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں قرآن مجید پڑھتے وقت ان پر عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔

قرآن مجید پڑھتے وقت ان پر عجیب طاری ہوتی تھی۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں قرآن مجید سے عشق ہے۔ بیماری کے دوران میں اپنے تیمار داروں سے اصرار کر کے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ اور اُن کے تلفظ اور قرأت کی درستی فرماتے رہے۔ حافظ صاحب مرحوم روزانہ تہجد کے لئے اُٹھتے اور باجماعت تہجد کی نماز کے وقت سے کافی عرصہ پہلے عبادت اور دعاؤں کے لئے شب بیدار رہتے۔ آپ ہر روز شام کو بہشتی مقبرہ میں جاکر دعائیں مانگتے۔ اور عام قبرستان میں بھی جاتے اور وہاں جاکر اہل قبور کے حق میں دعا کرتے کہ وہ لوگ جو کسی کمزوری کی وجہ سے بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بھی اپنے فضل سے نوازے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

حافظ صاحب نے خاکسار کو بتایا تھا کہ اُن کے خاندان میں پشت در پشت سے قرآن مجید کے حافظ ہوتے چلے آئے ہیں۔ اُن کے والد صاحب اور دادا صاحب بھی قرآن مجید کے حافظ تھے۔ آپ بتاتے تھے کہ احمدی ہونے سے پیشتر بھی وہ مذہبی باتوں میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ اور حق کے متلاشی رہتے تھے۔ احمدیت انہوں نے ایک کشف کی بناء پر ۱۹۳۴ء میں قبول کی۔ احمدی ہونے کے

بعد حافظ صاحب نے جماعت کے بعض مخالفین مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبایعین وغیرہ سے اس لئے ملاقاتیں کیں کہ اُن کے نزدیک یہ لوگ بھی ایک لحاظ سے جماعت احمدیہ کی صداقت کے لئے نشان ہیں۔ اور انہیں تبلیغ بھی کی۔ آپ صاحب کشوف ورویاء تھے اور اپنی کئی ایک خوابوں اور رویاء کا مجھ سے ذکر کیا۔ علم تعبیر میں بھی آپ کو کافی واقفیت تھی۔ حافظ صاحب مرحوم کو صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بطور آڈیٹر مقرر کیا گیا۔ اور بیمار ہونے سے قبل قریباً ڈیڑھ ماہ تک پورے جوش اور اخلاص سے اپنے فرائض منصبی کو سرانجام دیتے رہے۔ قادیان میں قیام کے مختصر عرصہ میں آپ نے جملہ درویشوں میں اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے کافی ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ جملہ امور میں نیکی۔ تقویٰ اور خشیت اللہ کے ساتھ آپ جماعتی مفاد کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے۔ آپ کی ہر بات میں انتہائی عاجزی اور انکساری کا وصف نمایاں نظر آتا تھا۔

آپ نے اگرچہ باقاعدہ طور پر عربی تعلیم حاصل نہیں کی ہوئی تھی۔ مگر اسلامی مسائل کی آپ کو کافی واقفیت تھی۔ اور بعض پیچیدہ معاملات میں بھی آپ صائب رائے رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر قادیان میں جب غیر مسلموں سے احمدیوں کی لٹی ہوئی کتب کی خرید وفروخت کا معاملہ زیرِ غور تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایسی کتابیں جو احمدی بھائیوں کی ہیں۔ اور اُن پر اُن کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ جماعتی طور پر غیر مسلموں سے خرید کر اصل مالکوں کے لئے ہی ریزرو رکھنی چاہییں۔ اور کسی دوست کو انفرادی طور پر سستے داموں خرید کر اُن پر ملکیت کا حق نہیں ہونا چاہئے۔ وہ دوست جن کا تمام مال اسباب بول چکا ہے اگر انہیں چند اپنی محبوب کتابیں ہی مل جائیں تو اُن کے لئے مسرت کا باعث ہوں گی۔ اس لئے

جماعت کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ کسی کو اُن کتابوں کی خرید وفروخت کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ اس بات کے ایک ماہ بعد صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر کے متعلق جو اصولی فیصلہ موصول ہوا۔ وہ حافظ صاحب کی رائے کے عین مطابق تھا۔ اسی طرح بیماری سے کچھ روز پیشتر حافظ صاحب مرحوم نے ایک مضمون بعنوان ''گاندھی جی کی یاد اور ہندو مسلم اتحاد'' تحریر فرمایا جو ہفتہ اخبار ''وفادار'' حیدرآباد دکن میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی جو سکیم پیش کی ہے قابل تعریف ہے۔ اور ان کی علمی اور ادبی قابلیت کا ثبوت ہے پس مضمون کا خلاصہ اُن کے اپنے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:۔

''جس طرح انسان اپنے اندھیرے کو دور کرنے کے لئے خود کوئی روشنی تجویز نہ کرسکا۔ اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے کوئی پانی ایجاد نہ کرسکا۔ اپنی بھوک کو دور کرنے کے لئے اور اپنے جسم کو نشو نما دینے کے لئے کوئی غذا تیار نہ کرسکا.......... روشنی پیاس اور بھوک کے دور کرنے کا انتظام اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے ہی اپنی مخلوق کے لئے خود تجویز فرمایا۔ اسی طرح وہ تعلیم جس سے روحیں نشو ونما پاتی ہیں۔ اور جس سے انسانی دماغ جلا پاتے ہیں اور جس سے انسان کے اخلاق اور کریکٹر کی اصلاح ہوتی ہے۔ کوئی انسانی دماغ ہرگز تجویز نہیں کرسکتا تھا۔ بلکہ ایسی پوتر اور پاکیزہ تعلیم کا نظام اسی علیم وحکیم اور دانا ایشور کا کام ہوسکتا ہے۔''

فروری ۱۹۴۸ء کے آخری عشرہ میں حافظ صاحب بیمار ہوئے۔ ڈاکٹر

صاحبان کی رائے میں آپ کو بیماری اعصابی کمزوری۔ دماغی بوجھ اور کم خوابی اور زیادہ شب بیداری کے باعث تھی۔ یہ بات اپنے لحاظ سے درست ہوگی۔ مگر میرے نزدیک اصل وجہ یہ تھی کہ حافظ صاحب مرحوم اس دنیا سے بے نیاز ہوکر عالم بالا کی سیر کررہے تھے۔ اور انہوں نے اپنی موت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ میں اپنی اس رائے کے ثبوت میں حافظ صاحب مرحوم کے اپنے الفاظ جو انہوں نے مؤرخہ ۲۳ فروری ۱۹۴۸ء کو لکھوائے تھے۔ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جب آپ مجھے یہ عبارت لکھوا رہے تھے۔ تو میں محسوس کر رہا تھا کہ کوئی بالا طاقت ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا رہی ہے۔ الفاظ یوں ہیں کہ:۔

''ایک دیوانہ تھا جو چند روز ہوئے ساتھ درویشانہ حالت میں رہا پھر خدا جانے کہاں چلا گیا۔ میرے لئے ایک خاص سفر درپیش ہے۔ منزل تاریک وتار ہے۔ اُس کے اندر اندھیرے اور طوفان ہیں۔ اُس کے اندر کانٹے اور جھاڑیاں ہیں۔ میرے ساتھ صرف ایک ساتھی ہے۔ نامعلوم وہ کہ اس مقام پر جائے۔ اس لئے میں عزیزوں اور دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ دعا کریں کہ میرا ساتھی ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ اور مجھے منزل مقصود تک پہنچائے۔''

میں نے انہیں اس موقعہ پر تسلی دی۔ اور کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں آپ کو دو چار روز تک افاقہ ہو جائے گا۔ مگر انہوں نے پورے یقین سے کہا میں ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں۔ تمام درویشوں کو میرے لئے دلی دعا کی تحریک دیں۔ بعض کانوں نے آپ سے بیماری کی حالت میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے درخواست دعا کیا کرتے تھے۔ کہ ان کے بھائی صاحب اور اُن کی والدہ صاحب کو اللہ تعالیٰ سلسلہ

احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

شروع شروع میں آپ کی بیماری صرف اتنی تھی کہ آپ کی زبان پر تبلیغی فقرات اور خدا کی حمد و تسبیح کے نغمے جاری رہتے۔ اور استغفار توبہ اور دعائیہ کلمات پڑھتے رہتے۔ کبھی کوئی خلاف شریعت اور غیر موزوں بات منہ سے نہ نکالتے تھے۔ بعد ازاں مسلسل طور پر انگریزی اور اردو میں مختلف دعائیہ فقرات بولنا اور قرآنی آیات پڑھتے رہنا ان کا شب و روز معمول ہو گیا تھا۔ اور ان کی یہ حالت مجذوبیت کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اس دوران میں ایک دفعہ فرمایا کہ مجھے رویا میں بتایا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ ایک سال کے بعد قادیان میں آجائے گی۔ نیز آپ صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے

"قادیان میں صفائی کرادو۔ یہاں خلاّق آدم آنے والے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنے والے ہیں۔ اور دیگر انبیاء یہاں آنے والے ہیں۔"

حافظ صاحب مرحوم نے بیماری کے ایام میں خوراک بہت کم کر دی تھی۔ اور آہستہ آہستہ بالکل چھوڑ دی۔ صرف گنے کا رس۔ سنگترہ۔ سادہ پانی یا بغیر دودھ کے چائے استعمال کرتے تھے۔ روٹی دودھ چاول یا کوئی اور غذا باوجود اصرار کے نہ کھاتے تھے۔ مگر صرف مکرم امیر صاحب کے حکم کے احترام میں ایک آدھ لقمہ چکھ لیتے تھے۔ بیماری کے ابتدائی ایام میں انہوں نے اپنے تیمارداروں کو بتایا کہ

"میری بیس سال کی سروس ہے۔ اور ملازمت کا ریکارڈ بہت اعلیٰ ہے۔ مگر اب دار المسیح کی خدمت کروں گا۔ اور یہاں سے بالکل نہیں جاؤں گا۔"

ایک دفعہ انہیں کسی طرح معلوم ہوا کہ اُن کو بیماری کی وجہ سے لاہور بھجوانے کی تجویز کی جا رہی ہے۔ تو وہ مکرم امیر صاحب سے ملے اور ان سے پُرزور درخواست کی کہ انہیں قادیان سے باہر نہ بھیجا جائے۔ وہ یہیں رہنا چاہتے ہیں۔

حافظ صاحب مرحوم اور ان کے تیمارداروں کی رہائش کا انتظام بوجہ ان کی بیماری کے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے مکان میں کیا گیا تھا۔ ایک دفعہ سرسری طور پر مکرمی مولوی عبدالوہاب صاحب عمر نے دیگر لوگوں سے چھت پر مٹی ڈالنے کا ذکر کیا۔ تو اس بات کو حافظ صاحب نے بھی سُن لیا۔ اور اسی روز اپنے تیمارداروں سے کہا کہ ابھی ٹوکریوں وغیرہ کا انتظام کرو۔ تاکہ مکان کی چھتوں پر مٹی ڈالی جائے۔ لوگوں نے ہرچند منع کیا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ ہم خود ڈال لیں گے۔ مگر حافظ صاحب اصرار کے ساتھ شامل ہوئے۔ اور سب سے زیادہ کام کیا۔

آہستہ آہستہ ان کی کمزوری بڑھتی گئی۔ اور ۱۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو ان کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اس خیال سے کہ شائد پاکستان میں ان کا علاج تسلی بخش ہو سکے۔ ان کو پاکستان بھجوانے کے لئے ہرچند کوشش کی گئی۔ اور ضلع کے حکام کو فوری چٹھیاں لکھی گئیں۔ تاروں اور ٹیلیفون کے ذریعہ افسران کو درخواست کی گئی۔ مگر افسوس کہ حافظ صاحب کو بھجوانے کا انتظام نہ ہو سکا۔ آخر ۲۶ اور ۲۷ اپریل کی درمیانی شب کو قریباً ڈیڑھ بجے خدا کا یہ درویش بندہ راہیٔ ملک عدم ہوا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

مؤرخہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو صبح پونے دس بجے بہشتی مقبرہ کے ملحقہ باغ میں مکرم امیر صاحب کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس کے بعد جملہ درویشوں کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر دعا کی گئی۔ درویشوں کی اس وقت کی آہ و بکا کا نظارہ قابل دید تھا۔

موت ہر انسان کے لئے مقدر ہے۔ اور کسی کو اس سے مفر نہیں۔ مگر مبارک ہے وہ مرنے والا درویش جو خدا کے دین کی خاطر اپنی بیوی بچوں اور دیگر عزیز رشتہ داروں سے تعلق توڑ کر محض خدا کی خوشنودی کے لئے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے قادیان آیا۔ اور اپنے عمل سے اپنے ایمان کی تکمیل کی اور اپنے نفس سے جہاد کیا اور خدا کی خاطر اپنی جان دے کر واصل بحق ہوا۔ خوش نصیب ہے وہ درویش جس کے نیک اور صالح اعمال اس کے کام آئے۔ اور دیارِ محبوب کی مقدس سرزمین میں ایسا آیا کہ اس کی کشش اُسے واپس نہ لے جاسکی۔ اور اُس نے جان دے کر اس پاک اور مقدس سرزمین میں ابدی راحت حاصل کی۔

فوت ہونے والا فوت ہوگیا۔ اور اپنے رب سے جاملا۔ مگر وہ محبوب اور عزیز مقصد جس کے لئے وہ یہاں آیا۔ اور اُس نے اپنی جان دی اور اُس کے گہرے نقوش ہمارے دلوں میں نئی اُمیدیں اور نئی اُمنگوں کے ساتھ تازہ ہیں۔ اور ہم جہاں مرحوم کے بیوی بچوں اور خاندان کے ساتھ دِلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے حافظ صاحب مرحوم کے لئے اعلیٰ درجات کے خواہاں ہیں۔ وہاں اپنے قادر وقیوم خدا کے سامنے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں اور غلطیوں کی چشم پوشی کرے۔ اور ہمیں بھی اپنے فضل سے نوازے اور وہ عظیم الشان مقصد جس کے لئے جملہ درویش یہاں مقیم ہیں جلد از جلد پورا ہو۔ آمین

حافظ نور الٰہی صاحب

(از ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

افسوس کہ محترم حافظ نور الٰہی صاحب سکنہ کوٹ مومن ضلع سرگودھا حال قادیان ہیڈ کلرک محکمہ نہر بہاول نگر ریاست بہاولپور و امیر جماعت احمدیہ بہاول نگر ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب ڈیڑھ بجے وفات پاگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

آپ کا نام رہتی دنیا تک تاریخ احمدیت میں درخشاں رہے گا۔ آپ نے جس قسم کی قربانی کی روح کا مظاہرہ کیا محبتِ مرکز کے دعوے داروں نیز خود مرکز میں رہنے والوں کے لئے بھی قابل تقلید مثال ہے۔ آپ نے قادیان حفاظت مرکز کے سلسلہ میں آنے کی وجہ خاکسار کو ان الفاظ میں لکھ کر دی تھی۔

جناب ناظر صاحب آبادی لاہور کی طرف سے حفاظت مرکز کے لئے ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء تک کوئی خادم لاہور بھیجنے کی تحریک کی تھی۔ یہ تحریک بوجہ بعض ضروری حالات کے ۱۶ دسمبر ۱۹۴۷ء سے پہلے جماعت کے سامنے بحیثیت وہاں کے امیر ہونے کے نہ پیش کرسکا۔ جب یہ تحریک پیش کی تو بعض دوستوں نے وقت کی تنگی کی وجہ سے مجھے مشورہ دیا کہ سلسلہ کو لکھ دینا چاہیئے کہ ہم اس دفعہ کوئی آدمی نہیں بھیج سکتے۔ اگلے بیچ میں بھیج دیں گے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں حضور کو اطلاع دے دوں کہ ہماری جماعت بہاول نگر مرگئی ہے۔ سو میں تمام قیود کو توڑ کر خود خدا تعالیٰ کے فضل سے حاضر ہوگیا۔ تاکہ میری جماعت بہاولنگر

کسی الزام کے نیچے نہ آئے خدا تعالیٰ ہی لایا ہے۔ وہی جب چاہے گا واپس لے
جائے گا۔ مرحوم سناتے تھے کہ میرے افسر نے تار کے ذریعہ افسران بالا سے میری
رخصت منظور کرائی اور مجھے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس غرض کے لئے اگر آپ
کو رخصت نہ ملے تو استعفیٰ دے کر بھی جانے کو تیار ہوں گے۔ مرحوم کا کہنا تھا کہ گو
میری ۲۰ سالہ ملازمت ہے جس کا مشاہرہ ۱۸۰ روپے ماہوار تھا۔ اور کسی قسم کا
حرف اس عرصہ میں مجھ پر نہیں آیا۔ لیکن اب میرا ارادہ ہمیشہ کے لئے قادیان
رہنے کا ہے۔ آخری بیماری کا خفیف آغاز ہو چکا تھا۔ کہ آپ کو معلوم ہوا کہ آج ۵
مارچ کو لاہور سے ٹرک آنے والے ہیں۔ اور تجویز ہے کہ آپ کو واپس بھیج دیا
جائے۔ تو اپنے تیمارداروں کو مکرم امیر صاحب کے پاس جانے کو کہا کہ آپ ہرگز نہ
بھیجیں ٹرک تو اسی روز واپس ہو گئے۔ اگلے روز خود مکرم امیر صاحب سے آ کر ملے
اور کہا کہ آئندہ بھی جب ٹرک آئیں تو مجھے واپس نہ بھیجا جائے۔ تیماردار جب بھی
آپ سے ذکر کرتے کہ اب آپ کا واپس جانا ہی مناسب ہے تو خفا ہو جاتے کہ
مجھے واپس جانے کا مشورہ کیوں دیتے ہو۔

مرحوم کے دل میں نیکی اور تقویٰ ذکر الٰہی کی عادت، خلاف شریعت افعال
سے نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ذکر الٰہی، نوافل اور تلاوت قرآن مجید
تینوں میں آپ نے کثرت اختیار کر رکھی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنی عمر کا ایک لحہ
بھر بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے اور ہر لحہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے
ہیں۔ علاوہ پنجگانہ باجماعت نماز کے آپ کا روزانہ کا لائحہ عمل یوں تھا۔ صبح سے
بارہ بجے تک آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کے طور پر کام کرتے تھے۔ ظہر سے عصر تک
بیت الدعاً میں اسی طرح عشاء کے بعد گیارہ بجے تک۔ وہاں یا مسجد مبارک میں
تسبیح وتحمید، درود شریف، نماز تسبیح وغیرہ پڑھتے تھے۔ روزانہ مزار حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دعا کے لئے جاتے۔ بلکہ دیگر قطعات مدفونین میں سے باری
باری روزانہ ایک قطعہ پر دعا کرتے اور عصر سے مغرب تک کھیتوں میں بیٹھ کر زبانی
ایک پارہ چھ سات دفعہ دہراتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ راقم بیت الدعاء کے
ملحق حضرت اماں جان کے کمرہ میں موسم سرما میں سویا ہوا تھا۔ کہ حافظ صاحب کی
آہٹ سے بیدار ہوتا۔ اور آپ سے دریافت کرتا تو آپ بتاتے کہ ڈھائی یا سوا دو
بجے ہیں۔ اس وقت سے اندازاً پانچ یا ساڑھے پانچ بجے تک نوافل ادا کر کے پھر
مسجد مبارک میں باجماعت تہجد بھی ادا کرتے۔ بہشتی مقبرہ کی دیوار بنائی جا رہی
تھی۔ کبھی کبھی اس میں بھی شامل ہوتے پھر سو کے قریب ٹوکری مٹی آپ نے
حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے مکانوں کی چھت پر ڈالی۔ مولوی محمد حفیظ
بقاپوری سناتے ہیں کہ جنوری میں قادیان آنے والوں کی پہلی فہرست چالیس
احباب کی تھی۔ لیکن انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پہلے دس آدمی ۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو
روانہ ہوئے۔ اس فہرست میں آپ کا تیسرا نمبر تھا۔ میں نے دیکھا کہ لاہور سے
لے کر قادیان تک آپ تسبیح وتحمید اور ذکر الٰہی میں مستغرق رہے بلکہ ہمیں بھی متعدد
بار توجہ دلائی۔ رات گورداسپور ہمیں ٹھہرنا پڑا۔ رات سردی کی وجہ سے کوئی بھی سو نہ
سکا۔ حافظ صاحب کو دیکھا کہ ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دی اور ۶ جنوری
۱۹۴۸ء کو قادیان پہنچے۔ آپ کو قرآن مجید سے عشق تھا۔ ابتداءِ مرض میں اپنے
تیمارداروں سے روزانہ قرآن مجید سنتے اور ان کی تلاوت کی اصلاح کرتے۔
فرماتے تھے کہ مجھے قرآن مجید سے اس قدر محبت ہے کہ بعض دفعہ مجھے بخار ہوا اور
میں نے اپنی بیٹی سے قرآن مجید سنا اور بخار جاتا رہا۔ گو ان کی صحت بظاہر اتنی اچھی
نظر آتی تھی کہ ہم رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کہ اس قدر ریاضت کی طاقت
رکھتے ہیں۔ لیکن ریاضت ان کی طاقت سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ اور قلت غذا بھی

اس امر میں ممد ثابت ہوا اور دماغی توازن قائم نہ رہا۔ جو بڑھتے بڑھتے وفات کا موجب بن گیا.......... آپ کی سعادت کی ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مکرم امیر صاحب کی حکم عدولی میرے لئے موت ہے۔ چنانچہ شدید بیماری میں جب کہ انہیں اپنا ہوش بھی نہیں تھا۔ مکرم امیر صاحب کا نام سن کر چونک پڑتے تھے اور آپ کے نام پر جو بات بھی کہی جاتی مان لیتے تھے۔ امیر صاحب محترم نے تو بالکل ابتداء مرض میں مرحوم کو حکماً تہجد پڑھنے، باجماعت نماز ادا کرنے اور روزے رکھنے منع کر دیئے تھے۔ مرحوم کہتے تھے کہ گو میں تندرست ہوں اور ان سب باتوں کی طاقت ہے۔ لیکن امیر صاحب کے تعمیل حکم میں سب کچھ ترک کرتا ہوں۔ ایک روز جب کہ ہوش حواس قریباً مفقود تھے اور آپ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ مکرم امیر صاحب نے کہا کہ پوچھ آؤ کہ میں کھانا بھیجتا ہوں کھا لیں گے۔ پہلے تو ہوش ہی نہ تھی امیر صاحب کے نام پر چونک پڑے اور کہا کہ اچھا دوڑ کر امیر صاحب سے کھانا لے آؤ۔ لیکن کھانا کھاتے کھاتے توجہ پھر دوسری طرف چلی گئی۔ ایک روٹی زمین پر پھینک دی۔ جب پھر توجہ دلائی کہ امیر صاحب کی بھیجی ہوئی روٹی آپ نے پھینک دی ہے تو بہت متاسّف ہوئے اور اس گرد آلود روٹی کو کھا گئے۔

آپ کے مختصر حالات زندگی قبول احمدیت یہ ہیں کہ آپ ایک علمی خاندان سے جو گندل جٹ ہے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حافظ محمد عارف تھا۔ تاریخ پیدائش ۵۔۱۹۰۴ء تھی۔ خود حافظ قرآن تھے۔ اور ایف۔اے پاس تھے۔ ایک بزرگ چوہدری اللہ دتا صاحب سکنہ حمزہ غوث (سیالکوٹ) محکمہ نہر میں بہاولنگر میں ملازم تھے۔ اختلافی مسائل پر ان سے گفتگو کرنے کے لئے مرحوم کو بعض غیر احمدی لے گئے۔ اس کے بعد چوہدری صاحب مرحوم نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارنامے پڑھنے کے لئے دی۔ بعد

میں مرحوم کے کہنے پر براہین احمدیہ رات کے بارہ بارہ بجے تک سناتے رہتے گو دلائل سے آپ کی تسلی ہو گئی۔ لیکن انشراح صدر نہ ہوا۔ اس وقت بھی آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ یہ لوگ جو پہلے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ اس سے احتراز کرنے لگے۔ بلکہ برے الفاظ سے یاد کرنے لگے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین ہوئی۔ انشراح صدر کے لئے آپ چھ ماہ تک دعا کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹ ذیقعد ۱۳۵۱ھ شب جمعہ کو رویا میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ کے سر سے لے کر اردگرد خطۂ زمین پر اور فضائے آسمان میں ایک نہایت ہی لطیف چیز کی سی شعائیں تاحدّ نگاہ وخیال چلی جاتی ہیں۔ اور زمین اور فضاءِ آسمان آپ کے ذکر سے گونج رہے ہیں۔ سوالات پر بزبانِ قال حضورؑ نے فرمایا کہ آپ کو الہامات ہوتے ہیں اور آپ مسیح موعود ہیں جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارات دی ہیں۔ اس رویاء کے بعد آپ نے مئی ۱۹۳۳ء میں بیعت کر لی۔

کچھ حالات بشارات رحمانیہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر میں درج ہیں۔

آپ کی پہلی شادی حسین بی بی مرحومہ سکنہ کوٹ مومن سے ہوئی۔ انہیں سلّ کی مرض ہو گئی۔ اور مرحومہ نے ۱۹۳۵ء میں خود اصرار کر کے مرحوم کے پیروں کے خاندان میں اپنی زندگی میں حاکم بی بی سکنہ گڑھی میانہ (سرگودھا) سے شادی کرا دی۔ دوسری اہلیہ سے مرحوم کی کوئی اولاد نہیں۔ پہلی اہلیہ سے ایک ہی بیٹا خالد بعمر ۱۵ سال ہے جو وقف ہے۔ اور اس وقت مدرسہ احمدیہ احمد نگر میں زیر تعلیم ہے۔ اور دو بیٹیاں بعمر انیس وسترہ سال ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ان کا حافظ وناصر ہو اور خدمت سلسلہ کی توفیق عطا کرے۔ آمین

مرحوم پہلے مکرم مرزا رشید احمد صاحب کے مکان میں رہتے تھے۔ پھر شدت

مرض کے باعث حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے مکان میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ جہاں آخر تک آپ رہے۔ اس عرصہ میں مکرم امیر صاحب بار بار مرحوم کی عیادت کے لئے جاتے تھے۔ اور ہر طرح خیال رکھتے تھے۔ شیخ سراج الدین صاحب شیخوپوری، شیخ عبدالحق صاحب سکنہ لالہ موسیٰ، علاء الدین صاحب ہوشیارپوری، نبی احمد صاحب سیالکوٹی، اور محمد اسلم صاحب بہاولپوری نے مرحوم کی تیمارداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مرحوم کی قبر کھودنے والے عبدالحمید صاحب شیخوپوری، غلام محمد صاحب عالم گڑھی، عطاء اللہ صاحب سیالکوٹی اور عبدالرحمٰن صاحب درویش پسر فجا صاحب تھے۔ ساڑھے نو بجے صبح مکرم امیر صاحب نے بڑے باغ میں اس جگہ نماز جنازہ پڑھائی۔ جہاں سیدہ ام طاہر وحضرت میر محمد اسحاق صاحب کے جنازے پڑھائے گئے تھے۔ اور پونے بارہ بجے مرحوم کو لحد میں اتارا گیا۔ اور تدفین کے بعد مکرم امیر صاحب نے درویشوں سمیت دعا فرمائی۔ ہمارے دل مرحوم کے لئے روتے تھے۔ مرحوم یقیناً منھم من قضیٰ نحبہ' کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ ع

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

چونکہ مرحوم ایسی مرض میں مبتلا تھے کہ جس کا یہاں علاج ہونا ناممکن تھا۔ اس لئے آپ کے واپس وطن بھجوانے کے لئے جو یہاں تگ ودو کی گئی اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم نے مرحوم کے بھجوانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی

(۱) ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈاکٹر ستیہ پال صاحب صدر آل کشمیر سہائتک سبھا تشریف لائے۔ خاکسار نے عرض کی کہ ایسے لوگوں کے بھجوانے کے متعلق توجہ دلائیں۔

(۲) ۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاتما چونی لال صاحب صدر کانگریس کمیٹی گورداسپور مسٹر من موہن انند صاحب پبلسٹی آفیسر گورداسپور، بخشی بیج ناتھ صاحب انسپکٹر سی آئی ڈی گورداسپور سے اور

(۳) ۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو مسٹر گنیش دت ورکر پراونشل کانگرس متعین بٹالہ سے بھی خاکسار نے اس امر کا ذکر کیا۔

(۴) ۱۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو فضل الٰہی صاحب نے مرحوم کے متعلق مجسٹریٹ صاحب مقامی سے ذکر کیا کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔

(۵) ۱۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو مکرم امیر صاحب نے مجسٹریٹ صاحب کو کہلا بھیجا کہ پٹرول کا خرچ ہم دیتے ہیں۔ آپ ان کے بھجوانے کا انتظام کر دیں۔ پھر آپ تھانیدار سے ملے اور اس طرف توجہ دلائی۔

(۶) ۱۱۵ اپریل ۱۹۴۸ء کو فضل الٰہی خاں صاحب نے مجسٹریٹ صاحب کو توجہ دلائی تو انہوں نے کہا کہ پاکستان جانے کی اجازت دینا میرے اختیار میں نہیں۔ میں ڈی سی کو درخواست بھیج سکتا ہوں۔

(۷) راقم نے تھانیدار صاحب سے اس دستی چٹھی کے متعلق دریافت کیا تو کہنے لگے کہ ڈی ایس پی سے میں نے ذکر کیا تھا کہتے تھے کہ ڈی سی کی طرف سے ہمیں ہدایت آنی چاہیئے۔ آج بھی آپ کی چٹھی دستی گورداسپور بھیج دی تھی۔

(۸) ۱۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو عاجز صاحب، فضل الٰہی خاں صاحب اور خاکسار مجسٹریٹ سے ملے انہوں نے کہا کہ حافظ صاحب کے متعلق ایک اور چٹھی لکھ دیں۔ ہم نے تاکیداً درخواست کی کہ کسی خاص قاصد کے ہاتھ گورداسپور بھیجیں تاکہ جلدی جواب آسکے۔

(۹) اسی دن ڈی سی صاحب کو خاکسار نے فون پر حافظ صاحب کی حالت بتائی۔ تو انہوں نے کہا کہ مقامی ملٹری انتظام کے لئے میں نے کہہ دیا ہے۔

(۱۰) مقامی صوبیدار کو جو ملٹری کے کمانڈنگ ہیں۔ مکرم امیر صاحب نے بلایا اور حافظ صاحب کی پوری حالت بتائی اور کہا کہ آپ اس معاملہ میں کچھ کر سکتے ہیں یا نہیں انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ شام کو یہاں کی رپورٹ دیتے وقت اس بات کا ذکر کر دیں۔ اور بعد میں بتایا کہ بٹالہ نے ہمیں جواب دیا کہ ہمیں اس بارہ میں کوئی ہدایت نہیں۔

(۱۱) ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو پہلے ایجوٹنٹ بٹالہ اور پھر ملٹری ہیڈ کوارٹر گورداسپور سے خاکسار نے حافظ صاحب کی تشویشناک حالت اور پھر ڈی سی صاحب کے جواب کا ذکر کیا۔ دونوں جگہ سے جواب ملا کہ ہمارا یہ کام نہیں اور نہ ہمیں کوئی ہدایت ملی ہے۔

(۱۲) چونکہ حالت ہر لحظہ سخت نازک ہو رہی تھی ۲۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو ڈی سی کو ایکسپریس تار دی اور پھر رجسٹری خط لکھا اور

(۱۳) پھر ۲۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو بھی ایکسپریس تار دیا

(۱۴) ۲۶ اپریل ۱۹۴۸ء کو امرتسر چھاؤنی کے ایک بریگیڈیر صاحب کو چٹھی لکھی لیکن ۲۷ اپریل ۱۹۴۸ء کی شب کو حافظ صاحب وفات پا گئے۔ جو کوشش ان کی واپسی لاہور کے لئے کی گئی اور کامیابی نہ ہوئی وہ اس سے علیحدہ ہے۔ اس تفصیل سے احباب ہماری بے بسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آخر میں احباب کی خدمت میں گذارش ہے کہ سب درویشوں کی صحت و عافیت اور روحانی بہتری کے لئے دعا کرتے رہیں۔

سید محمد شریف شاہ صاحب

رات کے پُر اسرار اور ہولناک سناٹے جب گہرے ہو جاتے تاریکیاں اپنے شباب پر ہوتیں اور کائنات پر گہرے سکوت کا تسلط ہوتا تو دارالمسیح کے ایک مقدس کمرے ''بیت الریاضت'' میں سے ایک مرتاض بوڑھا لاٹھی ٹیکتے ہوئے اپنی بوڑھی کمزور ٹانگوں کو قریباً گھسیٹتا ہوا۔ منجمد کرنے والی سردی میں باہر نکلتا۔ پکے فرش پر لاٹھی کی ٹھک ٹھک کی آواز سکوت کے تسلسل کو توڑ کر اعلان کرتی کہ شاہ جی اپنا گرم بستر چھوڑ کر شدتِ سرما کو للکارتے ہوئے باہر نکلے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ مسجد مبارک کے سامنے گیٹ کے پاس پہنچ کر اس ابدی صداقت کا اعلان بآوازِ بلند کرتے کہ۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فارسی نعت کا ایک بہت ہی پیارا اور دلربا شعر ہے جس میں سیدنا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک ایسی انوکھی دلیل دی گئی ہے اور عشقِ محمدؐ کے بلند مقام پر کھڑے ہو کر طالبانِ حق وصداقت کی ایک ایسی شاہراہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جس پر چل کر کوئی بھی شخص محمد عربی کے قدموں میں پہنچنے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔

اس شعر کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اے طالب حق اے متلاشی صداقت اگر تو محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل چاہتا ہے تو تجھے کسی فیلوسفانہ بحث کی

ضرورت نہیں۔ تجھے تاریخ کے مطالعہ کی حاجت نہیں اور تو علماء کے ساتھ لمبی چوڑی گفتگو کا بھی محتاج نہیں تو صرف اتنا کر کہ محمدؐ کا عاشق ہو جا اور محمدؐ کے ساتھ محبت میں قدم بڑھاتا چلا جا اور جب تیرے قدم آگے بڑھیں گے تو تُو اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ محمدؐ خود اپنی صداقت کی ناقابلِ تردید دلیل ہے تو مخلی بالطبع ہو کر اس معدنِ جود و کرب اور رحمتِ مجسم پر نظر کرے تو نزول انوار الٰہی کو بچشمِ خود دیکھ لے گا۔

اور پھر شاہ جی گیٹ کے بغلی دروازے سے نکل کر محلّہ احمدیہ کی گلیوں میں درود شریف کا ورد کرتے ہوئے دھیمی رفتار کے ساتھ ایک پورا چکر کاٹتے اور ہر چند قدم پر رک کر پوری قوت کے ساتھ باآوازِ بلند وہی شعر اپنی خاص لے اور ترنم کے ساتھ پڑھتے اور جھومتے ہوئے لاٹھی کی ٹھک ٹھک کے ساتھ آگے بڑھتے ڈھاب کے پُل کو عبور کر کے وہ بہشتی مقبرہ کی سڑک پر نکل جاتے اور سارے راستے اپنی ہی آواز کے ترنم سے اپنے اوپر مدہوشی اور سرشاری کی ایک روحانی کیفیت طاری کئے ہوئے مزار مبارک حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر پہنچ کر پُرسوز دعائیں کرتے۔

محترم سید محمد شریف صاحب جو سیالکوٹ کے ایک مشہور خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے اور سید حامد علی شاہ صاحب سیالکوٹی کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء کو لاہور سے قادیان آنے والے قافلۂ درویشان کے ایک فرد تھے۔ اور اپنی زندگی عزیز کو قادیان کے مقاماتِ مقدسہ کی خدمت پر لگانے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے دارالمسیحؑ کے اندر بیت الریاضت والے تاریخی اور مقدس کمرہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ وہی کمرہ ہے جہاں مسیح دوراں نے مسلسل چھ ماہ کے روزے رکھے تھے۔ اور تمام علائق دنیوی سے منقطع ہو کر اسلام کی سربلندی کے لئے بابِ اجابت پر دستک دینے والی دردمندانہ دعائیں کی تھیں۔

یوں تو شاہ جی صاف ستھرا سادہ اور سفید لباس پہنتے تھے لیکن یہ کہنا بھی مبالغہ نہ

ہوگا کہ ان کا اصل لباس دینداری ریاضت تہجد گزاری اور تقویٰ تھا اور یہ دونوں لباس ان کے مومنانہ بُشرے پر بہت سجتے تھے۔ شاہ جی نے قادیان پہنچتے ہی اپنے اس پروگرام پر عملدرآمد شروع کر دیا جو خدا جانے کب سے ان کے ذہن میں ترتیب پا رہا تھا۔ یعنی وہ رات ڈھلتے ہی بستر کی استراحت کو اپنے اوپر گویا حرام کر لیتے تھے۔ اور اپنے کمرے سے نکل کر محلّہ احمدیہ کی ساری گلیوں اور کوچوں کا چکر لگا کر باآوازِ بلند تہجد پڑھنے کے لئے لوگوں کو بیدار کیا کرتے تھے۔ اور محلّہ احمدیہ کے ہر مکان کا دروازہ یہ سچی شہادت دینے کے لئے تیار ہے کہ اس پر متواتر ۲۶ سال تک شاہ جی نے اس لئے دستک دی کہ اس مکان کے مکین اٹھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ پر عمل کر کے راتوں کی تنہائیوں میں اپنے رحیم و کریم خدا کو راضی کر لیں۔

میں وہ وجد آفرین نظارہ کبھی نہیں بھول سکتا جو ایک پوری رات جاگ کر میں نے دیکھا مجھے کسی دوست نے بتایا تھا کہ جب شاہ جی پر جوش آواز میں سحری کے وقت یہ شعر پڑھتے ہیں۔ اگر خواہی دلیلے .... تو ان کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ میں شاہ جی کی سحر خیزی کے انتظار میں رات کو ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا تا کہ ایسا نہ ہو کہ مجھے دیکھ کر شاہ جی پر وہ کیفیت طاری نہ ہو۔ شاہ جی حسب معمول لاٹھی ٹیکتے ورد کرتے جھومتے ہوئے آئے اور پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ یہ شعر پڑھا اور جب وہ شعر کے آخری لفظ محمدؐ پر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے بڑے ہی وجد کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ سونٹے سمیت ہوا میں لہرایا میں یہ نظارہ دیکھ کر مسحور ہو گیا۔ عشق بعض اوقات بے اختیار ایسی حرکات انسان سے کرواتا ہے اور شاہ جی کا یہ فعل بھی عشق محمدیؐ کا ایک کرشمہ تھا۔

شاہ جی تمام محلے کا ایک طویل چکر کاٹ کر ایک روحانی اور قلبی اطمینان حاصل

کر کے مسجد مبارک میں باجماعت نمازِ تہجد کے لئے پہنچ جاتے اور اکثر اوقات وہ پہلے شخص ہوتے جو تہجد کے لئے مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ مسجد میں پہنچ کر وہ محراب کے عین سامنے نوافل اور دعاؤں میں مصروف ہو جاتے پھر یہی نہیں کہ وہ تہجد کے وقت محراب کے سامنے امام کے پیچھے جگہ حاصل کرتے تھے بلکہ اس چھبیس سالہ طویل عرصہ میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ کسی دوسرے شخص نے ان سے سبقت حاصل کر کے امام کے عین پیچھے جگہ پائی ہو کیونکہ پانچوں نمازوں میں شاہ صاحب کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ صف اوّل میں امام الصلوٰۃ کے پیچھے کھڑے ہوں اور حق یہ ہے کہ وہ اس کا استحقاق بھی رکھتے تھے کیونکہ دینداری کے لحاظ سے وہ واقعی صف اوّل کے آدمی تھے۔

کوئی شخص کتنے ہی مضبوط اعضاء و اعصاب رکھتا ہو عمر ڈھلنے کے ساتھ ساتھ اس کی خلقت میں کمزوری آتی چلی جاتی ہے۔ یوں جیسے محاذِ مغرب میں پہنچتا ہوا سورج جون کے مہینہ میں بھی اپنی تمازت کی شدّت کھو بیٹھتا ہے۔ شاہ جی مرحوم اچھے مضبوط جسم کے مالک تھے۔ جب وہ قادیان آئے تھے۔ لیکن آفتاب شباب کے سائے ڈھل چکے تھے اور سامنے ٹھوری کے نیچے داڑھی کے سفید بال بتا رہے تھے کہ وہ اپنی عمر کی ۴۰ ویں منزل میں ہیں۔ زمانہ گزرتا چلا گیا اور بڑھاپے کی کمزوریوں نے ان کے جسم کو اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا مگر آفرین ہے شاہ جی کی ہمت پر کہ تین سال قبل تک ان کے پروگراموں میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان کا بڑھاپا ویسے ہی محلہ احمدیہ کی ایک ایک اینٹ پر قدم رکھتا ہوا محلّہ احمدیہ کی گلیوں میں رواں دواں رہا گو چال میں لڑکھڑاہٹ آ گئی تھی۔ اور بعض اوقات وہ تہجد کے لئے اُٹھاتے اُٹھاتے کمزوری کے باعث خود گر جاتے تھے۔ لیکن عشق اور عزم انہیں توانائیاں بخشتا رہا اور ضعفِ پیری کے باوجود وہ غالب کی طرح یہی نعرہ

لگاتے رہے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

لیکن جب انتظامیہ کے بزرگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ ایسا نہ ہو کہ کسی وقت شاہ جی گر کر شدید زخمی ہو جائیں انہیں روک دیا گیا۔

زندگی کے آخری دو سالوں میں جب ان کی بینائی نے بے وفائی کی اور ضعفِ پیری نے ٹانگوں کی سکت سے محروم کر دیا۔ وہ چارپائی کے حلیف بن کر رہ گئے۔ قدرت کی بے نیازی کہ یخ بستہ راتوں سے ستیزہ کاری کرنے والا سفید ریش بوڑھا اب دن رات چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا رہتا لیکن یاد خدا اور اذکار رواوراد کا سلسلہ جاری رہا مگر مسلسل بیٹھے رہنے کے باعث ٹانگیں جڑ گئی تھیں۔ جنہیں وفات کے بعد بمشکل سیدھا کیا گیا۔

شاہ جی چونکہ بہت دعا گو بزرگ تھے اس لئے تمام درویش انہیں عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نہ صرف قادیان کے درویش بلکہ ہندوستان کی جماعتوں اور بیرونی ملکوں سے زیارتِ قادیان کے لئے آنے والے دوست بھی اُن سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے اور حتیٰ الامکان خط و کتابت بھی کرتے تھے۔ امارتِ مقامی کی طرف سے بھی دعاؤں کی جو تحریری فہرست روزانہ کسی نہ کسی نماز میں سنا کر تحریکِ دعا کی جاتی ہے۔ بھی طویل عرصہ تک شاہ جی مرحوم بڑے تسلسل سے سنا کر تحریک دعا کرتے تھے۔

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ شاہ جی کے گہرے مراسم تھے۔ چنانچہ روزانہ عصر سے مغرب کی اذان کے وقت تک ان کی صحبت میں رہتے

اور دونوں معمر بزرگ بہت ہی شگفتہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور روایاتِ سلسلہ کو دہراتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؓ کی وفات نے بھی اثر ڈالا اور بڑھاپے کا ضعف تو پہلے ہی اپنا وار کر چکا تھا۔ آخر قریباً ستر سال کی عمر میں مؤرخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو موت کا پیغام آ گیا۔ اور اسی روز درویشان کی ایک بڑی تعداد نے جنازہ پڑھ کر اشکبار آنکھوں سے اپنے اس بوڑھے بزرگ کو بہشتی مقبرہ میں قطعہ نمبر۹ میں دفن کر دیا۔

اور یوں تیس سال تک ہمارے درویشی ماحول کو معطّر اور مفید بنانے والا یہ خوشنما پھول مرجھا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ جی درمیانہ قد گورا رنگ اور وجیہ شباہت رکھتے تھے۔ ہنس مکھ زندہ دل اور خوش خوراک تھے۔ روٹی تو لنگر سے لیا کرتے تھے لیکن سالن خود پکایا کرتے تھے جس کے وہ ماہر تھے۔ اور اکثر اوقات اپنی اس مہارت کا اعتراف کروانے کے لئے بعض بے تکلف دوستوں کو بھی شریک طعام کر لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں شاہ جی کے درجات کو بلند کرے۔ آمین

مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب

سائنس کو اپنی شہرۂ آفاق ایجاد کمپیوٹر پر بیشک بجا طور پر ناز ہے لیکن ہم درویشوں اور ہمارے درویشی ماحول کو اس سے بھی زیادہ اپنے مرحوم بھائی محترم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب ناظر بیت المال خرچ پر ناز تھا۔ جو ایک چلتے پھرتے کمپیوٹر تھے۔ تقسیم ملک کے بعد جب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے دفاتر کو منظّم کیا جا رہا تھا تو گنتی کے وہ چند افراد جو دفتری کاموں کا تجربہ رکھتے تھے قریشی صاحب ان سب میں تجربہ کے لحاظ سے قد آور تھے۔ کیونکہ وہ مختلف دفاتر میں کام کر چکے تھے۔ اور اپنے ذہن باریک نقوش کے ساتھ ساتھ بیدار مغز بھی تھے۔ ان کے دماغ کے سارے سیل (Cell) حیرت انگیز طور پر کارگر تھے۔ چنانچہ دفتری کاموں کے تجربہ کے ساتھ ساتھ صدر انجمن احمدیہ کے قواعد وضوابط کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے دماغ میں محفوظ رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے قریشی صاحب کو ایک متحرک کمپیوٹر سے تشبیہ دی ہے۔

قریشی صاحب مرحوم کا چھوٹا سا قد اور نحیف سا جسم بیشمار خوبیوں اور صلاحیتوں کا رہین تھا۔ چنانچہ جب تقسیم ملک کے بعد صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کو منظّم کیا جا رہا تھا تو اس میں بنیادی کردار قریشی صاحب نے ادا کیا اور تمام دفاتر میں ریکارڈ کی SETTING اور کام کی شروعات کے بارہ میں قریشی صاحب کی معلومات بروئے کار آئیں اور خدا کے فضل سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے تمام دفاتر نے چند روز تعطّل کے بعد باقاعدگی سے کام شروع کر دیا۔

تقسیم ملک سے قبل بھی قریشی صاحب نظارت بیت المال کے کلرک تھے اور تقسیم ملک کے بعد بھی ان کی خدمات نظارت بیت المال نے بطور کلرک حاصل کیں۔ چنانچہ وہ مسلسل ۲۰ سال تک اس نظارت میں خدمات بجالاتے رہے۔ اور اپنے مفوضہ فرائض کے ساتھ ساتھ دوسرے دفاتر کی راہنمائی بھی کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی جماعتوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنا بھی ایک بڑا کام تھا اور دوسری طرف مرکز کے ذمہ تین سو تیرہ درویشانِ قادیان کے لئے وظائف اور کھانے کا انتظام بھی ایک بڑی ذمہ داری تھی چنانچہ مکرم محترم ناظر بیت المال کی رہنمائی میں قریشی صاحب نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور یوں کام کیا کہ نہ دن دیکھا نہ رات۔

قریشی صاحب کا یہ معمول تھا کہ وہ سب سے پہلے دفتر پہنچتے اور سب سے آخر میں دفتر سے اُٹھتے تھے بلکہ دفتری اوقات کے بعد بھی ہمیشہ دفتر ہی میں بیٹھے دیکھے جاتے اور رات گئے تک وہ بجلی کی روشنی میں فائلوں اور رجسٹروں کے انبار کے درمیان قلم چلاتے رہتے۔ یہ ذمہ داری کا احساس تھا جو دفتری اوقات کے بعد دفتری فرائض کی بجا آوری کے لئے آمادہ رکھتا تھا۔ اس عرصہ میں قریشی صاحب کلرک سے معاون ناظر اور نائب ناظر بھی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے قریشی صاحب کی ان خدماتِ جلیلہ کو نوازا اور وہ کلرک سے ترقی کرتے کرتے آخر ۱۹۶۹ء میں ناظر کے عہدہ پر پہنچے اور نظارت بیت المال خرچ کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئیں۔ جنہیں تادم آخر انہوں نے نہایت محنت ، احساسِ ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے نبھایا۔

ابتدائے کارکنیت سے ہی قریشی صاحب مال کے محکمہ میں رہے اور اعداد و شمار سے ہی ان کا واسطہ رہا۔ چنانچہ سالہا سال کے لمبے تجربہ نے انہیں اتنی قابلیت بخش

دی تھی کہ وہ ہزاروں لاکھوں کی جمع ، تفریق اور ضرب سیکنڈوں میں زبانی کرلیا کرتے تھے۔ اور حاصل جمع تفریق بالکل صحیح ہوتا تھا۔ اور اس قابلیت میں سارے قادیان میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ چنانچہ نظارت بیت المال خرچ میں انہوں نے بڑی قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں اور اپنی بیماری کے ایام میں بھی مہینوں تک اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر حبس البول کی شدّتِ درد کے باوجود کام کرتے رہے لیکن منحنی سا جسم بیماری کے باوجود اتنی محنت کا کیسے متحمل ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آخر جنوری میں انہیں امرتسر کے وی۔ جے ہسپتال میں داخلہ لینا پڑا اور وہاں کافی روز تک زیرِ علاج رہنے کے بعد اور ایک بار بیماری سے سنبھالا لینے کے باوجود ۳۰ جنوری ۱۹۷۸ء کو ان کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ ایک فعال اور قابلِ رشک زندگی گزار کر خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئے ان کی نعش امرتسر سے لاکر مہمان خانہ کے ایک کوارٹر میں رکھ دی گئی۔ تاکہ قریشی صاحب کے فرزند عزیز قریشی مطیع الرحمٰن صاحب سیف لنڈن سے پہنچ کر جنازہ میں شرکت کرسکیں جن کی طرف سے اطلاع آچکی تھی چنانچہ وہ ۲ فروری ۱۹۷۸ء کو بیوی بچوں سمیت پہنچے اور اسی روز قریشی صاحب کو بہشتی مقبرہ کے قطعہ نمبر ۹ میں سوگواروں کے ساتھ سپردِ خاک کردیا گیا۔

قریشی صاحب کی اہلیہ درویشی کے ابتدائی سالوں میں ہی فوت ہوگئی تھیں۔ جن کے بطن سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھے ان بچوں کو قریشی صاحب نے پاکستان بھجوادیا تھا۔ اور وہیں ان کی شادیاں ہوئیں۔ قریشی صاحب نے اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد ۲۶ سال تک تجرد کی زندگی گزاری اور اپنے تجرّد کو سلسلہ کی خدمات میں مصروف رکھا۔

قریشی صاحب مرحوم دُبلے پتلے جسم چھوٹے قد اور ذہین نقوش کے مالک تھے لباس اور عادات میں سادگی ساری زندگی ان کا شعار رہا۔ وہ محلّہ ناصر آباد میں

رہتے تھے۔اوراس محلّہ کی مسجد میں امام الصلوٰۃ کے فرائض بجالانے کے علاوہ درس بھی دیا کرتے تھے۔مطالعہ وسیع تھا اور سلسلہ کی روایات سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔انہوں نے اپنے والد صاحب مرحوم حضرت حافظ محمد امین صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالاتِ زندگی بھی ''حیاتِ امین'' کے نام سے شائع کئے تھے۔وہ مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے صدر بھی تھے۔انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ انصاراللہ کے فرائض اور لائحہ عمل سے متعلق ایک چھوٹا جیبی سائز کتابچہ بھی ''الواح الہدیٰ'' کے نام سے تالیف کر کے شائع کیا تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کرام کے ارشادات کے حوالہ جات بڑی خوبصورتی سے یکجا کردئے تھے۔

۱۹۶۵ء میں جب پاک وہند جنگ شدت اختیار کرگئی تو قریشی صاحب کو ایک متبادل صدر انجمن احمدیہ کے قیام کے لئے حیدرآباد دکن بھجوایا گیا تھا اور ان کے ذمہ یہ فرض سونپا گیا تھا کہ وہ وہاں صدر انجمن احمدیہ کو رجسٹر کرائیں اور ضرورت پڑنے پر اس کام کو منظم ومرتب کریں۔چنانچہ وہاں پہنچ کر قریشی صاحب نے اس سارے کام کا خاکہ تیار کرلیا تھا۔لیکن چونکہ چندہی روز کے بعد جنگ ختم ہوگئی اس لئے قریشی صاحب واپس قادیان آگئے۔

مرحوم قریشی صاحب بڑے ذہین سادہ طبع اور کم گو تھے۔حافظہ بہت مضبوط اور ثقہ تھا۔چنانچہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے اجلاسوں میں جب قواعد وضوابط کے حوالہ جات یا پرانے فیصلوں کی ضرورت پیش آتی تو وہ واقعی کمپیوٹر کی سی تیزی کے ساتھ وہ حوالے پیش کردیتے تھے۔ناظر بیت المال خرچ کی حیثیت سے بجٹ صدر انجمن احمدیہ کی تربیت وتشکیل ان کے ذمہ تھی جسے وہ بڑے سلیقہ کے ساتھ محنت اورعرق ریزی سے تیار کر کے پیش کیا کرتے تھے۔

خاکسار راقم کے ساتھ چونکہ تقسیم ملک سے پہلے کی واقفیت تھی اور ہم دونوں انجمن کی کارکنیت میں تھے۔اس لئے ہمارے درمیان بے تکلفی رہتی۔میں کبھی کبھی ان کے دفتر میں جاکر مزاحیہ انداز میں کہتا قریشی صاحب! آپ کا کتبہ تیار کروارہا ہوں۔اللہ میاں کی طرف سے بلاوے کا خط کب آئے گا تو وہ کہتے ادھر میں بھی آپ کے لئے یہی تیاری کررہا ہوں۔

مگر آہ! قریشی صاحب مجھ سے سبقت لے گئے۔اور یہ ناخوشگوار سا فرض آج میں ادا کررہا ہوں۔

قریشی صاحب مرحوم کو ایک امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ ان کے چھوٹے بھائی قریشی عبدالقادر صاحب بھی قادیان میں درویش ہیں اور سلسلہ کی خدمت بجالا رہے ہیں۔انہیں اپنے برادرِ اکبر کی وفات پر قدرتی طور پر بہت صدمہ ہوا جسے انہوں نے صبر ورضا کے ساتھ برداشت کیا۔مرحوم قریشی صاحب نے جس خلوص اور وفاداری اور دیانتداری کے ساتھ اپنے تمام مفوضہ فرائض کو انجام دیا اس کا ذکر عرصہ تک ہمارے ماحول میں زبانوں پر رہے گا۔اللہ تعالیٰ قریشی صاحب کی مغفرت فرمائے اوران کے درجات کو بلند کرے۔آمین

چوہدری محمد طفیل صاحب

تقویٰ۔ دینداری۔ سادگی۔ شرافت اور فرض شناسی کا اگر ایک محلول تیار کیا جائے تو اس کا نام ہم چودھری محمد طفیل صاحب درویش رکھ سکتے ہیں۔ جو اچانک ۲۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو دل کا دورہ پڑنے سے بڑی سُرخروئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم چودھری صاحب مضافاتِ قادیان کے ایک گاؤں ڈیری والا داروغہ کے رہنے والے تھے۔ اور تقسیم ملک سے قبل محکمۂ مال کے پٹواری رہ چکے تھے۔ اور چونکہ ضلع گورداسپور کے مختلف علاقوں میں کام کرچکے تھے اس لئے اُن کی واقفیت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ یوں تو پٹواری ہونا کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے۔ لیکن چودھری صاحب مرحوم نے جس رنگ میں یہ سرکاری سروس کی اس وجہ سے وہ اپنے حکام کی نگاہوں میں بھی اور اپنے حلقہ کے لوگوں کی نگاہوں میں بھی قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے۔ تقسیم مُلک کے بعد اُن کے تمام رشتہ دار پاکستان چلے گئے تھے۔ لیکن وہ خدمتِ قادیان کے پُرخلوص جذبہ کے ساتھ قادیان میں مقیم ہوگئے تھے۔ اُن کی قادیان میں رہائش نے جہاں خود انہیں روحانیت میں ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔ وہاں اُن کے وجود سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بہت فائدہ حاصل ہوا۔ صدر انجمن احمدیہ کی زرعی اور سکنی جائدادوں کے ریکارڈ کی تلاش اور تحقیق میں چودھری صاحب نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔ اور اتنی محنت اور لگن کے ساتھ یہ کام کیا کہ وہ ہماری دُعاؤں کے مستحق قرار پائے۔ صدر انجمن احمدیہ کی

جائیدادیں پنجاب کے مختلف علاقوں میں تھیں۔ ان سب علاقوں میں پہنچ کر سرکاری دفاتر سے ان کے ریکارڈ جمع کرنے کا مشکل کام چودھری صاحب مرحوم کی کاوشوں کا مرہونِ منّت ہے۔ پھر چونکہ وہ خود کاشتکار تھے اور طویل عرصہ تک پٹواری کا کام کرنے کی وجہ زراعت کے وسیع تجربے رکھتے تھے۔ اسی لئے جب صدر انجمن احمدیہ کو تمام زرعی جائدادیں حکومت نے واپس کردیں تو ان زمینوں پر فصلیں کاشت کرنے یا ٹھیکوں پر مزارعین کو دینے کے سلسلہ میں چودھری صاحب کے مشورے بہت قیمتی اور مفید ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک چودھری صاحب یہ خدمات آنریری طور پر نہایت شوق سے بجالاتے رہے۔

چودھری صاحب نہایت نرم خو اور زود آمیز تھے۔ ہر مخاطب کے ساتھ محبت آمیز مومنانہ گفتگو کرتے تھے۔ فطرت اتنی یخ بستہ تھی کہ آواز میں کبھی تیزی اور کرختگی نہ آئی۔ اور ان کا یہی حسین طرزِ گفتگو تھا جس کی وجہ سے انہیں تبلیغ کا ملکہ بھی قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ وقفِ ایام کرکے وہ مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے نکل جایا کرتے تھے اور اکثر سفر پیدل ہی کیا کرتے تھے۔ چونکہ ساری زندگی محنت اور جانفشانی کے کام کرتے رہے اس لئے قویٰ بہت مضبوط تھے اور بڑھاپے کے باوجود ان کے جذبوں میں جوانی کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔ سلسلہ کے ہر کام کے لئے کب، کیوں اور کیسے کے سوالات کے بغیر پابرکاب رہتے تھے۔ اطاعت اور خدمت کے جذبہ نے اُن کے ذہن سے اس قسم کے تمام سوالات محو کردیئے تھے۔

کفایت شعاری اور فراخدلی بظاہر دو متضاد سی صفات ہیں لیکن چودھری صاحب کے اندر یہ دونوں صفات موجود تھیں۔ وہ اپنی ذات کے لئے بہت کفایت شعار تھے۔ لیکن جماعتی تحریکات میں حصہ لیتے وقت وہ غیر معمولی کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ چنانچہ صد سالہ احمدیہ جوبلی فنڈ میں اُن کا وعدہ مبلغ ۴۸۰۰

روپے کا تھا اور گو یہ وعدہ ۱۶ سال میں قابلِ ادا تھا لیکن مرحوم نے اس میں سے ۳۷۰۰ اپنی زندگی میں ہی یعنی اِس تحریک پر صرف پانچ سال گزرنے پر ہی ادا کر دیا تھا۔ تحریک جدید اور وقفِ جدید میں وہ اپنے وعدے ابتدائے سال میں ہی ادا کر کے السّابقون الاوّلون میں شامل ہوتے رہے۔

لباس بہت سادہ مگر سفید اور صاف سُتھرا پہنتے تھے۔ طرہ دار پنجابی پگڑی اور تہبند کی قدیم وضع کو انہوں نے کبھی ترک نہیں کیا۔ سنّتِ نبوی کے مطابق ہاتھ میں چھڑی ضرور رکھتے تھے۔ قادیان سے باہر سفر پر جاتے تو کوٹ بھی پہنتے تھے۔ ساری درویشی میں ایک گرم کوٹ اُس وقت سلوایا تھا جب ۱۹۶۰ء میں کشمیر کے مالی دورے پر گئے تھے۔ لیکن کشمیر کے خاص پسّوؤں نے ان کا اتنی محبت سے خیر مقدم کیا کہ دَورہ سے واپس آ کر عرصہ تک شدید خارش میں مُبتلا رہے اور طویل علاج کے بعد افاقہ ہوا۔

خود نیکی پر کاربند رہ کر لوگوں کو نیکی کی تلقین کیا کرتے۔ تجارتی رموز سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک قادیان کی غلّہ مارکیٹ میں آڑھت کا کام بھی کیا جو اپنے سمدھی مکرم چودھری عبدالحمید صاحب مرحوم کی شراکت میں تھا۔ آخری عمر میں بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ اس لئے مسجد اقصیٰ کے مشرقی حصے میں ایک کمرے میں رہائش اختیار کر لی تھی تا کہ نمازوں کے لئے دُور سے نہ آنا پڑے۔ گویا تصویری زبان میں خدا تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ

مسکن بنالیا ہے تیرے گھر کے سامنے

چند ہفتے قبل وہ اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کے لئے پاسپورٹ پر پاکستان گئے تھے۔ وہاں دو مرتبہ دل کا دَورہ پڑا۔ زندگی کی ناپائداری کا خیال کر کے پروگرام سے پہلے ہی واپس قادیان آ گئے۔ ۲۸ مارچ کو احمدیہ بازار سے اُٹھ کر

مسجد اقصیٰ میں گئے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دل کا دورہ پڑا اور بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اتفاق سے کسی نے دیکھ لیا۔ طبّی امداد بہم پہنچائی گئی لیکن وقت مقدر آ چکا تھا۔ عصر کے قریب وفات ہو گئی۔ وفات کے وقت عمر ۷۶ سال تھی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

میانہ قد گندمی رنگ اور مناسب خدّ و خال رکھتے تھے۔ نقوش سے زیرکی نمایاں تھی۔ نہایت اطاعت اور وفاداری اور خدمت کے ساتھ درویشی کا ساڑھے بیس سالہ دَور گزارا۔ اور اپنی عادات و خصائل کے لحاظ سے ایک قابلِ رشک زندگی گزار کر ۲۸ جنوری ۱۹۷۸ء کو ہم سے جُدا ہو کر بہشتی مقبرہ کے قطعہ نمبر ۹ میں آسودۂ خواب ہیں۔

مجھے ۴ اپریل کو جب کہ میں کلکتہ کے دَورہ پر تھا اِس المناک سانحہ کی اطلاع ملی۔ اور یوں محسوس ہوا کہ درویشوں کی مختصر سی بزم اپنے ایک بیش قیمت اثاثہ سے محروم ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کے پسماندگان کا حافظ و ناصر رہے۔ اور انہیں اپنے قرب کے شرف سے نوازے اللّٰھمّ آمین۔

چوہدری فیض احمد صاحب

(جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں)

مومنین کی جماعت آج اکیس روزے ختم کر کے بائیسویں روزے کی تیاری میں مصروف نماز تراویح پڑھ رہی ہے۔ میں نماز تراویح کا کچھ حصہ سحری کے لئے چھوڑ کر منارۃ المسیح کے چبوترہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ جہاں محترم عارف صاحب پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی چند ساعت ہی گذری ہوں گی کہ مکرم قریشی محمد شفیع صاحب عابد آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں گھر سے آپ کو دیکھ کر آیا ہوں۔ چوہدری صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ آپ چلیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا سبب ہے۔ تو بتایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ لیٹے ہوئے تھے اور گھر والے ان کو دبا رہے تھے۔ اور مجھے آواز دے کر کہا کہ کسی کو بلا لاؤ میں نے عابد صاحب سے کہا کہ مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ناصر نماز پڑھ رہے ہیں۔ تراویح کی آخری رکعت ہے سلام پھیرتے ہی آپ اُن کو لے کر آئیں۔ میں چلتا ہوں۔ میں چل پڑا۔

میرے پہنچتے ہی محترم چوہدری صاحب کی اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ عامل صاحب دیکھیں چوہدری صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے نبض دیکھی نہ تھی۔ بغل میں نبض دیکھی ندارد گنج ران میں دیکھی ندارد مقام دل پر سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا کوئی تسلی نہ ہوئی۔ پھر سینہ پر کان لگا کر دیکھا۔ یوں نبض دیکھتے ہی دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا۔ مگر اپنے پر اعتبار نہ کرتے ہوئے یہ سب کچھ کیا۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ طائر روح پرواز کر چکا تھا۔ محترم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب بھی فوراً ہی پہنچے۔ نبض دیکھی۔ سینہ بین

لگا کر دیکھا۔ میری طرف دیکھا۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں سوال و جواب ہوا اور ہم دونوں نے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہ راجِعُونْ پڑھا۔ چوہدری صاحب کی اہلیہ محترمہ بلند آواز سے دُعائیں پڑھتی رہیں۔ کمال صبر کا نمونہ دکھایا کوئی آہ زاری نہیں کی۔ دعائیں ہی پڑھتی رہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں پاس پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور یادداشتوں کے نہاں خانہ میں ماضی کی ٹیپ گھومنا شروع ہوئی۔

۱۹۴۸ء کی ایک حسین صبح تھی۔ کوارٹر مہمانہ خانہ میں درویش حاضری کے لئے موجود تھے۔ بعض چہرے غائب تھے۔ اور بعض نئے مگر جانے پہچانے چہرے موجود تھے۔ ان میں سے ایک چہرہ اپنی مخصوص وضع داری لئے مکرم چوہدری فیض احمد صاحب کا تھا۔ تلاوت ہوئی۔ ڈیوٹیاں تقسیم ہوئی، سب اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں جٹ گئے۔

ان دنوں صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں باقاعدگی نہیں تھی۔ صرف چند دفتر کام کر رہے تھے۔ اور ڈاک کا قریباً تمام تر کام دفتر امیر مقامی سے ہی متعلق تھا۔ چوہدری صاحب حضرت امیر صاحب کی ڈاک لکھنے پر متعین ہوئے اور ایک لمبے عرصہ تک آپ حضرت امیر صاحب کی ڈاک لکھنے کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہے۔

ابتدائی درویشی میں ایک خزانہ دریافت ہوا یہ خزانہ علمی تھا۔ اور یہ محترم ملک عمر صاحب (مرحوم مغفور) کی لائبریری کی صورت میں تھا۔ مکرم چوہدری محمد طفیل صاحب درویش اس کے چابی بردار تھے۔ چوہدری محمد طفیل صاحب اپنے اصولوں کے خاص طور پر بڑے پابند تھے۔ آپ سائقین کو روزانہ یا ایک مرتبہ صرف ایک کتاب ہی پڑھنے کو دیتے اور اس کی واپسی پر ہی دوسری کتاب دیتے۔ مکرم

چوہدری فیض احمد صاحب اور ناچیز بھی اس خزانہ سے پڑھنے والوں میں سے تھے۔ صورت حال کچھ اس قسم کی بن جاتی کہ۔

فیض ساقی شبنم آسا ظرف دل دریا طلب

اس صورت کا علاج یہ تجویز ہوا کہ محترم چوہدری صاحب جو کتاب لاتے وہ پڑھ کر میرے ساتھ بدل لیتے اس طرح ہم ایک ٹرم میں دو کتابیں پڑھنے کی صورت پیدا کر لیتے اور جب تک یہ چل سکا چلاتے رہے۔ تا آنکہ وہ لائبریری یہاں سے منتقل ہوگئی۔

ابتدائی ایام میں درویش اپنے اپنے طور پر وقت گذارنے کے لئے کئی ایک مشاغل رکھتے تھے۔ مجھے خیال پیدا ہوا کہ میں ایک یاداشت بک تیار کروں جس میں ہر ایک درویش کا نام ولدیت عمر تعلیم۔ ان کا فوٹو۔ اور پھر مختصر خاندانی تعارف اور کم از کم دو قریبی رشتہ داروں کے پتہ جات۔ چنانچہ میں نے ایک کاپی میں یہ جمع کرنا شروع کیا اول میں کسی کاغذ پر درویش بھائی کے بارہ میں مذکورہ کوائف جمع کرتا پھر اس کو کاپی میں اُتار لیتا۔ اور ایسے کاغذات ایک فائل میں لگاتا جاتا۔ میں نے قریب ایک سو افراد کے حالات ان کوائف کو مدنظر رکھ کر جمع کر لئے تھے۔

چوہدری صاحب کو جس رات پڑھنے کے لئے کوئی نئی چیز نہ مل پاتی تو آپ بے تکلف میرے پاس آجایا کرتے۔ اور میں بھی اسی طرح چوہدری صاحب کی کتابوں کے ذخیرے پر ہلّہ بولنے چلا جایا کرتا۔ ایک روز چوہدری صاحب بعد نماز عشاء آئے اور کہا کہ میں آیا ہوں کہ ’’چلو اوکھر نوں مونہہ مار آئیے‘‘ یہ پنجابی کا محاورہ ہے مراد یہ ہے کہ نئی چیز نہیں ملی تو پرانی پڑھی ہوئی میں سے ہی کسی کو دوبارہ پڑھ کر وقت گذار لیا جائے۔ میں نے الماری کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا ’’اوکھر حاضر ہے‘‘ چوہدری صاحب معائنہ کرنے لگے میں چائے بنوانے اندر کہنے کے

لئے آیا۔ پھر چائے لے کر گیا تو چوہدری صاحب میری اس فائل کو لئے ہوئے تھے۔ جس میں مَیں نے یکصد کے قریب درویش بھائیوں کے احوال وکوائف جمع کئے تھے۔ چائے پیتے پیتے چوہدری صاحب فائل دیکھتے رہے۔ اور فرمایا کہ درویشوں کے حالات بھی ایک خوشنما گلدستہ ہے۔ کافی دیر کئی ایک موضوعات پر اظہار خیال اور تبصرہ کے بعد چوہدری صاحب اُٹھنے لگے تو میں نے کہا چوہدری صاحب آج یہ فائل ہی لے جائیں۔ اسی سے وقت گذار لیں۔ چوہدری صاحب لے گئے۔ چند روز بعد جب میں اسی قسم کی غرض سے چوہدری صاحب کے پاس گیا تو چوہدری صاحب نے اس فائل کا ذکر کیا۔ اور اس کی سراہنا کی۔ کہ یہ ایک بہت اچھا ریکارڈ ہے۔ اس کو محفوظ کر لینا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ چھپے بغیر کیسے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس کے چھپنے کا ہیولا ذہن میں آیا اور اس کے بعد ہم دونوں کئی بیٹھکوں میں اس کی طباعت کے موضوع پر سوچ و بچار کرتے رہے۔ تجویز یہی تھی کہ ایک البم کی صورت میں ہو۔ پہلے درویش کی تصویر ہو۔ پھر نام ولدیت خاندان۔ قریبی رشتہ داروں کے پتے اور پھر مختصر تعارف۔ ایک ڈیڑھ صفحہ کا۔ اور مناسب ہو کہ یہ سب کچھ بلاک پر چھپوایا جائے۔ اور اس کا نام ’’درویشان قادیان ایک حسین گلدستہ۔‘‘

یہ ۱۹۶۴ء کی بات ہے۔ اس گلدستہ کے چھپنے پر جس قدر مصارف درکار تھے اس کی ہمت ہم دونوں میں نہ تھی۔ اسی اثناء میں چند درویش بھائیوں کی وفات ہوگئی۔ (یوں تو پہلے بھی کئی درویش بھائی وفات پا کر اپنے عہد وفاداری کو پورا کر گئے تھے۔ مگر ان ایام میں جب یہ گلدستہ چھپنے کی باتیں ذہنوں میں گھوم رہی تھیں۔) اور چوہدری صاحب نے اس تجویز شدہ گلدستہ میں سے ان بھائیوں کے حالات ’’گلدستہ جس کے پھول مرجھا گئے‘‘ کے عنوان سے چھاپ دیئے۔ جسے

دوستوں نے بہت پسند کیا۔ چند مضامین چھپ چکنے کے بعد ہمارے بھائی جناب ڈاکٹر اختر احمد صاحب اور ینوی نے لکھا کہ آپ نے درویشوں کے حالات کے بارہ میں جو عنوان قائم کیا ہے اگر اس کو آپ مندرجہ ذیل عنوان سے بدل دیں۔

''وہ پھول جو مرجھا گئے''

تو زیادہ موزوں رہے گا۔ درویشوں کے حالات پر مشتمل گلدستہ چھپنے میں بھی کئی مشکلات ہیں۔ جن کا ذکر طوالت کا موجب ہوگا اور پھر رسالہ الفرقان کا درویشانِ قادیان نمبر بھی چھپ چکا تھا۔ جس سے گلدستہ والی ضرورت ایک حد تک پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے چوہدری صاحب نے یہی مناسب سمجھا۔ (اور مجھ سے بھی اس کا ذکر کیا اور محترم اختر صاحب کا خط دکھایا) کہ آئندہ صرف وفات یافتہ درویش بھائیوں کے بارہ میں لکھنے پر اکتفاء کیا جائے۔ اور ان مضامین کا عنوان

''وہ پھول جو مرجھا گئے''

ہی مناسب اور موزوں ہے۔ اور محترم اختر صاحب کی خدمت میں اس مفید اور کارآمد مشورہ پر شکریہ کا خط لکھ دیا۔

محترم چوہدری صاحب نے اپنے مضمون کو خوب نبھایا ہے۔ اور اپنی وفات تک بڑی توجہ سے اس پر لکھتے رہے ہیں۔ سفید پوش وضع داری کے پابند زود فہم وزود نویس۔ مطالعہ کا بے حد شوق رکھنے والے اور طبیعت میں تحقیق وجستجو وتلاش۔ یہ تھیں خصوصیات اس مرکب کی جس سے چوہدری فیض احمد صاحب کا وجود ترکیب پایا تھا۔ بتایا کرتے تھے کہ میں مڈل پاس کرنے کے بعد گجرات کے ایک مشہور ومعروف وکیل محمد بدیع الزمان کیکاڈس کے ساتھ بطور منشی کام کرتا رہا ہوں۔ ابھی کام کی ابتداء ہی تھی کہ ایک روز قتل کا ایک مقدمہ پیش تھا۔ جس میں کیکاڈس صاحب صفائی کے وکیل تھے۔ اور اس روز استغاثہ کی شہادتیں گذرنی تھیں۔ مجھے

وکیل صاحب نے کہا کہ گواہوں کے بیانات کے ضروری حصوں کی یادداشت نوٹ کرتے جانا تا بعد میں جرح تیار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ میں نے نوٹ کرنا شروع کیا۔ اور اس روز کی تمام تر کاروائی نوٹ کر لی۔ شام کو جب گھر جانے لگے تو میں نے وہ لکھی ہوئی کاروائی وکیل صاحب کو دے دی۔۔ انہوں نے اس کو پڑھا اور میری محنت کی بہت داد دی اور مجھے بھی دراصل اسی روز پہلی مرتبہ اس خداداد صلاحیت کا احساس ہوا۔ اور پھر میں نے اس کو مزید محنت سے اور ترقی دی۔

بعد میں کچھ عرصہ پٹواری کے طور پر بھی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ تو اسی خداداد عطیہ کی بدولت میں اپنے کاموں کو جسے گرداوری اور جھنبدی کی تیاری میں دیگر تمام پٹواریوں سے سبقت لے جایا کرتا۔

تحقیق جستجو آپ کی طبیعت کا حصہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے احساس کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کا مضمون ''اسلامی پردہ فطرت کے آئینہ میں'' اس کی عمدہ مثال ہے۔ ایک روز چوہدری صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ مطالعہ کس طرح کرتے ہیں۔ میں نے بتایا کہ میں پڑھتا جاتا ہوں جس مقام کی سمجھ نہ آئے اس پر نشان لگاتا ہوں۔ اور پھر بعد میں ڈکشنری کی مدد سے اس کو حل کر لیتا ہوں۔ چوہدری صاحب نے بتایا کہ میں پڑھتے ہوئے ڈکشنری ساتھ رکھتا ہوں اور جب تک کسی مشکل کو حل نہ کرلوں میں آگے نہیں بڑھتا۔ مجھے بھی یہ طریقہ پسند آیا۔ اور اس کے بعد میں خود بھی اسی طریق پر عمل کرتا ہوں۔ اور اس کو زیادہ مفید پایا ہے۔

۱۹۴۴ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ ایک کتاب نظر سے گذری تھی۔ یہ ایک فرضی نام سے چھاپی گئی تھی۔ جن دنوں ہم ملک عمر علی صاحب مرحوم مغفور کے کتب خانہ سے پڑھا کرتے تھے۔ اور آپس میں کتابیں بدل کر پڑھا کرتے تھے۔ اس مجموعہ مضامین کا تذکرہ بھی ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ یہ ان کتابوں کے خزانہ میں بھی

موجود پایا تھا۔ اس پر کئی نقادوں نے تنقید کی تھی۔ اور یہی نتیجہ نکالا تھا کہ یہ مجموعہ کسی اُستادفن کے فرضی نام سے شائع کیا ہے۔ اس کی رنگین عبارتیں محاورہ بندی منظر کشی اور فصاحت و بلاغت دیکھ کر یہ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ کسی نو آموز قلم کی گل فشانی ہوسکتی ہے۔ اور اکثر تنقید نگاروں کا خیال تھا کہ اس فرضی نام کے پیچھے علامہ نیاز فتحپوری کی شخصیت ہے۔

جن دنوں علامہ نیاز صاحب قادیان خط وکتابت فرمارہے تھے۔ اور یہ خط وکتابت لکھنے کا کام محترم چوہدری صاحب کے سپرد تھا۔ تو ان ایام میں چوہدری صاحب کولکھنو جا کر بھی نیاز صاحب سے ملنے کا موقعہ ملا۔ ہم دونوں کا خیال تھا کہ اس مجموعہ مضامین کے بارہ میں علامہ صاحب سے پوچھ ہی کیوں نہ لیا جائے۔ مگر بعض مصالح کی بنا پر نہ پوچھا جاسکا۔ علامہ نیاز صاحب بعد میں پاکستان چلے گئے اور وہاں جا کر وفات پاگئے۔

۱۹۶۷ء میں درویشانِ قادیان کا قافلہ جلسہ سالانہ ربوہ میں گیا۔ جاتے ہوئے رستہ میں چوہدری صاحب نے لائل پور کے ریلوے سٹیشن سے ایک رسالہ اُردو ڈائجسٹ خرید لیا۔ یہ اس سال کا سالنامہ تھا۔ چوہدری صاحب ربوہ میں دارالضیافت میں ٹھہرے تھے۔ اور میں اپنے ایک عزیز کے ہاں قیام پذیر تھا۔ رات کو چوہدری صاحب نے ایک مضمون پڑھا۔ اور اگلے روز فجر کے بعد میں دارالضیافت گیا تو چوہدری صاحب نے دیکھتے ہی پکارا عامل صاحب آپ کہاں تھے۔ میں نصف شب سے آپ کو ملنے کے لئے بے چین تھا۔ آپ کے ہاتھ میں وہ رسالہ تھا مجھے دیتے ہوئے کہا کہ لو وہ سوال حل ہوگیا جو ۱۹۴۴ء سے الجھا ہوا تھا۔ میں نے وہ پرچہ لیا۔ اور وہیں دھوپ میں بیٹھ کر مضمون پڑھا جس کا عنوان تھا ''پردہ اٹھتا ہے'' چوہدری صاحب کی طبیعت میں تلاش وجستجو تھی۔ اور اگر کوئی نئی

بات پالیتے تو دوستوں کو بتانے کے لئے بیقرار ہوتے اور بتا کر خوشی محسوس کرتے۔ اور ایک سادہ امر کو حسین پیرایہ میں ڈھال کر بیان کرنا بھی آپ کی نکتہ رس طبیعت کا خاصہ تھا۔

چوہدری صاحب خود لکھ چکے ہیں کہ اُن کی شادی اُن کے ماموں کے ہاں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد آپ ملٹری میں بھرتی ہوگئے تھے۔ اور پھر برما محاذ پر خدمت کرتے ہوئے جاپان کی قید میں آگئے۔ اور جنگ کے اختتام تک آپ قید رہے۔ زمانہ اسیری کے بہت سے واقعات سنایا کرتے تھے۔ مگر میں ان کو چھوڑتا ہوں۔ قید سے واپسی پر آپ آئے تو قادیان میں شعبہ زودنویسی میں خدمت کا موقعہ ملا۔

۱۹۴۸ء میں آپ پھر قادیان تشریف لے آئے۔ اور اہلیہ پاکستان رہ گئیں۔ اہلیہ محترمہ (مرحومہ) سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ وہ بھی اچھا ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ اور قادیان میں سیدہ امتہ الحئی لائبریری میں بطور لائبریرین خدمت بجالایا کرتی تھیں۔ جن دنوں میں اسی مکان میں مقیم تھا جس کا ایک حصہ دو کمرے تھے۔ جس میں امتہ الحئی لائبریری ہوا کرتی تھی تو چوہدری صاحب جب میرے ہاں آتے تو ہم کئی مرتبہ چوہدری صاحب کی اہلیہ مرحومہ کی یاد میں ان کمروں میں چائے بنا کر پیا کرتے۔ چوہدری صاحب کی اہلیہ اوّل اور لڑکا ۱۹۴۹ء میں پاکستان میں وفات پاگئے تھے۔ دوست احباب آپ سے اظہار ہمدردی کے لئے بیٹھے تھے۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ (پنجابی میں) ''میریا پیاریا ربا مینوں اپنے ورگا کرلیا ای''

اے میرے پیارے خدا تو نے مجھے اپنے جیسا کرلیا ہے۔ یہ بڑا پیارہ فقرہ ہے۔ چوہدری صاحب کے والدین پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ لڑکا اور بیوی اب داغ مفارقت دے گئے۔ ...... چوہدری صاحب

کی طبیعت میں نہایت لطیف طنز و مزاح بھی تھا۔ ایک روز مجھے بعد نماز مغرب ساتھ لے گئے۔ آپ کی بیٹھک میں جا کر ہم دونوں بیٹھے تو کہا کہ آپ کو میری طبیعت کا پتا ہے میں گھر گرہستی کی اشیاء عمدہ اور پائیدار خریدنے کا عادی ہوں میں ایک ایسی ہی چیز خرید کر لایا ہوں۔ لیکن گھر میں پسند نہیں کی گئی۔ آپ ہی فیصلہ کریں کہ کون حق پر ہے۔ یہ کہہ کر لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے لفافہ میں جھانکا اور ہم دونوں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اتنی دیر میں چائے آگئی۔ آپ جاننا چاہتے ہوں گے کہ یہ کیا تھا۔ تو میں بتائے دیتا ہوں کہ یہ بیلوں کی آنکھوں پر چڑھانے والے چمڑے کے کھوپے تھے۔

دوستوں کی خدمت کر کے آپ کو دلی خوشی محسوس ہوتی آپ اکثر دعوتیں کیا کرتے تھے۔ ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ عام طور پر گھر میں کوئی خاص چیز پکاتے تو دوست احباب میں سے کسی نہ کسی کو ضرور شریک کرتے۔ اور مزاج شناس تھے۔ مجھے کریلہ خاص طور پر پسند تھا۔ کہا کرتے تھے کہ اس کی کڑواہٹ ہی مجھے پسند ہے۔ گھر میں جس روز کریلے بنتے تو مجھے شامل کیا کرتے۔ ایک امر کا تذکرہ ہم دونوں کے درمیان رہتا۔ یہ ایک مجبوری تھی۔ بعض اوقات دن کو ملتے تو کہتے کہ عامل صاحب رات کو میں آپ کو بہت یاد کرتا رہا۔ میں وجہ دریافت کرتا تو معلوم ہوتا کہ کریلے پکے تھے۔ مگر کوئی بچہ نہ تھا جو یہ خدمت کرتا کہ یا وہ کریلے مجھے پہنچا جاتا یا مجھے بلا لے جاتا۔ اس محرومی کا بارہا ذکر ہوا۔ آپ نے اپنے ایک مضمون میں بھی اس مخفی فطری جذبہ کا اظہار کیا ہے۔

''اور میں آئینہ کے سامنے سے ہٹ گیا''

چوہدری صاحب جس سرعت سے سوچتے تھے اسی تیزی سے قلم ان خیالات کو لکھتا تھا۔ اور آپ کی اس خوبی نے آپ کی شخصیت کو چار چاند لگا دیئے۔ سلسلہ

احمدیہ کا لٹریچر تو ہر ایک مومن کے لئے حیاتِ جاودانی کا پیغام ہے۔ اور روح کی غذا ہے۔

عام ادبی کتابوں میں سے بھی چوہدری صاحب کو خلیل جبران کی کتاب ''مسائل حیات'' پسند تھی۔ اور خاص کر مندرجہ ذیل لکھنے والوں کو پسند کرتے تھے۔

قاضی عبدالغفار صاحب، عاشق حسین بٹالوی، سید اختر احمد صاحب اورینوی مرحوم، شری برہم ناتھ دت صاحب، علامہ نیاز فتح پوری، مولانا ابوالکلام آزاد. اور رام لعل وغیرہ وغیرہ۔

چوہدری صاحب بہت سی صفات کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرما کر اپنے قربِ خاص میں جگہ دے۔ آمین۔

مکرم محمد شفیع صاحب

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

۱۹۴۷ء دسمبر کے ابتدائی ایام تھے۔ درویشوں کی انتظامیہ نے بہشتی مقبرہ کے اردگرد بنی ہوئی دیوار جو ۱۹۴۷ء کی طوفانی بارشوں کی تاب نہ لاکر جگہ جگہ سے گر چکی تھی۔ ازسرِ نوتعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس وقت درویشان تمام مادی وسائل سے محروم اور رسل ورسائل کی رو سے باقی احمدی دُنیا سے کٹے ہوئے تھے نہ بجٹ تھا نہ باہر سے جماعتوں سے کسی آمد کی اُمید۔ اس بے سروسامانی میں صرف خدا تعالیٰ کے فضلوں پر بھروسہ کرکے بہشتی مقبرہ کے گرداگرد گر چکی دیوار کو مٹی اور محنت سے مکمل کرنے کا عزم۔

تمام درویشان جلدی جلدی صبح کے ناشتہ سے فارغ ہوکر (جو اس وقت صرف ایک نان جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لنگر خانہ سے عطا ہوتا تھا) میدانِ عمل میں پہنچ جاتے تھے۔ ایسی ہی ایک خوبصورت صبح تھی۔ سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا۔ پھر بھی دھوپ کی تمازت سے بے پروا۔ جسموں کو یخ کرکے گذر رہی تھی۔ اور درویشان ان دونوں سے بے پروا نیچی دھن میں کدالیں لئے مٹی کو جورات سے پانی دے کر نرم کرلی گئی تھی۔ دیوار کی شکل دینے میں مصروف تھے۔ میں نے کدال کا دوسرا وار اُٹھایا نیچے ایک

سر جُھکا ہوا پایا۔ ارے لڑکے کیا تو گردن کٹنے سے نہیں ڈرتا جھکا ہوا سر اُوپر اُٹھا اور معذرت آمیز رویہ میں گویا ہوا۔ کہ میں جلدی میں اُٹھی ہوئی کدال کو دیکھنا بھول گیا۔ زیرِ تعمیر دیوار کے حصے مختلف گروپوں میں بانٹ دیئے جاتے تھے۔ اور ہر گروپ اپنا کام جلدی ختم کرنے کی دُھن میں مست وسرشار کام میں جُٹ جاتا تھا۔ میں کدال سے مٹی اکھاڑتا جاتا اور یہ ناٹے سے قد کا مضبوط گھٹیلے جسم والا نوجوان پوری پھرتی سے اکھڑی ہوئی مٹی کو دیوار تک پہنچانے میں لگا رہا۔

قبل اس کے کہ ۱۹۴۷ء ختم ہو۔ درویشوں کی اس مختصر جماعت نے بہشتی مقبرہ کی جنوبی طرف والی دیوار چھ فٹ چوڑی اور دس فٹ تک بلند کرلی۔ مشرقی اور مغربی دیوار جنوری ۱۹۴۸ء میں تکمیل پذیر ہوئی۔

۱۹۴۸ء میں یہ نوجوان نگران حلقہ مسجد مبارک میں بطور معاون کارکن مقرر کردیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں دفاتر کی تنظیم نو ہوئی۔ اور قادیان نے ایک فعال مرکز کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ جماعتوں سے بذریعہ ڈاک اور ریل رابطہ قائم ہوا۔ ۱۹۵۲ء تک یہ نوجوان مختلف دفاتر میں معاون کارکن کی خدمات بجالاتا رہا۔ ۱۹۵۲ء میں ہندوستان سے کئی ایک خاندان قادیان آکر آباد ہوگئے تھے۔ اور بعض درویشان کے بال بچے پاکستان سے قادیان پہنچ گئے تھے۔ متعدد درویشان ہندوستان میں شادیاں کرچکے تھے۔ مزید افراد کی آمد سے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ پر بار ناقابلِ برداشت ہوگیا۔ تو اربابِ حل و عقد نے فیصلہ کیا کہ درویشان میں تحریک کی جائے کہ جو خود کوئی کاروبار کرکے گذارہ چلا سکتے ہوں۔ وہ اپنے گذارہ کا بوجھ صدر انجمن سے کم کردیں۔ چنانچہ ایک گروہ درویشان کا فارغ ہوکر اپنا کاروبار کرنے لگا۔

یہ باریک مگر بلند آواز والا ناٹے قد اور مضبوط جسم وارادہ والا نوجوان بھی

اس فارغ ہونے والے گروہ میں شامل تھا۔ پہلے اس نے چند اور درویشوں سے مل کر باہر کھیت میں کھڑی فصل جیسے مولیاں، شلغم، گاجریں، بھنڈی، بینگن وغیرہ خرید کر منڈی میں فروخت کرنے کا کام شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی میں برکت دی اور گزارہ چل نکلا۔ موسم کے مطابق باغوں کا پھل بھی خرید کر فائدہ اٹھایا گیا۔ اس طرح تھوڑی سی پونجی پاس ہوگئی تو ایک چھوٹی سی کریانہ کی دوکان شروع کیا جو تادم واپس جاری رہی۔

جون ۱۹۷۸ء کی ۲۵ تاریخ تھی۔ رات بارہ بجے کا عمل ہوگا۔ کہ میرے دروازہ پر دستک ہوئی میں اُٹھ کر دروازہ پر گیا۔ مستری محمد دین صاحب کا بیٹا وحید تھا۔ چاچا جی جلدی چلیں بھائی جان کو کچھ ہوگیا ہے۔ میں بغیر تیاری اسی حالت میں ساتھ ہولیا۔ جلدی جلدی گھر پہنچے دیکھا چارپائی پر ایک نوجوان سوتا ہے اور ہر قسم حرکت وسکون رخصت ہے۔ نوجوان بیوی سرہانہ بیٹھی بیم ورجاء کے سمندر میں ہچکولے کھارہی ہے۔ میں نے جلدی سے بڑھ کر نبض دیکھی۔ سینہ پر ہاتھ رکھا۔ حرکت ندارد نبض معدوم جسم گرم ہمارا بھائی محمد شفیع اپنے عہد وفاداری کو پورا کر کے کامیاب وکامران اپنے مولا حقیقی کے حضور حاضر ہوچکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُون۔

محمد شفیع صاحب ۱۹۲۵ء میں فتح گڑھ چوڑیاں کے نزدیک گاؤں بدووال میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی والدین کا سایہ سر پر نہ رہا۔ بڑے بھائی نے پرورش کی۔ ان کے بھائی والدین کی وفات کے بعد جلد قادیان ہجرت کر کے آگئے تھے۔ قادیان میں محمد شفیع صاحب نے پرائمری تک تعلیم پائی پھر گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رہ سکی۔ بھائیوں کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں حضور کی طرف سے قادیان کی آبادی کے لئے رہنے والے درویشوں کی تحریک پر

لبیک کہہ کر قادیان میں رہ پڑے۔ جب حضور نے درویشوں کو ہندوستان میں شادیاں کر لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تو محمد شفیع صاحب کے لئے بھی یہاں کئی جگہوں پر سلسلہ جنبانی کیا گیا۔ ایک جگہ نکاح بھی ہوا مگر بعض مخصوص وجوہ سے یہ تعلق قائم نہ رہ سکا۔ اور رخصتانہ سے قبل ہی علیحدگی ہوگی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوچکا تھا کہ اُن کی شادی مطلوبہ خاتون صاحبہ سے ربوہ میں ہوتی۔ یہ شادی ۱۹۶۴ء میں ہوئی۔ جس سے تین لڑکے اور ایک لڑکی یادگار ہے۔

شادی ۳۹ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اہلیہ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ کے دروران ان کی اہلیہ پاکستان تھیں۔ ایک روز میں نے بیان کیا کہ بھائی محمد شفیع میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ربوہ میں ہوں۔ اور ایک خاتون محلہ الف کی طرف سے آتے ہوئے پہاڑی درہ کے قریب مجھے ملی اور پہچان کر آپ کا حال پوچھا۔ میں نے اس خاتون سے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو بتایا کہ میں مطلوبہ خاتون ہوں اور یہ محمد انور محمد شفیع صاحب کا بچہ ہے۔ میں نے بچے کو پیار دیا اور خیریت پوچھی۔ اس کو سُن کر محمد شفیع صاحب نے فوراً چائے منگوا کر چوک میں چار پانچ دوکانداروں کو پلائی کہ مجھے بیوی اور بچے کی خیریت کی اطلاع آئی ہے۔ وہ ضرور خیریت سے ہوں گے۔ کیونکہ مومن کی خواب سچی ہوتی ہے۔

سلسلہ کی خدمت میں کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔ یوں تو آپ ۱۹۵۲ء سے فارغ رہ کر خود اپنا گزارہ چلاتے تھے۔ مگر کسی بھی وقت انہیں سلسلہ کے کام کے لئے بلایا گیا تو اپنے کام پر سلسلہ کی خدمت کو ترجیح دی۔ جب کبھی کوئی جنس تولنے کی ضرورت پڑتی انہیں بُلایا جاتا تو پوری بشاشت قلب سے ڈیوٹی پر آتے۔ کئی دفعہ کسی گاؤں سے لنگر خانہ کے لئے دھان خریدنے کا اتفاق ہوا۔ اور انہیں اس گاؤں جا کر دھان تول کر لانے کے لئے کہا گیا۔ تو اپنی دوکان بند کر کے بغیر کسی طمع ولالچ

کے خدمت کے جذبہ سے جاتے رہے۔

۱۹۷۵ء میں پہلی مرتبہ دِل کا حملہ ہوا۔ اور علاج معالجہ سے فائدہ ہوگیا۔ اور معمول کے مطابق کام کاج کرنے لگے۔ پھر ڈیڑھ پونے دوسال بعد دوسری مرتبہ حملہ ہوا تو یہ بہت شدید تھا۔ کافی روز علیل رہے۔ اس کے بعد میری تحریک پر کہ اب آپ کی صحت سخت محنت کی اجازت نہیں دیتی۔ آپ درخواست دے کر صدر انجمن احمدیہ سے گذارہ لے لیں۔ چنانچہ ان کی درخواست پر صدر انجمن احمدیہ نے ان کو نصف گذارہ دینے کا فیصلہ فرمایا۔ اور یہی صورت حال وفات تک جاری رہی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کی اولاد کا خود متکفل ہو۔ اور ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنائے۔ اور اسلام اور احمدیت کا خادم بنائے۔ آمین

مولانا محمد ابراہیم صاحب قادیانی

پھول اگر ایک ہی رنگ ایک ہی وضع قطع۔ ایک جیسی خوشبو لئے ہوئے ہوتے تو انسان کا ان سے لگاؤ جذب اور کشش مختلف ہوتی۔ میدانوں میں جہاں حسن اکتسابی ہے۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں فطرت کے بے ساختہ پن کا حسن دامنِ دل کو کھینچتا ہے۔ اور شاید فطرت کی یہ رنگا رنگی۔ تلوّن اور بوقلمونی ہی اس کے حسن کی علّتِ نمائی ہے۔ وادیوں میں لاکھوں چشمے بہتے خدا تعالیٰ کی حمد کے ترانے گاتے ہیں۔ بعض چشمے تو اُبلتے ہوئے کودتے شور مچاتے بہہ رہے ہیں۔ اور بعض چشمے بظاہر دیکھنے میں ساکن معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب ان کے دہانے میں پاؤں رکھیں تو ایک دریا موجیں مارتا ہوا مشاہدہ میں آتا ہے۔

دیسی جوتا۔ کمر میں تہہ بند۔ ڈھیلا ڈھالا کُرتا۔ سر پر سفید عمامہ۔ اس سادگی کی تہہ میں علم اور معرفت کا دریا رواں دواں۔ یہ تھے محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیانی۔

تقسیم ملک سے قبل آپ ٹی آئی ہائی سکول میں اور کچھ عرصہ نصرت گرلز ہائی سکول میں معلّم کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مسجد مبارک میں کُتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درس دینے کی خدمت بھی بجالاتے رہے۔ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا آپ کو بے حد جوش تھا۔ آپ ابتداء زمانہ درویشی میں مسجد اقصیٰ میں درویشوں کی ایک کلاس کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم اور مطالب پر آپ کو بڑا عبور تھا۔ عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے اس

روانی سے پڑھا کرتے جیسے اُردو عبارت پڑھ رہے ہوں۔

زمانہ درویشی میں جب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ادارہ جات کی تنظیم نو عمل میں آئی تو آپ کو مدرسہ احمدیہ کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔ اور آپ ریٹائر ہونے تک اس عہدہ پر مامور رہے۔ اس طرح آپ درجنوں مبلّغین کے اُستاد رہے ہیں۔ مدرسہ احمدیہ کا موجودہ سٹاف سوائے ایک دو کے آپ کے شاگردوں پر ہی مشتمل ہے۔ آپ ہیڈ ماسٹر کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ صدر انجمن احمدیہ کے ممبر بھی رہے۔ اور ہیڈ ماسٹری کے عہدہ سے ریٹائر ہونے کے بعد بطور نائب ناظر تالیف وتصنیف کام کرتے رہے۔

صدر انجمن احمدیہ کے ادارہ جات میں تو آپ کی گراں مایہ خدمات ہیں۔ اور ریکارڈ میں آچکی ہیں۔ مجھے ان کے علاوہ چند باتیں عرض کرنا ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد آپ میرے مطب واقعہ احمدیہ چوک میں اکثر اوقات تشریف لایا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی ذرہ نوازی تھی کہ گھنٹوں وہاں بیٹھا کرتے اور علم کے موتی بکھیرا کرتے جنہیں صاحب ذوق سمیٹا کرتے۔ عیسائی لٹریچر پر آپ کو بڑا عبور حاصل تھا۔ احمدیہ چوک میں سے جب کوئی پادری صاحبان میں سے گذرتا ہوا مل جاتا تو آپ انہیں بلاتے اور بڑا ایمان افروز تبادلہ خیال ہوا کرتا۔ آپ انہی پادری صاحب سے پوچھتے فلاں کتاب آپ کے پاس ہے۔ وہ اثبات میں جواب دیتے تو فرماتے نکالئے۔ فلاں باب فلاں صفحہ باب التاریخ فلاں صفحہ۔ باب استثنا فلاں آئت۔ اور پڑھئے۔

۱۹۷۷ء میں عید الفطر پڑھنے مسجد اقصیٰ گئے۔ بعد نماز عید وہاں پر دو پادری صاحبان آگئے۔ پھر کیا تھا۔ مولوی صاحب کو تو گویا شکار ہاتھ آگیا۔ ان سے گفتگو شروع ہوئی بیسیوں درویشوں کے لئے یہ مباحثہ ازدیاد ایمان کا موجب ہوا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ

مجھے کچھ کھانے کی حاجت نہیں۔ میں بس مسجد میں ہی عصر کی نماز تک رہوں گا۔ گھر میں اطلاع کردیں۔ مولوی صاحب کا گھر میرے گھر کے عین سامنے ہے۔ چنانچہ آپ نماز عید ادا کرنے کے بعد سے نماز عصر تک ان پادری صاحبان سے گفتگو فرماتے رہے۔ اور احباب سُنا کئے۔

مولوی صاحب کی طبیعت میں ظرافت اور مزاح بھی تھا۔ اس کا اظہار بھی نہایت حسین پیرایہ میں فرمایا کرتے۔ جب میں مکان تبدیل کر کے موجودہ مکان میں آیا تو فرمانے لگے۔ عامل صاحب آپ نے کہاں آکر پھانہ ٹھونک دیا ہے میں نے عرض کیا۔ دو بزرگ علماء کے درمیان مرغا آگیا ہے۔ اب جو ہو سو ہو۔

آپ کی ایک دیرینہ خواہش تھی کہ آپ خود سری نگر جا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار کو دیکھیں۔ مگر آپ اپنی صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہنچ نہیں پائے تھے۔

۱۹۷۵ء میں آل احمدیہ مسلم کانفرنس یاڑی پورہ میں ہونا قرار پائی تھی۔ اس موقعہ پر قریب ۳۵ افراد کا قافلہ کشمیر کانفرنس میں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ تب میں نے مولوی صاحب کو تیار کیا کہ آپ بھی چلیں۔ یہ موقعہ ہے معقول تعداد میں افراد جارہے ہیں۔ آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ تیار ہوگئے اور پیرانہ سالی بڑھاپا۔ شوگر کی بیماری اور پہاڑی سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے آپ نے یہ سفر مکمل کیا۔

یاڑی پورہ میں چند ایک دوست اہل پیغام میں سے بھی موجود ہیں۔ آپ ان کو بات چیت کے لئے بلواتے رہے۔ آپ کو اہل پیغام کے بارہ میں بھی ان کے لٹریچر پر پورا عبور حاصل تھا۔ یاڑی پورہ سے فارغ ہو کر جب ہم سری نگر پہنچے تو ایک پیغامی بھائی مسجد سری نگر میں تشریف لائے۔ ان سے تین گھنٹہ تک مولوی صاحب نے خطاب فرمایا۔ اور مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی صدرالدین

صاحب اور دیگر اکابر کے عقائد کے بارہ میں سیر حاصل گفتگو اس روز ہوئی۔ ہم لوگوں نے بھی اس سے بہت فائدہ حاصل کیا۔

دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ آپ علم قیافہ میں بھی ایک حد تک دست گاہ رکھتے تھے۔ کسی کی تحریر دیکھ کر اس کی شخصیت اور ذہنی ساخت پر اظہار رائے فرمادیا کرتے تھے۔ اور اکثر آپ کا اندازہ درست ہوتا۔ ایک دفعہ مجھے ایک تحریر دکھائی اور مجھ سے کہا کہ آپ اس سے کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں نے کہا یہی کہ یہ تحریر بڑی خوشخط لکھی ہوئی ہے۔ پھر خود بتایا کہ دیکھو فلاں فلاں لفظ کی شکل چوہے کی طرح بنی ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تحریر نگار کی ذہنی ساخت میں کھوج کرنا اور مشکل مسائل کا حل ڈھونڈ نکالنے کی خاصیت موجود ہے۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر آپ نے ایک تحریر مجھے دکھائی اور رائے پوچھی۔ میں نے اپنی رائے عرض کی۔ پھر خود بتایا کہ آپ فلاں فلاں الفاظ دیکھیں۔ میں نے دیکھ کر جھجکتے ہوئے کہا کہ ان الفاظ کی شکل کتے کے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ کہا ہاں درست ہے۔ اس شخص کی طبیعت میں حالات سے باخبری۔ فرمانبرداری اور وفاداری کا وصف موجود ہے۔

جس طرح آپ کا لباس سادہ ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ کی گفتگو بھی سادہ۔ سلیس۔ شستہ اور نستعلیق ہوتی تھی۔ آپ کبھی سخت غصہ کی حالت میں بھی گھٹیا الفاظ کو زبان پر نہ لاتے تھے۔ آپ نے اگر کسی پر سخت غصہ کا اظہار بھی کرنا ہوتا تو آپ خناس یا خناس کا ایجنٹ کہہ کر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمادیا کرتے۔ بس اسی سے زیادہ سخت لفظ غصہ اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر بھی میں نے آپ کی زبان سے نہیں سُنا۔

جگہ بہ جگہ شارع عام تھوکنے سے بھی آپ کو نفرت تھی۔ اگر اپنے عزیزوں میں

سے کسی سے ایسی حرکت صادر ہوتی تو آپ ناپسند کرتے اور سختی سے اس کو منع فرماتے۔ آپ ایک جیّد عالم تھے۔ اور۔ بے شمار خوبیوں کے مالک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سچی تڑپ دِل میں رکھتے اور اسی پر کاربند تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔

آپ کی اہلیہ اوّل میں سے ایک لڑکا۔ اور اہلیہ ثانی میں سے دو لڑکیاں یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا متکفل اور کارساز ہو۔ آمین۔

محترم بابا اللہ دتا صاحب

ہے آدمی بذات خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

بیٹھتے نہیں۔ میں نے اتنی دفعہ کہا ہے کہ ابھی آجاتے ہیں، ابھی آجاتے ہیں، پنکھا چل رہا ہے، کرسیاں پڑی ہیں، بیٹھ کیوں نہیں جاتے، جاکے بلالاؤ، مجھ سے نہیں جایا جاتا، اگر نہیں بیٹھنا تو بے شک جاؤ............ اڈے کا ہلے پے جاندے نے۔

بابا جی کون ہے۔ اچھا آپ آگئے۔ میں نے پھر پوچھا آپ باتیں کس سے کر رہے تھے۔ میں اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا۔ دل سے! آپ تو کسی کو ڈانٹ رہے تھے کہ بیٹھتا نہیں ہے۔

ہاں میں دل سے ہی تو بات کر رہا تھا۔ اُس روز چند مریض آئے تھے ناجب آپ میٹنگ میں گئے تھے۔ میں اُن کو بٹھاتا رہا مگر وہ رُکے نہیں۔ مجھے کہتے تھے جاکر بلالاؤ۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ جاکر میں نہیں بلاؤں گا۔ بیٹھنا ہے تو بیٹھ جاؤ۔ زیادہ جلدی میں ہو تو بے شک چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ چلے گئے ہیں۔ اسی واقعہ کو اپنے آپ میں بیان کر رہا تھا۔

بابا اللہ دتا صاحب نہایت سادہ طبیعت کے بزرگ تھے۔ دیہاتی تھے۔ اور پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ جن دنوں صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں بطور مددگار

کارکن ملازم تھے تو اپنے دستخط کرنا سیکھ لیا ہوا تھا۔ تاکہ تنخواہ وصول کرتے وقت رجسٹر پر دستخط کر سکیں۔ بس اپنے نام کے علاوہ اور کچھ لکھنا نہیں جانتے تھے۔

کسی ضروری بات کو یا کسی سے اگر روپے پیسے کا لین دین کرتے تو اس کو فراغت میں اپنے دھیان میں بیٹھے بیٹھے دھرایا کرتے تھے تاکہ بھول نہ جائے۔ اور اس طرح وہ اپنے لین دین اور ضروری معاملات کے حافظ تھے۔ مجھے یاد آیا کہ ایک روز میں صبح گھر پر نہ تھا۔ بابا اللہ دتا صاحب گھر پہنچے تو اہلیہ نے کہا، بابا جی، عامل صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ چائے کی پتی ختم ہے۔ آپ لادیں۔ بابا جی پیسے لے کر چل پڑے۔ گھر سے انہیں کہا گیا تھا کہ ہم ریڈ لیبل کی بروک بانڈ پیتے ہیں۔ اگر وہ مل جائے تو آپ بڑی پُڑیا نصف پونڈ والی لائیں۔ اگر وہ نہ مل سکے تو آپ بوڑھے آدمی ہیں۔ زیادہ دُور تک تلاش کرنے نہ جائیں۔ بلکہ ایسی صورت میں کوئی بھی برانڈ ہو لے آئیں۔ مگر چھوٹی پڑیا لائیں۔ تاکہ ایک ہی وقت میں ختم ہو جائے۔ پھر ہم بازار کُھلنے پر منگوالیں گے۔ بابا جی یہ پیغام سُن کر گھر سے نکلے۔ رستہ میں میرے قریب سے گذرے مگر اپنے خیال میں اُوپر والی بات کو دُھراتے ہوئے۔

''چھوٹی ملی تو چھوٹی لاؤں گا بڑی ملی تو بڑی لاؤں گا۔ مگر لاؤں گا ضرور۔''

میں نے گھر آکر پوچھا کہ بابا جی کو کس کام بھجوایا ہے وہ کہتے جارہے تھے کہ چھوٹی ملی تو چھوٹی لاؤں گا............ تو معلوم ہوا کہ چائے کی پتی لینے گئے ہیں۔ اور پیغام کو دُہراتے ہوئے جارہے ہیں کہ کہیں بھول نہ جائے۔

بابا جی نے خود جو حالات بیان کئے وہ اس طرح ہیں۔

آپ کا اصلی نام پیر اندیتہ تھا۔ باپ کا نام ماہیا تھا۔ آپ ریاست جموں کے

علاقہ میں موضع دیواوٹالہ نزد پدرنوالہ کے رہنے والے تھے۔آپ کے والدین نے
اوپر ایک پہاڑی مقام پوڑی پار کر میں کولہو لگا کر وہاں رہائش اختیار کرلی ہوئی
تھی۔ ابتداء طاعون جو ۱۹۰۲ء میں پڑی تھی۔ آپ کے والدین اس کی نذر
ہوگئے۔تو ماموں نے اپنے پاس لاکر پرورش کی جب ہوش سنبھالا تو اردگرد کے
ماحول کا جائزہ شروع کیا۔اس علاقہ کے ایک رئیس ڈوگرہ راجپوت جن کا آبائی
نام بجتر تھا۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوکر احمدیت
قبول کر چکے ہوئے تھے۔آپ کا اسلامی نام شیخ عبدالعزیز صاحب رضی اللہ عنہ ہے
آپ زیادہ تر قادیان میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہتے۔
سال میں چند ماہ کے لئے فصل کی آمد اور زمین کا ٹھیکہ وغیرہ وصول کرنے وطن جایا
کرتے تھے۔ بابا اللہ دتا صاحب نے بتایا کہ میں محترم شیخ عبدالعزیز صاحب سے
جن کو ہم چچا کہا کرتے تھے۔ قادیان کے حالات سُنا کرتا تھا۔ اور یوں ایک
غیر شعوری لگاؤ قادیان کے ساتھ ہونے لگا۔ اور یہ لگاؤ بڑھتے بڑھتے شوق کی
حدود میں داخل ہوگیا۔

میں بیس سال کا نوجوان تھا۔جب قادیان کے وصال کی تمنا دل میں لئے گھر
سے بھاگ کھڑا ہوا۔اس سے قبل محنت مزدوری کی غرض سے میں اپنے بڑے بھائی
کے ساتھ پنجاب آچکا تھا۔اور ریل میں نے دیکھ لی ہوئی تھی۔ میں گھر سے بھاگ
کر جموں تک آیا۔اور یہاں سے ریل میں سوار ہوکر قادیان آنے کے لئے بٹالہ
پہنچا۔میں نے دیکھا کہ بعض اور مسافر بھی قادیان آنے والے ہیں۔اُن کے پیچھے
پیچھے ہولیا۔ جُھٹ پٹے کے وقت قادیان پہنچا۔رات مہمان خانہ سے کھانا کھا کر
سو رہا۔صبح اُٹھ کر محترم شیخ عبدالعزیز صاحب کا پتہ کیا۔آپ سے مل کر ساری کوفت
اور پریشانی دُور ہوئی۔آپ سے معلوم ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ

عنہ کو وفات پائے چھ ماہ کا عرصہ گذرا ہے۔

میں نے یہاں بطورِ مددگار کارکن صدر انجمن میں ملازمت کرلی۔ میرا تقرر
دفتر محاسب میں ہوا۔ تو ان دنوں حضرت مرزا محمد اشرف محاسب تھے۔ ان کی
شفقت سے دن اچھے گذرنے لگے۔ آپ نے اپنے مکان کے ایک حصہ میں ہی
مجھے رہنے کو جگہ دے دی۔ کفائت شعاری میری طبیعت کا اہم جز تھا۔ مین نے اپنی
قلیل تنخواہ میں سے کچھ رقم پس انداز کرلی تھی۔ جب حضور انور حضرت خلیفۃ المسیح
الثانیؓ کی طرف سے 1918ء میں منارۃ المسیح کی تکمیل کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی۔
اور یہ شرط ساتھ لگائی کہ جو ایک سو روپیہ اس تحریک میں دے گا اس کا نام منارۃ
المسیح کے اوپر سنگ مرمر کی تختی میں لکھوایا جائے گا۔ میں نے اپنا جمع شدہ روپیہ جو
یکصد ہی تھا اس تحریک میں دے دیا۔ (بابا اللہ دتا صاحب کا نام منارۃ المسیح پر
جانب جنوب لگی ہوئی سنگ مرمر کی تختی پر لکھا ہوا موجود ہے۔ عامل)

پھر کئی سال کی ملازمت سے آپ نے کچھ رقم پس انداز کرلی تو ایک چھوٹی سی
دوکان جو ایک صندوق کی صورت میں تھی۔ جاری کرلی۔ اس میں بچوں کے کھانے
کی کھٹی میٹھی گولیاں، ٹافیاں، سوئی دھاگہ، بٹن وغیرہ ہوا کرتے۔ اسی مختصر سی
دوکان سے آپ گذارہ چلاتے رہے۔ پانصد روپے کی رقم جمع ہوئی تو آپ نے
سٹار ہوزری میں حصص خرید لئے۔ تقسیم ملک کے وقت آپ لائیلپور چلے گئے۔ وہاں
چند ماہ بمشکل گذار کر قادیان کی محبت نے پھر زور مارا تو آپ مارچ ۱۹۴۸ء میں
پھر چند درویشوں کا تبادلہ عمل میں آنے پر قادیان چلے آئے۔

مارچ ۱۹۴۸ء میں صبح کے وقت بابا جی کو جس نے بھی گھومتے دیکھا خوش ہوا۔
قادیان کے اکثر نوجوان آپ کو پہچانتے تھے۔ کسی نے کہا لاؤ بابا جی مجھے دینا ایک
آنہ کی ٹافی کسی نے گولیاں مانگیں کسی نے چائے پتی کی پُڑیا نام لئے بغیر مانگنا

شروع کی باباجی کی طبیعت میں غصہ نہیں تھا۔ سب کا ہنس ہنس کر جواب دیتے۔ بھائی ابھی آیا ہی ہوں۔ بندوبست کروں گا۔ مرزا منور احمد صاحب نے ویزلین کی شیشی مانگی۔ وہ پہلے بھی باباجی سے ویزلین خریدا کرتے تھے۔ باباجی اچھی خوشبودار ویزلین بھی اپنی پٹاری نما دوکان میں رکھا کرتے تھے۔

باباجی کا تقرر میرے ہی حزب میں ہوا۔ ان دنوں میری اور میرے ساتھیوں کی ڈیوٹی سٹور کی حفاظت اور نگرانی پر تھی۔ انچارج سٹور کے علاوہ کئی اور بھی خدمات ناچیز کے سپرد تھیں۔ اور میں اکثر لنگر خانہ سے بروقت کھانا نہیں لے پاتا تھا۔ بعض اوقات تو رہ ہی جاتا۔ اور جب بے وقت جاتا تو جو بچا کھچا ہوتا مل جاتا۔ باباجی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو میرا کھانا خود وقت پر لاکر رکھ دینے کی ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی۔ اور کئی سالوں تک اس ڈیوٹی کو نبھاتے رہے۔ گو میں بھی اور دفاتر میں تبدیل ہوتا رہا۔ اور باباجی بھی مگر یہ کھانا لاکر رکھنے کا عہد قائم رہا۔

باباجی کی طبیعت میں مستقل مزاجی بدرجہ اتم تھی۔ جب وہ ۱۴-۱۹۱۵ء میں یہاں آئے تو مرزا محمد اشرف صاحب کے مکان میں رہنے کو جگہ ملی۔ اور پھر وفات تک اس جگہ کو نہ چھوڑا۔ مولوی عبدالواحد صاحب سے آپ کا دوستی کا تعلق انہی ایام میں استوار ہوا تو وفات تک اس تعلق کو نبھاتے چلے گئے۔ میرے ساتھ تعلق بنا تو وفات تک اس کی پاسداری کرتے چلے گئے۔

میں نے ایک روز پوچھا باباجی آپ کا اصل نام تو پیراندیتہ تھا۔ آپ اللہ دتا کیسے ہو گئے تو بتایا کہ جب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی تو آپ نے فرمایا کہ پیراندیتہ نام میں شرک کی ملونی ہے۔ آپ اپنا نام اللہ دتا رکھ لیں۔ چنانچہ اسی روز سے میرا نام اللہ دتا ہو گیا۔

میں نے ایک بار پوچھا کہ یہاں آنے کے بعد آپ کو کبھی اپنے وطن جانے کا

اتفاق ہوا ہے۔ یا آپ کے رشتہ دار آپ کو ملنے یہاں آتے رہے ہیں؟ تو بتایا کہ ہم دو بھائی تھے والدین طاعون کی نذر ہو گئے تھے۔ میرا بڑا بھائی بھی قادیان آ گیا تھا۔ اور لنگر خانہ میں روٹی لگانے پر ملازم ہو گیا تھا۔ مگر دیگر رشتہ دار اس کو شادی کا لالچ دے کر واپس اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ مجھے بھی کئی بہانوں سے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ مگر میں نے قادیان سے نکلنا پسند نہیں کیا۔ میرا نکاح بھی قادیان آنے سے قبل ہو چکا تھا۔ جب رشتہ داروں نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر انہیں فارغ کر دیا۔ کہ اب میری طرف نہیں آنا۔ اس کے بعد مجھے لینے کوئی نہیں آیا۔ البتہ میری ایک چچی جب بیوہ ہو گئیں تو وہ زمین کا انتقال کاغذات مال میں چڑھانے کی غرض سے مجھے بطور گواہ پیش کرنے کی غرض سے مجھے لینے آئی تھیں۔ میں اُن کے ہمراہ ایک دو روز کے لئے وطن گیا تھا۔ بس اس کے علاوہ کبھی وطن جانے کا خیال تک نہیں کیا۔

وطن سے آ جانے کے بعد باباجی نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ بتایا کرتے تھے کہ میں غریب نوجوان تھا۔ کوئی اثاثہ اور جائیداد نہیں رکھتا تھا۔ مجھے کون رشتہ دیتا۔ اس لئے پوچھا ہی نہیں۔ اور اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو اب شادی کی عمر نہیں رہی۔

باباجی نہایت درجہ پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ بڑے پکے تہجد گذار تھے۔ باقاعدہ مسجد میں آکر تہجد کی نماز بھی اور باقی نمازیں بھی ادا کرتے۔ وفات سے چند ماہ قبل تک باقاعدہ مسجد میں آتے رہے ہیں۔ آخری چند ماہ میں کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تھے۔ اس لئے گھر پر ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے ہاں نماز جمعہ کے لیئے میں انہیں سہارا دے کر ساتھ لے جاتا۔

۱۹۷ء میں باباجی کی خواہش پر آپ کے کھانے کا انتظام میں نے اپنے

گھر میں کر دیا تھا۔ بابا جی ان دنوں میں ریٹائرڈ لائف گذار رہے تھے۔ آپ سارا دن میرے پاس مطب میں بیٹھا کرتے دونوں وقت گھر پر آکر کھانا کھاتے۔ صبح شام سیر کرنے جاتے اور پھر نمازوں کے اوقات میں مسجد لیکن سونے کے لئے آپ نے مرزا محمد اشرف صاحب کی بیٹھک نہ چھوڑی۔ آپ کہا کرتے کہ میں قادیان آتے ہی اس جگہ مقیم ہوا تھا۔ اور اسی جگہ سے میرا جنازہ اُٹھے گا۔

۱۴ دسمبر ۱۹۷۸ء کو مجھے تاکیداً کہا کہ حجام کو بھجوا دینا میری حجامت بنا دی جائے۔ سو میں نے انتظام کر دیا حجامت بنوا کر غسل گرم پانی سے کیا۔ چائے پی۔ اور عصر کی نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ چار پائی پر ہی نماز شروع کر لی۔ (مکرم قریشی فضل حق صاحب درویش جو مرزا محمد اشرف صاحب کے برادر نسبتی ہیں اور آج کل اس مکان میں مقیم ہیں۔ اسی مکان کی بیٹھک میں بابا اللہ دتا قیام پزیر تھے۔ اور ان علالت کے ایام میں قریشی صاحب اور آپ کے بیوی بچوں نے بھی بابا جی کی خوب خدمت کی جزاھم اللّٰہ احسن الجزاء) میری اہلیہ انہیں غسل دلوا کر اور چائے وغیرہ پلوا کر آگئی تھیں۔ قریشی صاحب کے گھر والے بھی یہ خیال کر کے کہ بابا جی نماز پڑھ رہے ہیں شور نہ ہو۔ اس جگہ سے ہٹ گئے۔ میں عصر کی نماز مسجد مبارک پڑھ کر درس سُننے کے لئے بیٹھا تھا کہ ایک بچہ آیا۔ اور آکر کہا کہ بابا جی کی طبیعت زیادہ خراب ہے آکر دیکھ لیں۔ میں فوراً گیا۔ جا کر دیکھا کہ بابا جی اپنا عہد وفاداری پورا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں جا چکے ہیں۔ انا للّٰہ وَانّا اِلَیہ رَاجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

آپ کے علاوہ آپ کے رشتہ داروں میں سے کوئی اور احمدی نہیں تھا۔ اور چونکہ بابا جی نے وطن سے تعلق ہی منقطع کر لیا ہوا تھا۔ وفات کے وقت یہ بھی معلوم نہیں

تھا کہ ان میں سے کوئی زندہ موجود بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اس کا پتہ اس وقت کیا ہے۔

۱۴ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ہی رات ساڑھے نو بجے حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بعد میں تدفین دُعا فرمائی۔ بابا جی ۱۹۱۷ء سے موصی تھے۔ آپ کو مقبرہ بہشتی میں دفن کیا گیا۔

ایک شکریہ کا خط

برادرم مکرم ومحترم چوہدری اللہ بخش صاحب صادق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ گذشتہ ساڑھے تین ماہ اہلیہ کا پتہ کا اپریشن کرانے کی بھاگ دوڑ میں گذر گئے۔ اب ذرا سی فرصت ہوئی ہے۔ پھر بھی ان دنوں ناظم وقف جدید۔ وکیل المال واعلیٰ کے قائمقام کے طور پر خدمت کرتا ہوں۔ میں نے ''وہ پھول جو مرجھا گئے'' کا ایک حصہ یعنی نصف کے قریب کتاب کا مسودہ تیار کر کے بھجوایا ہے ملاحظہ فرمالیں۔

میری خواہش تھی کہ اس حصہ میں حضرت منشی محمد الدین صاحب واصلیاتی کے حالات بھی آجاتے یہاں جن دنوں آپ کی وفات ہوئی ۱۹۵۰ء میں تب تک کوئی اخبار ہی جاری نہیں تھا۔ الفضل کی فائل مکمل مل نہیں سکی۔ وہاں لائبریری میں اگر مل جائے تو اس کی فوٹو سٹیٹ لینا ہوگی۔ مکرم ملک صلاح الدین صاحب نے ان پر ایک مبسوط نوٹ لکھا تھا۔ نیز ان کا فوٹو بھی اگر چوہدری غلام صاحب یا ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب کے بچوں سے اگر مل سکے تو وہاں سے حاصل کرنا ہوگا۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ اُن کے حالات پر مشتمل کتاب بھی ادھر کسی نے شائع کی تھی۔ اگر اس کی ایک کاپی مل سکے تو بہتر ہو۔

مکرم حافظ نور الٰہی صاحب کا فوٹو بھی نہیں ہے۔ وہ کوٹ مومن کے رہنے والے تھے اگر ان کے لواحقین سے مل سکے تو بڑی مہربانی ہوگی۔

ان مضامین میں جگہ جگہ نوٹ ہے کہ میں نے یہ کہا۔ مجھے اطلاع ملی تو یہ کیا گیا یا میں نے انہیں اس بات پر مقرر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناچیز ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء تک معاون نگران حلقہ بیت مبارک پھر ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء تک صدر حلقہ بیت مبارک اور ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۱ء سے ۱۹۹۱ء تک مسلسل قادیان کی جماعت کا جنرل سیکرٹری رہا۔ اس وجہ سے بہت سے انتظامی معاملات کا مجھ سے تعلق رہا ہے۔ ہر قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے۔ اگر آنمکرم اپنے نوٹ میں اس امر کو بھی ذکر فرماسکیں تو قاری حضرات کی ایک الجھن دور ہو جائے گی۔ اب میں رکے بغیر باقی ۱۳۰ افراد کے بارہ میں دو ماہ کے اندر اندر نوٹس مکمل کرلوں گا۔ انشاء اللہ

دعا کی خاص طور پر درخواست ہے۔

والسلام

بدر الدین عامل

۵-۶-۱۹۹۴

میجر محمد عبداللہ خان صاحب

انیسویں صدی کے ربع کے آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان کی سیاست کے افق پر علی برادران مولانا محمد علی وشوکت علی کا نام گونجتا تھا۔ انہی برادران کے ایک بھائی جن کا رجحان سیاست کی بجائے دین کی طرف تھا۔ میری مراد حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہر سے ہے۔ قادیان میں مامورِ زمانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں آکر قادیان آکر بس گئے تھے۔ جس طرح علی برادران نے سیاست میں نمایاں کام کیا۔ آپ نے خدمتِ دین اسلام میں اپنی تمام تر اعلیٰ صلاحیتیں صرف کر دیں۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہر کے پانچ فرزند تھے۔ ایک سرکاری ملازم تھے۔ چاروں کو سلسلہ حقہ احمدیہ حقیقی اسلام کی شاندار خدمات کی توفیق ملی۔

مکرم محمد عبداللہ خان صاحب آپ کے تیسرے بیٹے تھے ان سے بڑے بیٹے مکرم حاجی ممتاز علی خان صاحب کو بھی ہجرت کے بعد قادیان میں بطور درویش خدمت بجالانے کی توفیق ملی۔ آپ کا ذکر ''گلدستہ درویشان کے وہ پھول جو مرجھا گئے'' حصہ اول میں آچکا ہے۔ جب مکرم ممتاز علی صاحب کی وفات ہوئی تو ابھی ان کا جنازہ پڑا تھا اور میجر عبداللہ صاحب پاس بیٹھے تھے ایک دوست آئے اور کہا عبداللہ صاحب آپ کے بھائی کی وفات کا بڑا افسوس ہے۔ یہ سن کر کہنے لگے یہ بھائی جن کا جنازہ پڑا ہے۔ اس کا آپ کو افسوس ہے۔ انہوں نے کہا ہاں پھر کہنے لگے یہ جو ابھی فوت ہوئے ہیں ان کا آپ کو افسوس ہے۔ اور میں جو بیس سال سے

مرا پڑا ہوں میرا آپ کو کوئی افسوس نہیں ہے۔ اس نوٹ میں محمد عبداللہ خان صاحب کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ محمد عبداللہ خان صاحب بچپن سے ذہین تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک پاس کیا۔ اور پھر کاروبار زندگی میں مصروف ہو گئے۔ انگریزی اچھی طرح بول لیتے تھے۔ ان کے اُن ایام کی رپورٹوں میں انگریزی زبان میں تقریر کرنا ثابت ہے۔ ابتداء جوانی میں بعض حوادث کا شکار ہوکر ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔ اور ان کی حالت مجذوبوں جیسی ہوگئی تھی۔ احمدیہ بازار میں خاموش کسی نہ کسی کونہ میں کھڑے رہتے۔ نہ کسی کو دکھ دیتے اور نہ کسی سے کچھ مانگتے۔ جس وقت بھوک محسوس ہوتی گھر جا کر کھانا کھا آتے۔ اگر کوئی چائے کی پیش کش کرتا تو قبول کر لیتے تھے۔

قادیان میں بطور درویش جن افراد کو ٹھہرانا تھا ان کا ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کو انٹرویو لیا گیا تھا۔ اور ان کو کارڈ ایشو کر دیئے گئے تھے۔ ۱۶ نومبر کو جب تمام جانے والے افراد رخصت ہو گئے تو معلوم ہوا کہ چند افراد ایسے بھی یہاں مقیم رہ گئے ہیں جنہیں باقاعدہ طور پر یہاں ٹھہرنے کے لیئے انتخاب نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کا قیام محض اتفاقی ہے۔ ان میں سے ایک عبداللہ خان بھی تھے جو اپنی مجذوبیت کے باعث کسی کونہ میں پڑے رہے۔ اور جانے واے قافلہ میں شریک نہیں ہوئے۔ چند افراد اور بھی ایسے ہی تھے۔ ان کو بھی ۳۱۳ درویشوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اور یوں ۳۱۳ کی تعداد بڑھ کر ۳۲۶ ہوگئی۔

محمد عبداللہ خان صاحب پر جب دماغی عارضہ کا حملہ ہوا تو وہ ان ایام میں اپنے آپ کو عبداللہ خان کہلانے کی بجائے میجر عبداللہ کہلانا پسند کرنے لگے تھے۔ اور آخر میں یہ ان کی پہچان بن گئی۔ اور وہ میجر عبداللہ کے نام سے ہی جانے جانے لگے۔ درویشی کا ۲۵ سال کا عرصہ اسی طرح خاموشی سے گذار دیا۔ درویشوں سے

چونکہ بے تکلف ہو گئے تھے۔ اگر احتیاج ہوتی تو کسی بھی درویش بھائی کو کہہ دیتے
چائے نہیں پلواؤ گے۔ اور درویش آگے سے کہہ دیتا کہ کوئی اچھا سا شعر سناؤ تو
چائے پلاؤں گا۔ اس پر آپ شعر سناتے۔ اکثر یہ شعر سنایا کرتے تھے۔

تڑپتے ہوئے دل کو پاکٹ میں ڈالو
جو پوچھے کوئی اس سے کہنا گھڑی ہے

ایک مرتبہ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب مرحوم اور چوہدری عبدالقدیر
صاحب مسجد مبارک کے آہنی گیٹ کے دائیں طرف ایک تختہ پر بیٹھے تھے کہ میجر
عبداللہ صاحب نے آکر سوال کیا کیا چائے نہیں پلواؤ گے۔ اسی اثناء میں ایک اور
دوست چائے کی دوکان میں داخل ہوتے ہوئے نظر آئے دونوں چوہدری
صاحبان نے کہا وہ دیکھو فلاں صاحب چائے پینے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ بھی
شامل ہو جائیں۔ میجر صاحب فوراً گئے ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی وہ درویش فوراً
دوکان سے نکل کر جلدی جلدی گیٹ کے اندر دفاتر کی طرف چلے گئے۔ میجر
صاحب تھوڑی دور تک انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اور پھر یوں گویا ہوئے

''دو سو کنجوس مرا ہوگا تو یہ شخص پیدا ہوا ہوگا۔''

اس قدر لطیف استعارہ لئے ہوئے یہ جملہ سن کر دونوں چوہدری صاحبان
پھڑک اٹھے اور میجر صاحب کی چائے سے تواضع فرمائی۔

چند روز کی علالت کے بعد ہمارے یہ بھائی ۶ دسمبر ۱۹۷۲ء کو اپنے مولا حقیقی
کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چونکہ وصیت نہیں تھی۔ بچہ
قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مکرم شیر احمد خان صاحب

میرا تصور آج سے ٹھیک پچیس سال پہلے کی ٹھٹھری ہوئی ایک سرد رات میں
گھوم رہا ہے۔ یہ ماہِ جنوری کی ایک نہائت سرد رات تھی۔ جب نصف شب گئے
میں مطالعہ سے اُکتا کر سونے سے قبل اپنے ایریئے کا پہرہ چیک کرنے کے لئے گھر
سے نکلا۔ میں احمدیہ بازار میں مدرسہ احمدیہ کے گیٹ کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ کہ
دائیں جانب کی دوکان کے اندر سے مانوس اور پیاری آواز آئی۔ عامل صاحب
ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ پیاری آواز مکرم حافظ عبدالرحمٰن صاحب
کی تھی۔ کہنے لگے ابھی چند منٹ ہوئے بازار میں سے تھانیدار (داروغہ پولیس)
گزرے تھے۔ میں نے ان کے پاؤں کی آہٹ پاکر دوکان کے اندر ہی سے
''کھنگورا'' ماردیا تھا۔ تا وہ سمجھ لیں کہ یہاں لوگ بے خبر نہیں سوتے۔ میں اچھا
کہہ کر گزر گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ گیارہ سے ایک بجے تک مکرم شیر احمد خان صاحب
کی پہرہ کی ڈیوٹی تھی۔ اور انہی کے پاؤں کی آہٹ کو مکرم حافظ عبدالرحمٰن صاحب
نے تھانیدار کے آنے سے تعبیر کیا تھا۔

۱۹۴۳ء میں احمدیہ چوک میں خالص افغانی وضع کا ایک ٹی سٹال مکرم خان
گل نور صاحب مرحوم نے چلا رکھا تھا۔ آپ عین جوانی میں ہی خدا تعالیٰ کو
پیارے ہو گئے تو ۱۹۴۴ء کے آخر میں احمدیہ بازار میں مدرسہ احمدیہ کے سامنے
والی دوکانوں میں مکرم شیر احمد خان صاحب نے اپنے ماموں مکرم خان گل نور
صاحب کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے ٹی سٹال جاری کیا وہیں پر چائے کا ایک کپ پی

کرمکرم شیر احمد خان صاحب سے میرا پہلا تعارف ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ مکرم خان میر صاحب محافظ خاص حضرت خلیفۃ المسیح اقدس، مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی محترم حضرت احمد نور صاحب کابلی کے نواسے ہیں۔

زمانہ درویشی میں اور بھی قریب ہوکر دیکھنے کا موقعہ ملا۔ آپ شعارِ اسلامی کے پابند، خوبصورت ڈاڑھی رکھنے والے تھے۔ نظامِ جماعت سے تعاون آپ کی گھٹی میں پڑا تھا۔ خود بار بار کہا کرتے تھے کہ بھائی جی جو کام بھی آپ چاہیں مجھے بتا دیں میں انشاء اللہ اسے اس رنگ میں انجام دوں گا کہ آپ کو کوئی شکایت نہ ہو سکے۔ راتوں کو اکثر جاگتے۔ گویا رات سونے کے لئے نہیں بنی۔ مجھے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب بھی کوئی دوست پہرہ کی ڈیوٹی سے کسی عذر کی بناء پر چھٹی چاہے تو اس کی جگہ مجھے جگانے کے لئے کہہ کر مطمئن ہو جایا کریں۔ اور واقعی میں نے اُنہیں تجربہ میں ایسا ہی پایا۔

آپ حلقہ مسجد مبارک کے ان چند درویشوں میں سے ایک تھے۔ جو دفتری امور کی انجام دہی کی بجائے پہرہ، وقارِ عمل اور اسی قسم کی دیگر ڈیوٹیوں کو پسند کرتے تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ وہ دفاتر میں لگائے جائیں۔ مگر میں بڑی محنت سے اُنہیں دفاتر میں لانے میں کامیاب ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت اقدس المصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق قادیان میں دفاتر کی ازسرِ نو تنظیم عمل میں آئی اور جملہ نظارتوں کے کام میں وسعت کے باعث مزید محرروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں جن آدمیوں کے پیچھے پڑ کر انہیں دفاتر میں لایا تھا اُن میں مکرم شیر احمد خان صاحب بھی تھے۔ آپ کو دفتر میں حاضری کے لئے کہا جاتا تو عذر کرتے۔ میں فجر کی نماز پڑھتے ہی ان کی قیام گاہ پر جاتا تو اکثر ان کو فجر کی نماز پڑھ کر سوتے ہوئے پاتا۔ آپ اندازہ کریں۔ گرمیوں کے دن ہوں اور

ایک شخص کمبل یا رضائی اوڑھ کر سویا ہوا ہو۔ میں جگاتا اور پوچھتا کہ آپ اس قدر گرمی میں بھی کمبل اوڑھ کر سو جاتے ہیں۔ تو کہتے رات کو پہرہ دیا ہے۔ نیند تو آنا ہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر پتلا کپڑا لے کر سوؤں گا تو روشنی اس میں سے چھن کر اندر آجائے گی اور نیند کُھل جائے گی۔ لہٰذا موٹا کپڑا لے لیتا ہوں تا روشنی اندر نہ آنے پائے۔ میں انہیں اٹھا کر ساتھ لاتا اور رستہ میں ہی ناشتہ کرواتے ہوئے (ناشتہ اُن دنوں لنگر خانہ کی ایک روٹی پر مشتمل ہوا کرتا تھا) دفتر چھوڑ آتا تھا۔ الحمدللہ کہ میری محنت کارگر ہوئی اور انجمن کو ایک اچھا کارکن مل گیا۔ مکرم شیر احمد خان صاحب بعد میں خود مجھ سے اکثر کہا کرتے کہ آپ نے میری زندگی سنوار دی۔ اگر آپ اس قدر کوشش نہ کرتے تو میں ہرگز دفتر میں نہ آتا۔

کچھ عرصہ بعد دفتر کے کام میں انہیں خاصی مہارت ہوگئی اور وہ ایک اچھے محرر کھاتہ ثابت ہوئے۔ سال دو سال تک دفتر بہشتی مقبرہ میں محرر کھاتہ رہے اور پھر کئی سالوں تک دفتر محاسب میں کھاتوں کی تکمیل کا نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام بڑی محنت اور لگن کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

خالص افغانی لہجہ میں بڑی روانی سے پشتو بول سکتے تھے۔ جب کبھی پشتو بولنے والے افراد قادیان آتے تو انہیں مکرم شیر احمد خان صاحب سے ملایا جاتا۔ آپ انہیں بہترین پیرائے میں سلسلہ کے بارہ میں معلومات بہم پہنچا کر تبلیغ کا حق ادا کرتے۔ اور ایسے افراد جماعت کے بارہ میں اچھا اثر لے کر جاتے۔ آپ شگفتہ مزاج اور کم گو تھے۔ گفتگو ظرافت کا مٹھاس لئے ہوئے ہوتی۔

جب حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے درویشان کو شادیاں کرنے کا حکم ہوا تو مکرم شیر احمد خان صاحب کی شادی حیدرآباد کے ایک احمدی خاندان میں محترمہ فہیمہ اصغری صاحبہ سے ہوئی۔ درویشوں کی شادیاں بھی حضرت

اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک معجزہ ہیں۔ آج جہاں لوگ رسوم اور ذات برادریوں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مسیح پاک کے غلام ہر قسم کی رسموں اور بندھنوں سے آزاد صرف احمدیت کی رسی میں سلکِ مروارید بنتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ دن بھی عجیب تھے۔ نت نئی شادیاں، مجرد درویشوں کا ماحول جو خزاں رسیدہ باغ کی طرح ہو گیا تھا۔ حضور پرنورؓ کے اس فرمان پر اس میں بہار کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ اور چند مہینوں کے اندر ہی گلشن احمد میں درجنوں بلبلیں چہچہاتی نظر آنے لگے۔

بنیں ہم بلبلیں بستانِ احمدؐ
رہے برکت ہمارے آشیاں میں
ہمارا گھر ہو ظلِ باغِ جنت
ہو آبادی ہمیشہ اس مکاں میں

حضور پُرنور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کی برکت سے درویشوں کی آبادی جو ابتداءً ۳۱۳ نفوس پر مشتمل تھی۔ آج بفضلہ تعالیٰ ڈیڑھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

ہمارے اس بھائی نے گھریلو مالی مشکلات پر قابو پانے کی غرض سے گزشتہ دو سال سے دفتر کے علاوہ فالتو اوقات میں ایک چائے کی دوکان کھول رکھی تھی۔ جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء کے ایام میں خوب کام کرتے رہے۔ جلسہ کے ایام گزر جانے پر کچھ علالت کے آثار دکھائی دیئے۔ چند روز بعد دوست احباب نے ان کی آنکھوں کا رنگ غیر معمولی طور پر پیلا دیکھا۔ احباب کے مشورہ پر ہمارے اس بھائی نے یرقان کا علاج شروع کیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مقامی معالجوں سے رجوع کیا گیا۔ حالت اصلاح پذیر نہ ہوئی۔ آخر امرتسر لے جا کر مکمل ٹسٹوں کے بعد علاج

کروانے کا پروگرام بنایا گیا۔ مؤرخہ ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء کو امرتسر ہسپتال میں داخل کرائے گئے جہاں متعدد قسم کے ٹسٹ لے کر یہ فیصلہ ہوا کہ پتہ کا اپریشن کیا جائے۔ پتہ کی خرابی خون میں...... ملنے کا موجب تھی۔ مؤرخہ ۱۲ فروری ۱۹۷۹ء کو اطلاع دی گئی کہ دو روز بعد اپریشن ہوگا۔ ہمارا یہ بھائی اپریشن سے قبل اپنے بیوی بچوں اور دوست احباب سے ملنے ایک روز چھٹی لے کر قادیان آ گیا۔ یہاں آنے پر مانوس فضاء دوست احباب کی ہمدردی اور بیوی بچوں کی محبت و خدمت گذاری کے باعث بظاہر طبیعت اچھی نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے یہاں ایک ذرہ قیام کی بجائے دس روز قیام رہا۔ اور پھر تکلیف بڑھ جانے پر دوبارہ امرتسر میں داخلہ لیا گیا۔ یہ چند ایام کی اپریشن سے بچنے کی فروگذاشت آکلیز کی ایڑی ثابت ہوئی۔ بیماری جیت چکی تھی۔ بالآخر ہمارا یہ بھائی جس کی چال پر تھانیدار کا گمان ہوتا تھا چُپ چاپ بغیر کوئی آہٹ کئے مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۷۹ء کو دارالعمل سے دارالقرار کی طرف روانہ ہو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

گلستانِ احمد میں آپ کی چار یادگاریں ہیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں۔ بڑا بچہ ان دنوں جرمنی میں برسر روزگار ہے۔ اور ایک بچی کی حال ہی میں پاکستان میں شادی ہوئی ہے۔ دو بچے قادیان میں زیر تعلیم ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کے مستقبل کو بھی روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

گیانی بشیر احمد صاحب

۳۶-۱۹۳۵ء میں شاہدرہ میں نماز جمعہ میں نئی صورتیں نظر آنے لگیں۔ یہ کبھی تو نماز جمعہ میں اور بعض اوقات دیگر جماعتی اجتماعات میں نظر آتیں اور کبھی غائب ہو جاتیں۔ سال سوا سال بعد یہ صورتیں ایک دم غالب ہوگئیں۔ جیسے پریوں کے دیس سے ان لوگوں کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کی خاطر پدھاری ہوں اور پھر جی بھر سیر کر چکنے کے بعد اپنے وطن کی محبت سے نعرہ زناں سوئے چمن روانہ ہوگئی ہوں۔ میرے ذہن پر ان کا دھندلا سا نقش موجود تھا۔ ۱۹۴۷ء کا پرآشوب دور شروع ہوا۔ آزادی نے ہمارے دروازوں پر دستک دی اور آزادی کا سورج جب طلوع ہوا تو وہ خون کے دریا سے نہا کر نکلا۔ ہر شخص آزاد تھا۔ ہر شخص اپنی مرضی کا مالک ہوگیا تھا۔ تمام قانون منسوخ ہو چکے تھے۔ تمام حقوق و فرائض کی زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں۔ ہر شخص نے اپنے خیالات کی محفل سجائی۔ خود ہی فرد جرم عائد کیا نہ مجرم کو صفائی کا موقعہ نہ وکیل کرنے کی گنجائش نہ اپیل نہ نظر ثانی نہ کوئی رحم کی درخواست کا امکان۔ بس کیا تھا اپنے ہی دل کے دربار سے فیصلہ جات دارورسن جاری ہونے اور اگلے لمحہ اپنے ہی ہاتھوں چیختی چلاتی انسانیت کو خاک وخوں میں غلطاں کر دیا جاتا۔ ایک سیلاب تھا کہ روکے نہیں رکتا تھا۔ ایک بگولا تھا جو ہر ایک خسِ راہ کو اڑائے لئے چلا جا رہا تھا۔ شرافت اور عدالت منہ چھپائے مطلع صاف ہونے کی منتظر تھیں۔ آسمان سیاست نے اپنا غصہ پی لیا۔ افراد کے افعال و کردار پر قدغن لگنے لگی۔ ظلم کے اُٹھے ہوئے ہاتھ روکے جانے لگے۔ مظلوم روحوں کی چیخ

و پکار دھیمی ہونے لگی۔ جور و جفا کے بادل چھٹ گئے۔ یادوں کی دھندلی اسکرین پر بھولے بسرے خاکے ابھرنے لگے۔ ۳۶-۱۹۳۵ء کی جانی پہچانی صورتیں پھر نمودار ہوگئیں۔ مساجد میں وقار عمل میں، لنگر خانہ میں کھانا لیتے ہوئے گاہ بگاہ ٹکراؤ ہونے لگا۔ تعارف گہرا ہوتا گیا۔ آپ ہیں مکرم بشیر احمد صاحب ناصر ولد مکرم علی بخش صاحب سکنہ ماہل پور ضلع ہوشیار پور۔ آپ نے کاروباری زندگی میں قدم رکھا تو اول اول ٹیکنیکل ٹریننگ اسکول سے ڈائنگ (رنگ سازی کا کورس کیا) اور پھر ۱۹۳۵ء میں شاہدرہ ڈائنگ فیکٹری میں پریکٹیکل کا عرصہ مکمل کرنے گئے۔ انہی ایام میں آپ جمعہ پڑھنے احمدیہ مسجد شاہدرہ آیا کرتے تھے۔ ایک سال تک پریکٹیکل کرنے کے بعد واپس اپنے وطن چلے گئے۔ کچھ عرصہ مختلف کاروبار کرتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں جنگ عالم گیر ثانی شروع ہوئی تو فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں فوج سے فارغ ہو کر گھر چلے آئے۔ پھر ۱۹۴۷ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ کی تحریک وقف بطور دیہاتی مبلغین میں اپنا نام دے دیا اور دیہاتی مبلغین کی دوسری کلاس میں پڑھنے لگے۔ دراصل دیہاتی مبلغین کی ایک سال کی ایک کلاس ہوتی تھی۔ پہلی کلاس نے ۱۹۴۶ء میں پڑھنا شروع کیا۔ اور ایک سال عرصہ تعلیم ختم ہونے پر کامیاب ہو کر مختلف دیار و احصار میں تبلیغ و تربیت کے لئے متعین ہو گئے۔ دوسری کلاس نے ۱۹۴۷ء میں پڑھنا شروع کیا۔ ۱۹۴۷ء کے نصف آخر میں ہنگامہ کارزار کے باعث اس کلاس کی پڑھائی رکی رہی۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں جب قادیان سے زیادہ تر احمدی آبادی ہجرت کر گئی تو جماعت کے ایک حصہ نے حضور انور کے ارشاد کے تحت قادیان میں ہی رہنے کا فیصلہ کر کے دیار مسیح کی درویشی اختیار کر لی۔ ان افراد میں یہ کلاس بھی شامل تھی ہاں ان میں سے چند ایک اپنی مجبوریوں کے باعث اجازت لے کر ہجرت کر گئے تھے۔ مگر کلاس کا

بیشتر حصہ زمرہ درویشان میں شامل ہوگیا۔ اس کلاس کی تعلیم ماقبل کلاس سے زیادہ عرصہ جاری رہی۔ اس کلاس میں سے چند ایک کو ۱۹۴۹ء میں یو۔ پی کی بعض جماعتوں میں بطور معلم بھجوایا گیا۔ اور پھر ۱۹۵۰ء میں ایک بڑا گروپ یو۔ پی جنوبی ہند بہار اور بنگال کی مختلف جماعتوں میں بھجوایا گیا۔ مکرم بشیر احمد صاحب ناصر کو پرکھوپٹی صوبہ بہار میں مقرر کیا گیا تھا۔ جہاں آپ کچھ عرصہ تک تبلیغی و تربیتی خدمات بجالاتے رہے۔

۱۹۴۷ء سے قبل پنجاب میں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ مبلغین کے باہر کے صوبہ جات میں جانے سے یہ احساس ہوا کہ ملک کے بدلتے ہوئے حالات میں جبکہ اب اردو کی جگہ مرکزی طور پر ہندی کو قومی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اور ہر علاقہ میں اپنی علاقائی زبان میں کاروبار سلطنت ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے مبلغین بھی ہندی زبان میں مہارت بہم پہنچائیں۔ اس غرض سے ان کام کررہے مبلغین میں سے چند ایک کو ہندی کی اعلیٰ تعلیم دلانے کا فیصلہ ہوا۔ اور ۱۹۵۲ء میں ہندی کی تعلیم کی کلاس مدرسہ احمدیہ کے زیر اہتمام جاری ہوئی۔

اگلے ہی سال یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرکز چونکہ پنجاب میں ہے اس غرض سے دو نوجوانوں کو جو میدان تبلیغ میں کام کررہے تھے چنا گیا۔ یہ دو نوجوان مکرم بشیر احمد ناصر صاحب اور مکرم عبداللطیف صاحب تھے۔ انہی ایام میں میں خود بھی ادیب فاضل کا امتحان دے رہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے بھائی مکرم بشیر احمد صاحب ناصر کی یادداشت اتنی پختہ تھی کہ گویا پوری پوری کتابیں ان کو حفظ ہوں۔ کوئی ایک سوال آپ سے تجربۃً پوچھا جاتا تو آپ اس کے جواب میں کتاب کے کئی کئی صفحات سنادیتے۔

آپ نے تین سال میں گیانی تک پنجابی تعلیم مکمل کرلی تو آپ کے نام کے ساتھ گیانی کا لفظ شامل ہوگیا۔ اب آپ گیانی بشیر احمد ناصر ہوچکے تھے۔ بڑے

ذہین نوجوان تھے۔ اگلے چند سالوں میں پرائیویٹ طور پر تیاری کرکے آپ نے بی۔ اے کرلیا۔

گیانی اور بی۔ اے کرچکنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں بطور مدرس آپ کا تقرر ہوا اور تادم واپسیں آپ اسی صیغہ میں خدمات بجالاتے رہے۔ البتہ درمیان میں تھوڑے عرصہ کے لئے دیگر دفاتر میں بھی خدمت کی توفیق پائی۔ مکرم گیانی بشیر احمد ناصر بی۔ اے چست چالاک اور ذہین ہونے کے ساتھ اپنی ڈیوٹی کے بڑے پابند تھے۔ کئی سالوں تک آپ نے مسجد مبارک قادیان میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا درس دینے کی سعادت پائی۔ اور جتنا عرصہ آپ کی صحت نے اجازت دی بڑی باقاعدگی سے اس خدمت کو نباہتے رہے۔

۱۹۶۳ء میں آپ تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اور آپ نہایت خوش اسلوبی سے اس اہم ذمہ داری کو ادا کرتے رہے۔

پہلا نکاح آپ کا تقسیم ملک سے قبل ہوچکا تھا۔ آپ کے مستقل طور پر قادیان میں رہ پڑنے کی وجہ سے رخصتانہ کی نوبت نہیں آئی اور علیحدگی عمل میں آگئی۔ دوسری شادی آپ کی جنوبی ہند سابق ریاست حیدرآباد کے علاقہ میں ہوئی۔ آپ کی یہ دوسری اہلیہ ایک سال بعد بچہ کی ولادت کے موقعہ پر کیس بگڑ جانے سے وفات پاگئیں۔ بچہ بھی ساتھ ہی گیا۔ تیسری شادی آپ نے بہار میں کی۔ اس بیوی سے ایک بچی ہے جو اب شادی شدہ ہے۔ مگر اس بیوی سے بھی نباہ نہ ہوسکا اور علیحدگی ہوگئی۔ چوتھی شادی آپ نے خانپور ملکی بہار میں کی ان سے بھی تعلقات اچھے نہ رہے اور علیحدگی ہوگئی۔ پانچویں شادی آپ کی برلی میں مکرم قریشی محمد یونس صاحب کی دختر منصورہ خاتون سے ہوئی۔ اس بیوی نے آپ کا آخر تک ساتھ دیا

اور اسی رشتہ کی بدولت آپ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت احمدیہ قادیان کے ہم زلف قرار پائے۔

اعصابی بے چینی آپ کو بیس سال سے لاحق تھی۔ آہستہ آہستہ بیماری ترقی کرتی رہی۔ پھر صورت حال یہ ہو گئی تھی کہ دائیں طرف ہاتھ ٹانگ بلکہ پورے بائیں حصہ جسم میں بے حسی اور کمزوری تھی۔ مگر بائیں حصہ جسم میں رعشہ اور تشنج تھا۔ یہ دونوں بیماریاں ایک دوسرے کی متضاد تھیں۔ اگر رعشہ کا علاج کیا جاتا تو دائیں طرف بے چینی بڑھ جاتی۔ اگر مقوی ادویہ استعمال ہوتیں تو رعشہ بڑھ جاتا۔ ان حالات میں بیماری جسم کی تسخیر کرتی رہی اور اب آخری سالوں میں حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بمشکل پاؤں گھسیٹ کر چلتے۔ آخری چند سالوں سے نہایت مشکل سے دو نوجوانوں کا سہارا لے کر چلتے تھے۔ پھر بھی اس قدر جواں ہمت تھے کہ مساجد میں نمازیں پڑھنے آجایا کرتے تھے۔ سبزی لینے بازار آیا کرتے۔ بعض اوقات رستہ میں گر پڑنے کے قریب ہو جاتے تو کوئی راہ گیر سنبھال لیتا۔ ان سب تکالیف کے باوجود بشاشت اور خندہ پیشانی نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

مؤرخہ ۲۴ جون ۱۹۸۰ء دوپہر دو بجے دو نوجوان شاگردوں کا سہارا لے کر احمدیہ چوک میں سبزی لینے آئے۔ سبزی لے کر گھر پہنچے کھانا تیار ہونے پر کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت ہائی بلڈ پریشر سے بگڑی۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے مجھے پیغام بھجوایا۔ میں خود اور چند اور دوست پرسشِ احوال کے لئے ان کے گھر پہنچے مگر ہمارا یہ بھائی ہمارا انتظار کئے بغیر اپنے عہد وفاداری کو نبھاتے ہوئے حیات مستعار کو الوداع کہہ چکا تھا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔ آپ کی ایک بچی جو بہار میں شادی شدہ ہیں۔ اور بیوہ محترمہ منصورہ خاتون صاحبہ یادگار ہیں۔

عبدالرحیم صاحب دیانت

گرمیوں کی ایک حسین شام تھی۔ میرے دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکلا میرے ایک نہایت عزیز دوست محمدؐ عامل کھڑے تھے۔ میرے پوچھنے پر گویا ہوئے کل صبح گورداسپور چلنا ہے۔ میں نے تعجب کیا تو بتایا کہ ہمارے ایک رشتہ کے ماموں گورداسپور کے پاس ایک گاؤں میں رہتے ہیں۔ انہوں نے وہاں ایک تبلیغی پروگرام بنایا ہے۔ اور قادیان سے پھوپھا عبدالرحیم صاحب دیانت بھی وہاں جا رہے ہیں۔ بڑا دلچسپ تبلیغی ٹور ہے۔ اس لئے ہم دونوں بھی ساتھ چلیں گے۔ میں نے ساتھ جانے کے لئے اپنی والدہ محترمہ سے اجازت حاصل کر لی اور اگلے روز صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر سائیکلوں پر گورداسپور کے لئے روانہ ہوئے۔ ہر چودال نہر تک پکی سڑک پر جا کر پھر نہر میں جدھر سے پانی آتا ہے چلنا شروع کیا۔ اور ہم تبڑی کے مقام تک پہنچے۔ تبڑی وہ مقام جہاں نہر اپر باری دوآب دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک شاخ دھاریوال سے ہوتی ہوئی دال کے مقام تک جا کر پھر دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ اور جس شاخ پر ہم سفر کرتے ہوئے گئے تھے۔ وہ بھی سٹھیالی کے مقام پر دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ تبڑی سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر گورداسپور کی طرف وہ گاؤں ہے۔...... میرے دوست کے ماموں صاحب نے اس مختصر قافلہ کا استقبال کیا۔ اور ٹھنڈے مشروب سے تواضع کیا اور پھر ان دوستوں سے ملوایا جنہیں تبلیغ کی غرض سے وہاں مدعو کیا گیا تھا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب دیانت ان سے گفتگو فرماتے رہے اور ہم پاس بیٹھے سنا کئے۔ یہ

۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ مکرم بھائی عبدالرحیم صاحب مالک دیانت سوڈا واٹر فیکٹری سے میرا یہ پہلا تعارف تھا۔ بڑی دل چسپ گفتگو فرماتے ہیں۔ اگلے سال پھر یوم تبلیغ آیا تو میں پھر انہیں کے گروپ میں ساتھ ہولیا۔ اس دفعہ ہمارا ارادہ موضع گھوڑے واہ جانے کا تھا۔ لہرائے سے ہوتے ہوئے طغلوالہ پہنچے وہاں پر ایک غیر احمدی مولوی جو وہاں پر مسجد میں امامت کے فرائض کے ساتھ ساتھ فارغ وقت میں کفش دوزی کا شغل فرماتے تھے۔ رستہ میں بڑے درخت کے نیچے مل گئے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ کر کہا کہ آ گیا لوگوں کو گمراہ کرنے کا دن (یوم تبلیغ پر اس قسم کے آوازے احمدیوں پر غیر احمدی افراد کی طرف سے کسے جاتے تھے۔) وہیں پر ان سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گفتگو کا آغاز ہوا۔ اور جیسا کہ معمول تھا بات گھوم پھر کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر آکر ٹھہرتی۔

جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات وممات کا معاملہ طے نہ ہوا۔ امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت کی یقین ہی نہیں ہو پاتی۔ جب کہ احادیث میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ہی وجود کے روحانی نام ہیں۔ وفات مسیح پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مضبوط دلائل عطا فرمائے ہوئے ہیں کہ دنیا میں اس کا جواب ندارد۔ یہ بچارا مولوی جس نے محض طنز کے طور پر آواز کسا تھا وہ بھلا کس طرح اس نبرد آزمائی میں ثابت قدم رہتا۔ تھوڑی دیر بعد نماز ظہر کا وقت ہوگیا تو وہ نماز پڑھانے چلا گیا فارغ ہوکر گھر جا گھسا۔ وہاں یہ گفتگو سننے طغلوالہ کے سکھ دوست بھی جمع تھے۔ وہ بھی انتظار میں تھے کہ مولوی نماز پڑھ کر آئے تو آگے بات چلے جب غیر معمولی دیر ہوئی تو ان میں سے چند ایک اس کو گھر سے بلا کر لائے۔ وہ آیا تو اس حال میں کہ ایک سکھ دوست نے اس کو بازو

سے تھام رکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں آرسوئی اور وہ جوتی جو اس کے پاس زیر تیاری تھی۔ پکڑی ہوئی تھی۔ وہ عذر کرتا کہ میں نے کام دینا ہے۔ میں نے وعدہ کیا ہوا ہے مجھے فرصت نہیں ہے وغیرہ مگر وہ دوست مانتے نہیں تھے اور اس کو ہماری باتوں کا جواب دینے پر اکساتے تھے۔ مگر اس کے پاس جواب ہوتو وہ ٹھہرے وہ پھر عذر کرتا اٹھنا چاہتا مگر وہ پکڑ کر بٹھا لیتے۔ ایک سکھ معمر دوست نے اس کو کہا کہ تم جو جوتا بنا رہے ہو اگر اس کو آج مکمل بھی کرلو تو پھر بھی مشکل سے تم اس کی فروخت سے سات آٹھ آنے کما پاؤ گے۔ لو میں تمہیں ایک روپیہ دیتا ہوں۔ اب تمہیں عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک روپیہ پا کر بھی وہ بحث جاری رکھنے پر آمادہ نہ ہوا۔ ان دو سفروں کے دوران میرا بھائی عبدالرحیم صاحب سے ابتدائی تعارف ہوا اور پھر آہستہ آہستہ واقفیت بڑھی اور مزید حالات معلوم ہوئے۔

قادیان اور بٹالہ کے درمیان ایک چھوٹا سا فلنگ ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں سے اتر کر دیاں گڑھ جائیں تو دائیں جانب چھوٹا سا گاؤں ہرسیاں نظر آتا ہے۔ بھائی عبدالرحیم صاحب کی پیدائش اسی گاؤں میں ۱۹۰۴ء کو ہوئی آپ کے والد چوہدری فضل محمد صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ خلافت ثانیہ کی ابتداء میں آپ کے والد صاحب ہرسیاں سے ہجرت کر کے قادیان آکر آباد ہوگئے تھے۔ اور یہاں آپ نے حلوائی کا کام شروع کیا۔ اپنے بیٹے کو اپنی تعلیم کی خاطر مدرسہ احمدیہ میں داخل کرادیا گیا۔ ابتدائی کلاس میں ہی ایک روز سبق یاد نہ ہونے پر استاد کی طرف سے تنبیہ کی ذرا کڑوی ڈوز پلائے جانے پر آپ نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور اپنے والد صاحب کے ساتھ حلوائی کی دوکان پر کام کرنے لگے کساد بازاری کی وجہ سے ایک کام پر گزارہ چلتا نظر نہ آیا تو اپنے والد صاحب سے الگ طور پر آپ ملائی برف (ایک لکڑی کی صندوقچی میں بچوں کے

لئے دودھ جما کر ٹھنڈا کیا ہوا سستا آئس کریم) بیچنے کا دھندہ کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد جب کچھ نقدی پاس ہوگئی تو الگ طور پر حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب رضی اللہ عنہ کے مکان کے ساتھ والی دوکان میں حلوائی کا کام کرنے لگے بڑے طباع اور ذہین تھے۔ دکان کے سامنے دل چسپ اور جاذب نظر بورڈ لکھ کر آویزاں رکھا کرتے۔ اپنی بنائی ہوئی مٹھائیوں کی تعریف میں بورڈ لکھتے جس میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ اس جدّت دازی سے کام اچھا چل نکلا۔

تلاش و جستجو آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا کئی کام کیے اور ہر کام کو کرتے ہوئے

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

مدنظر رہا۔ بظاہر معمولی کئی ایک کام کئے مگر ان کی تہہ میں جا کر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ روپیہ ان پر عاشق تھا۔ اس قدر معمولی کاموں سے تقسیم ملک کے وقت تک وہ کم وبیش دو لاکھ روپے کی جائیداد کے مالک تھے۔

(۱) ملائی برف بیچنے اور بنانے کا کام (۲) حلوائی کا کام (۳) سوڈا واٹر بھرنے کا کام (۴) کھٹی میٹھی گولیاں بنانے کا کام (۵) معمار کا کام (۶) رنگ سازی کا کام (۷) ٹوپیاں بنانا (۸) کھالوں کا رنگنا اور سکھانا (۹) جلد سازی (۱۰) ٹین سازی (۱۱) عطاری (۱۲) کباڑی کا کام

اتنے کام کرنے کا تو مجھے علم ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ اس سے کچھ زیادہ ہی جانتے ہوں گے۔ ایک بزرگ نے ان کی طبیعت کا ایک خاص رنگ نمایاں کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ٹہلتے پھرتے بھی سوچ میں ڈوبے رہتے تھے۔ ایک روز سیر سے واپسی پر کہا کہ ایک چونی پڑی ہے تین روز ہوگئے ہیں کسی نے اٹھائی نہیں۔ ساتھی دوست نے کہا کہ کوئی نہیں اٹھاتا تو آپ ہی اُٹھالیں کہا بہت اچھا۔ اور وہ چونی اٹھالی یہ چونی کیا تھی لوہے کی کڑاہی کا ایک ٹوٹا ہوا کنڈا تھا۔ اشیا کا نیلام کرنے

میں بھی انہیں خاص مہارت تھی۔ جو چیز عام آدمی کسی ریٹ پر فروخت کر سکتا۔ آپ اس سے ڈیڑھ گنا میں فروخت کرنے کا ذمہ لے لیتے۔ آپ بڑے ذہین تھے۔ حاضر جواب تھے۔ بات کا جواب برجستہ دیتے اور جواب طنز اور مزاح کا امتزاج ہوتا۔

۱۹۴۷ء آزادی کا سال اپنے ساتھ بہت سے مسائل لے کر آیا تھا۔ بارشیں بڑی بہتات سے ہوئیں اور مالکان کے پریشان خاطر ہونے کے باعث مکان مرمت سے محروم رہے۔ اور جو جس جگہ سے گرنا شروع ہوا کسی نے اس کو نہیں سنبھالا۔ ۱۹۴۸ء میں امن اور استحکام کی فضا پیدا ہوئی تو ان امور پر توجہ پیدا ہوئی۔ وہ ایریا جو اس وقت درویشان کے قبضہ میں ہے۔ اکثر مکانات قابل مرمت ہو چکے تھے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جائزہ لیا گیا تو ہمارے پاس ٹرینڈ معمار دو۔ اتنے بڑے کام کی تکمیل کے لئے یہ ناکافی تھے۔ لہذا مزید افراد کے اس میدان میں نکلنے کی وقتی اہم ضرورت تھی۔ مکرم عبدالرحیم صاحب دیانت تھوڑا بہت کام جانتے تھے وہ آگے بڑھ کر کام میں جٹ گئے۔ اور ان کی ہمت سے کچھ اور نوجوان بھی آگے بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے معماری کا کام سیکھ کر آٹھ مستری ٹرینڈ ہوگئے۔ اور یہ کام بخوبی چل نکلا۔ ۱۹۶۶ء تک آپ بڑی ہمت سے معماری کا کام سلسلہ کی عمارات پر کرتے رہے۔ پھر عمر کے تقاضا سے معذرت کر دی۔ اس کے بعد دفتر زائرین میں خدمت بجا لاتے رہے۔

۱۹۷۰ء میں لوکل انجمن احمدیہ کے انتخاب میں آپ سیکرٹری تبلیغ و تربیت مقرر ہوئے اور آخر تک آپ اس عہدہ پر منتخب ہوتے رہے۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں آپ عزیزوں سے ملاقات کرنے کے لئے پاکستان گئے ہوئے تھے۔ جلسہ سالانہ سے چند یوم قبل قادیان واپس آگئے۔ دوست احباب نے پوچھا کہ ربوہ میں جلسہ بالکل قریب تھا۔ آپ کے ویزا میں وہاں جلسہ دیکھ لینے کی گنجائش بھی موجود تھی۔ آپ

نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تو کہا کہ قادیان کا جلسہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہا۔
جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء پر قادیان میں اپنی دوکان پر کتابوں اور ٹوپیوں کی باقاعدہ
شوروم لگا کر سیل کرتے رہے۔ جلسہ سالانہ گزرنے کے بعد علالت کا دَور شروع
ہوا۔ اوّل منہ میں زخم پیدا ہوئے۔ خود اور پھر مقامی ڈاکٹروں سے اس کا علاج
کرواتے رہے۔ مگر حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی۔ اپریل میں دائیں جانب
آخری پسلی کے مقام پر سخت درد بھی ہونے لگا۔ اس کا بھی بڑی توجہ اور کوشش سے
علاج ہوتا رہا۔ مگر جب بدل ماتجلل میسّر نہ آئے تو جسم کی تسخیر شروع ہو جاتی ہے۔
کمزوری بڑھنا شروع ہوئی۔ زیادہ صورتِ حال نازک ہونے پر امرتسر گکٹر ہسپتال
سے رجوع کیا گیا۔ کئی قسم کے ٹِسٹ ہو کر ''ملٹی پل یلوما'' بیماری تجویز ہوئی۔ اس
کے لئے مخصوص قسم کی ادویہ کی ضرورت تھی جو یہاں میسّر نہ تھیں۔ آپ کے
عزیزوں نے جو امریکہ میں مقیم تھے کوشش کر کے دوائی فراہم کی۔ کچھ افاقہ ہوا۔
سفر کے قابل ہوئے تو آپ کے فرزندان اپنے ہمراہ پاکستان لے گئے تاکہ وہاں
انہیں زیادہ بہتر رنگ میں خدمت کا موقعہ مل سکے۔ اور دیگر اقرباء کو دیکھ کر ان کی
طبیعت بھی بیماری کا مؤثر رنگ میں مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ اور ایسا ہوا
بھی۔ مگر پھر اچانک حالت بگڑنا شروع ہوئی۔ اور آخر لاہور میں ۲ فروری ۱۹۸۰ء
کو آپ کی روح اس مقام کی طرف پرواز کر گئی جہاں کوئی غم نہیں ہے۔ آپ
تیسرے خوش نصیب درویش ہیں جن کی وفات بیرونِ ہند ہوئی مگر ان کی نعش کو
قادیان لانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں یادگار ہیں۔ سب ہی خداتعالیٰ کے فضل سے خادمِ دین
ہیں۔ تبلیغ کا آپ کو بڑا شوق تھا اور یہ جذبہ آپ کی اولاد میں بھی ورثہ میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ
کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور آپ کی اولاد کو اپنے فضلوں سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

مستری محمد حسین صاحب

۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء کو بعد دوپہر میں اپنے مطب واقع احمدیہ چوک میں کھڑا
باقی وقت کے لئے کوئی کام سوچ رہا تھا کہ میرے دروازہ پر آ کر ایک کار رُکی۔ میں
نے جلدی سے باہر آ کر دیکھا تو کار میں بیٹھی خاتون گویا ہوئیں آپ کے دوست کا
جنازہ لے آئی ہوں۔ یہ آواز اہلیہ محترمہ مستری محمد حسین صاحب کی تھی۔ چند روز
قبل مستری صاحب مع اہلیہ اپنے بچوں اور عزیزوں کو ملنے پاکستان گئے تھے۔ اور
آج ان کی اہلیہ اپنے خاوند کا جنازہ لئے میرے دروازہ پر موجود تھیں۔ اِس قدر
پیارے دوست کا جنازہ سامنے پا کر کچھ سوال کرنے کی سکت نہ رہی۔ میں نے کار
ڈرائیور کو گاڑی لنگر خانہ تک لے جانے کے لئے کہا اور خود بھی ساتھ ہولیا۔ لنگر خانہ
میں جنازہ والا صندوق اتارا گیا۔ اور گاڑی مکرم مستری محمد حسین صاحب مرحوم
کے مکان تک لے جائی گئی۔ تا ان کی اہلیہ صاحبہ اپنا گھریلو سامان وہاں اتار لیں۔
اور بچوں کو ان کے والد کی وفات کے حادثہ سے خبر دیں۔ بچے اپنے پیارے باپ
کی اطلاع پاتے ہی فوراً جنازہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور میں واپس آ کر اپنے مطب
میں بیٹھ کر ماضی کے دھندلکوں میں یادوں کے خزانے کو پھولنے لگا۔

۱۹۴۳ء مئی کا مہینہ تھا۔ گرمیوں کا حسین دن چمک رہا تھا۔ دس بجے قبل دوپہر
کا عمل ہوگا مکرم محمد اسماعیل صاحب صدیق جنرل مینیجر میک ورکس قادیان نے مجھے
بُلایا اور کہا میرا سائیکل لیں اور جا کر لنگر خانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے جانب جنوب گلی میں مستری محمد حسین صاحب کا گھر ہے اُن کو

نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تو کہا کہ قادیان کا جلسہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہا۔
جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء پر قادیان میں اپنی دوکان پر کتابوں اور ٹوپیوں کی باقاعدہ
شوروم لگا کر سیل کرتے رہے۔ جلسہ سالانہ گزرنے کے بعد علالت کا دَور شروع
ہوا۔ اوّل منہ میں زخم پیدا ہوئے۔ خود اور پھر مقامی ڈاکٹروں سے اس کا علاج
کرواتے رہے۔ مگر حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی۔ اپریل میں دائیں جانب
آخری پسلی کے مقام پر سخت درد بھی ہونے لگا۔ اس کا بھی بڑی توجہ اور کوشش سے
علاج ہوتا رہا۔ مگر جب بدل ما تحلل میسّر نہ آئے تو جسم کی تسخیر شروع ہو جاتی ہے۔
کمزوری بڑھنا شروع ہوئی۔ زیادہ صورتِ حال نازک ہونے پر امرتسر ککڑ ہسپتال
سے رجوع کیا گیا۔ کئی قسم کے ٹِسٹ ہو کر ''ملٹی پل یلوما'' بیماری تجویز ہوئی۔ اس
کے لئے مخصوص قسم کی ادویہ کی ضرورت تھی جو یہاں میسّر نہ تھیں۔ آپ کے
عزیزوں نے جو امریکہ میں مقیم تھے کوشش کر کے دوائی فراہم کی۔ کچھ افاقہ ہوا۔
سفر کے قابل ہوئے تو آپ کے فرزندان اپنے ہمراہ پاکستان لے گئے تاکہ وہاں
انہیں زیادہ بہتر رنگ میں خدمت کا موقعہ مل سکے۔ اور دیگر اقرباء کو دیکھ کر ان کی
طبیعت بھی بیماری کا مؤثر رنگ میں مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ اور ایسا ہوا
بھی۔ مگر پھر اچانک حالت بگڑنا شروع ہوئی۔ اور آخر لاہور میں ۲ فروری ۱۹۸۰ء
کو آپ کی روح اس مقام کی طرف پرواز کر گئی جہاں کوئی غم نہیں ہے۔ آپ
تیسرے خوش نصیب درویش ہیں جن کی وفات بیرونِ ہند ہوئی مگر ان کی نعش کو
قادیان لانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں یادگار ہیں۔ سب ہی خدا تعالیٰ کے فضل سے خادمِ دین
ہیں۔ تبلیغ کا آپ کو بڑا شوق تھا اور یہ جذبہ آپ کی اولاد میں بھی ورثہ میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ
کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور آپ کی اولاد کو اپنے فضلوں سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

مستری محمد حسین صاحب

۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء کو بعد دوپہر میں اپنے مطب واقع احمدیہ چوک میں کھڑا
باقی وقت کے لئے کوئی کام سوچ رہا تھا کہ میرے دروازہ پر آ کر ایک کار رُکی۔ میں
نے جلدی سے باہر آ کر دیکھا تو کار میں بیٹھی خاتون گویا ہوئیں آپ کے دوست کا
جنازہ لے آئی ہوں۔ یہ آواز اہلیہ محترمہ مستری محمد حسین صاحب کی تھی۔ چند روز
قبل مستری صاحب مع اہلیہ اپنے بچوں اور عزیزوں کو ملنے پاکستان گئے تھے۔ اور
آج ان کی اہلیہ اپنے خاوند کا جنازہ لئے میرے دروازہ پر موجود تھیں۔ اِس قدر
پیارے دوست کا جنازہ سامنے پا کر کچھ سوال کرنے کی سکت نہ رہی۔ میں نے کار
ڈرائیور کو گاڑی لنگر خانہ تک لے جانے کے لئے کہا اور خود بھی ساتھ ہو لیا۔ لنگر خانہ
میں جنازہ والا صندوق اتارا گیا۔ اور گاڑی مکرم مستری محمد حسین صاحب مرحوم
کے مکان تک لے جائی گئی۔ تا ان کی اہلیہ صاحبہ اپنا گھریلو سامان وہاں اتار لیں۔
اور بچوں کو ان کے والد کی وفات کے حادثہ سے خبر دیں۔ بچے اپنے پیارے باپ
کی اطلاع پاتے ہی فوراً جنازہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور میں واپس آ کر اپنے مطب
میں بیٹھ کر ماضی کے دھندلکوں میں یادوں کے خزانے کو پھولنے لگا۔

۱۹۴۳ء مئی کا مہینہ تھا۔ گرمیوں کا حسین دن چمک رہا تھا۔ دس بجے قبل دوپہر
کا عمل ہو گا مکرم محمد اسماعیل صاحب صدیق جنرل مینیجر میک ورکس قادیان نے مجھے
بُلایا اور کہا میرا سائیکل لیں اور جا کر لنگر خانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے جانب جنوب گلی میں مستری محمد حسین صاحب کا گھر ہے اُن کو

بلالائیں۔ میں گیا مکرم لال دین صاحب زرگر اور مفتی نظور احمد صاحب کے گھروں کے درمیان ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ میں کھڑا ہو کر دروازہ کھٹکھٹانے ہی والا تھا کہ اندر سے ایک نوجوان باہر نکلا۔ شلوار قمیض پہنے ہوئے سر پر سُرخ رومی ٹوپی کندھے پر تولیہ۔ ہاتھ میں تھیلہ لئے ہوئے۔ میں نے بعد سلام مسنون کے پوچھا کہ کیا آپ ہی مستری محمد حسین صاحب ہیں۔ جواب اثبات میں ملا۔ یہ میری مستری صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ میں نے مستری صاحب کو مکرم محمد اسماعیل صاحب صدیق کا پیغام دیا۔ مستری صاحب نے کہا میں گھر میں سبزی لانے کے لئے چلا ہوں۔ آپ چلیں میں تھوڑی دیر تک حاضر ہوتا ہوں۔ میں چلا آیا۔ اور مستری صاحب بھی کچھ دیر بعد وہاں پہنچ گئے۔

دوسری عالمگیر جنگ بڑے زور سے جاری تھی اور ان دنوں ایک ٹھیکہ میک ورکس نے گورنمنٹ سے حاصل کیا تھا۔ یہ ٹھیکہ تھا کمپاس بنانے کا۔ کمپاس ایک گھڑی کی طرح کا آلہ ہوتا ہے جس کا ڈائل قطب نما نیڈل پر فٹ ہوتا ہے۔ اور ڈائل پر ۳۶۰ ڈگریاں بنی ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ عالمی نقشہ ہوتا ہے۔ ہوائی جہازوں کو اڑان کے دوران ہر لحمہ اس سے پتہ چلتا رہتا ہے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔ اور ہماری منزل کتنی دور اور کس سمت میں ہے۔

چونکہ قطب نما نیڈل ہر وقت کانپتی رہتی ہے اور اس سے نقشہ میں ڈگری کی تعین میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ماہرین نے یہ تجویز کیا تھا کہ کمپاس کی نیڈل ڈائل وغیرہ کو شیشے کے ایک ایسے خول میں بند کیا جائے جس میں ڈسٹلڈ واٹر (آب مقطر) اور گلیسرین کا آمیزہ بھرا رہے۔ اور اس آمیزہ میں ڈائل کی حرکت کنٹرول رہے۔ کوئی بھی آمیزہ جب کسی خول میں بھرا جاتا ہے تو اس میں تھوڑی سی ہوا باقی رکھنا ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر مائع چیز موسم کے اثر سے سکڑتی اور پھیلتی

ہے۔ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے برتن مذکور جس میں آمیزہ بھرا ہو پھٹ سکتا ہے۔ اب جس خول میں ڈسٹلڈ واٹر کا آمیزہ بھر کر ڈائل رکھا جاتا ہے۔ اس کو ہوا کا بُلبلا ایک طرف کو جھکا دیتا تھا۔ اور اس وجہ سے ڈگری غلط ہو جاتی تھی۔ (چونکہ ہندوستان میں کمپاس بنانے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ بڑی دشواریاں سامنے آئیں) لہذا اس بُلبلہ کو ایک جگہ قید کرنے کی خاطر اس خول کے اندر ایک جنگلا بنایا جاتا تھا۔ اس کا نام ببَل ٹریپ تھا۔ اس کو ایک اعلیٰ درجہ کے ٹھیک ٹانکہ سے جوڑا جاتا تھا۔ اس غرض کے لئے درگا داس دینا ناتھ گورداس سنگھ وغیرہ افراد جو زرگر برادری میں سے ہی تھے۔ بُلا کر ٹسٹ لیا گیا تھا۔ اس ٹسٹ کی غرض سے مستری محمد حسین صاحب کو اس روز بلایا گیا تھا۔ مستری صاحب اس ٹسٹ میں کامیاب رہے۔ اور انہیں ملازم رکھ لیا گیا۔ چونکہ میرا تعلق بھی کمپاس کے ڈائل کی فِلنگ سے اور لِڈ ونڈ وگلاس کی تیاری سے تھا۔ مستری صاحب سے روابط بڑھتے چلے گئے جو آخر گہری دوستی میں تبدیل ہو گئے۔

مستری صاحب کے والد بزرگوار محمد قاسم صاحب زرگر موضع بیگوال ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ مستری صاحب کی پیدائش بھی موضع بیگوال میں ہی ہوئی۔ والد کا سایہ بچپن سے ہی سر سے اُٹھ گیا تھا۔ تھوڑی ہوش سنبھالی تو آپ اپنے بڑے بھائی غلام محمد صاحب زرگر کے ساتھ اپنی دوکان پر بیٹھنے لگے۔ اس طرح آپ نے زرگری کا اپنا آبائی کام تھوڑے ہی عرصہ میں حاصل کر لیا۔ مگر آپ کی طبیعت اس کام کو پسند نہیں کرتی تھی۔ آپ سمبڑیال میں ایک آٹا چکی پر جو انجن سے چلتی تھی کام کرنے لگے اور چونکہ اس کام کی طرف آپ کا طبعی رجحان تھا۔ آپ نے جلد ہی اس کام پر عبور حاصل کر لیا۔ ابھی آپ کی عمر ۱۵-۱۶ سال کی ہی تھی کہ تین نوجوانوں نے ارادہ کیا کہ ہم کانپور چلے جائیں۔ کانپور ایک بڑی تجارتی اور

صنعتی مرکز ہے۔ وہاں کام سیکھنے کا موقع بھی ملے گا اور کمانے کا بھی۔ یہ تینوں کانپور چلے گئے۔ وہاں جا کر الگ الگ کارخانوں میں ان کو ملازمت مل گئی۔ ایک کمرہ کرایہ پر حاصل کر کے وہاں رات گذارنے کا انتظام کرلیا۔ ایک ماہ بعد ایک ساتھی ملیریا سے سخت بیمار ہوگیا۔ ان دونوں نے مل کر اس کا کرایہ ادا کر کے اس کو واپس بھجوا دیا۔ مستری صاحب کا دوسرا ساتھی ایک کارخانہ میں خراد کا کام سیکھتا رہا۔ مستری صاحب خود ''لنڈن مشینری لمیٹڈ'' والوں کے ہاں آئیل انجن کو اسمبل کرنے پر ملازم ہوئے۔ اور انجن کے کام میں بہت جلد دستگاہ حاصل کرلی۔ اب جس جگہ انجن فروخت ہوتا کمپنی کی طرف سے آپ وہاں انجن فٹ کر کے چالو کرنے کے لئے جایا کرتے۔ اس طرح یوپی کے بہت سے اضلاع میں آپ کی واقفیت کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ دس سال بعد آپ یوپی سے واپس آئے۔ تو اپنی والدہ کی خواہش پر آپ یہاں قریب ہی پنجاب میں کام کریں۔ آپ نے کچھ عرصہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں ایک آئیل اینڈ فلور مل میں کام کیا۔ پھر لاہور آ کر چوک دال گراں میں ایک برف خانہ کو چلانے کی ڈیوٹی دیتے رہے۔ چند سال یہاں گذارنے کے بعد پھر آپ کانپور یوپی چلے گئے۔ چونکہ ان کی واقفیت کا حلقہ وسیع تھا جاتے ہی کام مِل گیا۔ پانچ چھ سال کام کر کے اچھی دولت کمائی اور پھر پنجاب واپس آئے۔ اس اثناء میں آپ کے بڑے بھائی غلام محمد صاحب زرگر اور والدہ بیگوال سے قادیان آچکے ہوئے تھے۔ آپ قادیان آئے اور یہاں والدہ اور بڑے بھائی کی تجویز پر آپ کی شادی لال دین صاحب زرگر کی دختر سے ہوگئی جس کے بطن سے آپ کا بڑا لڑکا لطیف احمد خالد ہے۔ (جو آج کل فیصل آباد پاکستان میں ہے)

مئی ۱۹۴۳ء سے لے کر مئی ۱۹۴۵ء تک آپ نے میک ورکس میں کام کیا۔ میک ورکس میں اچھے سے اچھے کاریگر کو ۶۰ روپے ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔ جنگ کی

وجہ سے روز بروز اشیاء صرف کی قیمتیں بڑھ رہی تھیں۔ اس لئے کئی ایک کاریگروں نے میک ورکس کی ملازمت ترک کر کے اپنے کام شروع کر لیئے۔ مکرم مستری محمد حسین صاحب بھی پھر ایک مرتبہ یوپی روانہ ہوگئے اور پھر ۱۹۴۷ء کے شروع میں قادیان لوٹ کر آئے۔

یوپی سے واپس آکر دوستوں سے ملے اور قادیان میں ہی کوئی کام جاری کرنے کے مشورے کرنے لگے۔ اِدھر ملکی حالات روز بروز خراب ہوتے چلے گئے۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں قادیان میں ریل کی آمد و رفت بھی رُک گئی۔ اس لئے مستری صاحب کوئی کام جاری نہ کر سکے۔ اور قادیان میں حفاظت مرکز کی خاطر اپنی خدمات پیش کردیں۔ جون ۱۹۴۷ء سے ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ ایسا ہولناک فسادات کا عرصہ ہے کہ جس کی تفصیل کماحقہٗ بیان نہیں کی جاسکتی۔ جتنے انسان اتنی ہی کہانیاں ہیں۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قادیان کے تمام محلّہ جات خالی ہو کر آبادی دو مقامات پر اکٹھی ہوگئی تھی۔ ایک حصہ بورڈنگ تحریک جدید میں اور اس کے نواح میں خالی گراؤنڈ میں تھا (آج کل بورڈنگ تحریک جدید میں کلاسوالہ خالصہ ہائی سکول ہے) اور دوسرا حصہ مسجد مبارک و مسجد اقصیٰ و مسجد فضل و ناصر آباد اور باب الانوار میں۔ (موجودہ احمدیہ ایریا) جمع ہوگیا تھا۔

ٹرکوں اور بسوں کے ذریعہ پہلے عورتوں بچوں اور معذور افراد کو پاکستان بھجوائے جانے کا عمل جاری رہا۔ جب صورت حال ایسی ہوگئی کہ اب دو مقام پر افراد کو رکھ کر حفاظت کرنا مشکل ہو جائے گا تو بورڈنگ تحریک جدید میں مقیم افراد کو اندرون شہر (موجودہ احمدیہ ایریا) میں چلے آنے کی ہدایت ہوئی۔

بورڈنگ تحریک جدید سے شہر آنے کے لئے یہ طے ہوا کہ بورڈنگ میں موجود سامان دیگیں وغیرہ ساتھ لے کر ایک پروگرام کے مطابق چلیں۔ فوج

رستہ میں پہرہ دے رہی ہے۔ لہذا میں نے اور میرے والد صاحب نے ایک دیگ میں اپنے ذاتی پارچات جو پاس تھے رکھے۔ والد صاحب حقہ پیتے تھے وہ بھی دیگ میں رکھا اور ایک بانس کے ساتھ دیگ باندھ کر ہم دونوں نے بانس کندھوں پر رکھا اور چلے آئے۔ احمدیہ ایریا میں آکر دیگ لنگر خانہ میں جمع کرائی۔ ہمیں رہنے کے لئے مکرم شیخ محمد نصیب صاحب والا مکان ملا۔ بعد دوپہر ہم بورڈنگ سے اندرون ایریا میں آئے تھے۔ آج شام کو پورے ایک ماہ پانچ دن بعد لنگر سے دال روٹی کھائی۔ ایک ماہ پانچ یوم تک ہم بھنی ہوئی اور اُبلی ہوئی گندم کھاتے رہے تھے۔ اگلے روز مستری محمد حُسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی ڈیوٹی ان دنوں سید سردار حُسین صاحب والے مکان میں تھی۔

۱۹۴۹ء کے آخر تک درویشوں کا ایک ہی معمول زندگی تھا۔ صبح فجر کی نماز سے فارغ ہوکر بہشتی مقبرہ میں دُعا کرنا۔ واپس آکر صبح کا ناشتہ جو لنگر خانہ کی ایک روٹی اور دال پر مشتمل ہوتا تھا۔ ناشتہ کے بعد وقارِ عمل جو اوّل ایام میں بہشتی مقبرہ کے گرد چاردیواری کی تعمیر ہوتا تھا۔ پھر ساتھ ساتھ قابل مرمت مکانات کی مرمت بھی ہونے لگی۔ لنگر خانہ کا آٹا پسوانا ایندھن پھاڑنا وغیرہ۔ مساجد کی صفائی سب وقارِ عمل سے ہی ہوتا تھا۔ پھر ظہر سے قبل دوپہر کا کھانا۔ ظہر وعصر کے درمیان آرام اور عصر کے بعد قرآن کریم پڑھنے کی کلاسز۔ کلاسوں کے بعد کھیل، مغرب کی نماز کے بعد رات کا کھانا۔ عشاء کے بعد ذاتی مطالعہ اور سحری کو باجماعت نماز تہجد۔ ان سب امور کے ساتھ ساتھ باری باری پورے احمدیہ ایریا کا پہرہ بھی دن رات جاری رہتا۔ ۱۹۴۹ء کے جلسہ سالانہ پر سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ صدر انجمن احمدیہ کو اپنے دفاتر کی تنظیم نو کر کے ہندوستان کی جماعتوں کو منظم کرنا چاہیئے اور مرکز قادیان کو فعال مرکز

بنانا چاہیئے۔ ۱۹۵۰ء میں جہاں صدر انجمن احمدیہ نے اپنے دفاتر کو منظم کیا۔ وہاں افراد بھی اپنے لئے پروگرام مرتب کرنے لگے۔ کیونکہ تبادلہ کا عمل جاری نہ رہ سکا تھا۔ اور جو افراد یہاں مقیم رہ گئے تھے۔ انہیں ہی ایک بیج کے طور پر بڑھنا تھا۔ ان ایام میں حضور انور کے طرف سے تحریک پر چند خاندان ہندوستان کے دیگر صوبوں سے ہجرت کر کے قادیان میں آگئے تھے۔ مستری محمد حسین صاحب نے ۱۹۵۰ء میں قینچیاں بنانے کا کام شروع کیا تھا۔ معمولی طور پر کام چل پڑا تھا۔ اور ان کی بنی ہوئی قینچیاں مقبول ہو رہی تھیں۔ مگر یہ ابھی ابتدائی حالت تھی۔

حضور انور کی طرف سے درویشوں کو جو مجرد تھے شادیاں کر لینے کی اور جن کی بیویاں تقسیم ملک کے وقت پاکستان کے علاقہ میں آگئی تھیں اپنے بیوی بچوں کو قادیان بلوا لینے کی ہدایت ہو چکی تھی۔ مستری محمد حسین صاحب کی اہلیہ اول وفات پا چکی تھیں۔ اس لئے مستری صاحب بھی شادی کے لئے ضرورت مند تھے۔ ہندوستان سے آئے چند خاندانوں میں کچھ بچیاں قابل شادی تھیں۔ چنانچہ شعبہ رشتہ ناطہ کی کوشش سے مکرم مستری محمد حسین صاحب کی شادی مکرم منشی عبدالرحیم صاحب فانی کی بیٹی ہاجرہ بیگم صاحبہ سے ہوگئی۔ شادی کے بعد مکرم مستری صاحب نے ایک سال کے قریب قادیان میں گذارا مگر یہاں ذریعہ آمد اس قدر کافی نہ تھا کہ بیوی بچے کا بوجھ بھی سہارے سکتے ابھی تک درویشان حلقہ مسجد مبارک واقصیٰ کو گذارہ دینے کی کوئی سہولت صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے منظور نہیں ہوئی تھی۔ مستری صاحب اجازت لے کر پھر یوپی روانہ ہوگئے۔ جہاں وہ اپنا گزارہ بھی چلاتے اور گھر میں بھی خرچ بھجواتے۔ دوسال بعد آپ قادیان آئے تو پھر اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے اور لگ بھگ چار سال تک یوپی میں کاروبار کرتے رہے۔

۱۹۵۳ء میں مکرم مرزا ظہیر الدین منور احمد صاحب نے اٹاوہ میں شادی کی تو

خاکسار کو بھی وہاں بلوایا۔ ان دنوں مستری صاحب کانپور میں لاٹوش روڈ میں ایک فرم میں کام کرتے تھے۔ میں اٹاوہ سے مرزا صاحب کی شادی سے فارغ ہو کر مستری صاحب سے ملنے کانپور گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مستری صاحب ان دنوں ریاست چرخاری میں وہاں کے راجہ صاحب محل میں ایک جنریٹر چلانے کے لئے انجن فٹ کرنے گئے ہوئے ہیں۔ اس کام پر کم وبیش دو ماہ لگ جائیں گے۔ میں ایک روز مکرم حاجی سیٹھ محمد ابراہیم صاحب کے ہاں قیام کر کے واپس چلا آیا۔

مستری صاحب کا دل قادیان میں لٹکا رہتا تھا۔ گو وہ کئی مرتبہ بغرض کاروبار یوپی گئے۔ مگر جونہی انہیں اُمید بندھتی کہ اب قادیان میں قدم جم جائیں گے وہ یوپی کو خیرآباد کہہ کر قادیان چلے آتے۔ ۱۹۵۷ء میں آپ یوپی سے قادیان آئے تو آپ خاصی رقم کما کر آئے تھے۔ یہاں آکر آپ نے کچے چمڑے کی خرید وفروخت کا کام شروع کیا۔ قریب ایک سال تک آپ اس کاروبار میں کوشاں رہے۔ مگر اس میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہو پائے۔ ۱۹۵۸ء میں اس کام کو ترک کر دیا۔

ستمبر ۱۹۵۸ء کو مستری صاحب نے پھر یوپی جانے کا ارادہ کیا۔ یوپی جا کر آپ نے موضع لکھیم پور کھیری میں ایک آٹا چکی اور تیل نکالنے کے کارخانہ کا ٹھیکہ لیا۔ یہاں پر آپ کو اچھی کامیابی ملی اور آپ پھر حسب سابق پانچویں سال قادیان چلے آئے۔ آپ کی روزی اللہ تعالیٰ نے آٹا چکی کے کاروبار میں مقرر فرما رکھی تھی۔ اس مرتبہ آپ نے اسی کام میں ہاتھ ڈالا۔ موضع بسرائے میں پنچایت کی چکی اور تھریشر مشین آپ نے ٹھیکہ پر حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں برکت دی۔ اور آپ خوب کامیاب ہوئے۔ تین سال تک آپ نے بسرائے والی چکی ٹھیکہ پر چلا کر قادیان میں چکی لگانے کا ارادہ کر لیا۔

غازی آباد دہلی سے خود پاس بیٹھ کر آئیل انجن تیار کروا کر لائے۔ احمدیہ جلسہ گاہ کے مشرقی جانب صدر انجمن احمدیہ سے جگہ کرایہ پر لے کر نصب کیا اور چکی آٹا (وارٹیکل چکی) شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں برکت دی اور ساتھ تیل اور چاول نکالنے کی مشین بھی لگائی۔ بعد میں انجن فروخت کر کے بجلی کی موٹر نصب کی۔ اور تاحیات اسی کاروبار سے باعزت گذارہ چلاتے رہے اور اب آپ کے بیٹے محمد احسن صاحب اس کام کو چلا رہے ہیں۔

جون ۱۹۸۶ء میں مستری صاحب مع اہلیہ پاکستان میں اپنے بچوں اور دیگر رشتہ داروں سے ملنے گئے۔ لاہور، ربوہ اور سیالکوٹ کے رشتہ داروں کی ملاقات کے بعد آپ کراچی میں اپنے چند عزیزوں سے ملاقات کی غرض سے بذریعہ ریل سفر کر رہے تھے۔ مؤرخہ ۲۴ جولائی ۱۹۸۶ء سیالکوٹ سے روانہ ہو کر ۲۸ جولائی ۱۹۸۶ء کو ڈیڑھ بجے دوپہر آپ حیدرآباد سندھ کے ریلوے سٹیشن پہنچے۔ آپ پانی پینے اور دیگر ضروریات کے لئے پلیٹ فارم پر اُترے۔ گاڑی چلنے والی تھی کہ ایک مسافر نے آپ کو کہا کہ بھائی صاحب مجھے بھی پانی لا دیں۔ آپ نے ان کا برتن لیا اور سامنے نل سے پانی لا کر اس مسافر کو دے دیا۔ اس اثناء میں گاڑی معمولی حرکت کر چکی تھی۔ آپ نے گاڑی کے دروازہ کا ہینڈل پکڑ کر اوپر چڑھنا چاہا مگر پاؤں پھسل گیا اور آپ اس طور پر گرے کہ آپ کا دھڑ پلیٹ فارم پر اور ٹانگیں گاڑی کی طرف نیچے لٹک گئیں۔ پچھلے ڈبہ کے پائیدان کے ساتھ آپ کی ٹانگیں کٹ گئیں۔ ریل ٹھہر گئی۔ آپ کو لوگوں نے پکڑ کر ریلوے حکام کے سپرد کیا۔ آپ ہوش میں تھے۔ آپ نے کہا کہ میری اہلیہ ریل میں سفر کر رہی ہیں اُن کو اتار لیا جائے۔ لہٰذا آپ کی اہلیہ کو بھی ریل سے اُتار لیا گیا۔ مقامی ہسپتال میں مستری صاحب کی جان بچانے کی کوشش ہوتی رہی۔ خون زیادہ نکل چکا تھا۔ حیدرآباد کے

احمدی احباب بھی پہنچ گئے اور اُنھوں نے بھی علاج میں ہر ممکن مدد دی۔ پر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور آپ نے شام پانچ بجے جان شیریں جان آفرین کے سپرد کردی۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

آپ کی اہلیہ صاحبہ آپ کا جنازہ لے کر قادیان پہنچیں۔ اور مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۸۶ء کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مکرم مستری محمد حسین صاحب مرحوم کی پہلی بیوی سے پانچ بچے پیدا ہوئے جن میں سے ایک لطیف احمد خالد حین حیات ہیں۔ پانچویں کی پیدائش کے موقعہ پر بخار ہوکر وفات پا گئیں۔ اہلیہ ثانی میں سے آپ کے پانچ بچے اور پانچ لڑکیاں آپ کی یادگار رہیں۔

انجمن احمدیہ کے تحت الیکٹریشن کی خدمت بجالاتے رہے۔ مسجد مبارک کے آہنی دیوار کی مرمت بھی متعدد مرتبہ آپ نے کی۔ اپنی چکی آٹا کے کاروبار کے ساتھ ساتھ دارالمسیح کی گھڑی کی دیکھ بھال اور ہفتہ وار چابی دینے کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔

مستر محمد حسین صاحب مرحوم نے ۱۴ جولائی ۱۹۸۶ء و ۱۵ جولائی ۱۹۸۶ء کی درمیانی رات کو خواب دیکھا کہ:-

''ایک مکان میں جانا ہے۔ رستہ میں ڈبے بھونڈ لگے ہوئے ہیں۔ یہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ادھر سے نکل کر جانا مشکل ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ عبدالرشید صاحب نیاز بھی وہاں آ گئے ہیں۔ میں مکرم نیاز صاجب سے کہتا ہوں کہ ان پر مٹی کا تیل ڈالو تب یہ مریں گے۔ اور رستہ صاف ہوجائے گا۔ نیاز صاحب نے کہا کہ مٹی کا تیل میں لے آیا ہوں۔ وہ مٹی کا تیل ان کے اُوپر ڈال رہے

ہیں۔ ان میں سے بہت سے بھونڈ مر گئے۔ میں نیاز صاحب سے کہتا ہوں رستہ صاف ہوگیا۔ میں جاتا ہوں تب میری آنکھ کُھل گئی۔''

مستری صاحب کی اس خواب کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کا سلوک ہوا۔ مکرم مستری صاحب کی وفات بھی قادیان سے باہر ہوئی اور کئی ایک مشکلات کے باوجود آپ کا جنازہ قادیان پہنچ کر بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اور مکرم عبدالرشید صاحب نیاز کی وفات بھی قادیان سے باہر ہوئی۔ اور کئی ایک مشکلات کے باوجود آپ کا جنازہ بھی قادیان لایا گیا۔ اور مستری صاحب سے ۱۷ روز بعد آپ کی تدفین بھی بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔

مستری صاحب میرے بڑے اچھے دوست تھے۔ اور جب سے کہ ابتدائی طور پر ملاقات سے تعلقات شروع ہوئے تادمِ آخر اس میں بال نہیں آیا۔ بلکہ مضبوط ہوتے چلے گئے۔ مستری صاحب سے اگر کوئی پوچھتا کہ آپ کی عامل صاحب سے کب کی دوستی ہے تو آپ کہتے

''ساڈیاں اودوں دیاں لگیاں جدوں کُن فرمایا''

گو ہماری دوستی اس وقت سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری پیدائش کے لئے ''کُن'' کا حکم صادر فرمایا۔

میں نے مضمون کو لمبا ہونے سے بچانے کے لئے بہت سے واقعات چھوڑ دیئے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مستری صاحب کو اعلیٰ عِلّیین میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قُرب میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

خواجہ دین محمد صاحب

سفید گورا کسرتی جسم۔ قد اوسط درجہ کا وجود محنت سے کمایا ہوا چال پہلوانوں جیسی۔ آپ نسلاً کشمیری تھے۔ آپ کے آباء میں سے کوئی بزرگ کشمیر سے آ کر پنجاب میں بس گئے۔ اور پنجاب کی دھرتی کی محبت ایسی دِل میں سمائی کہ پھر وطن جانے کا خیال نہیں آیا۔ اور نسلاً بعد نسل پنجاب میں رہتے ہوئے یہ بھی بھول گیا کہ ان کے بزرگ جنت ارضی کے کس مقام سے اُٹھ کر آئے تھے۔ قادیان سے وڈالہ گرنتھیاں کو جاتے ہوئے نہر سے گذر کر ایک میل کے فاصلہ پر دائیں طرف ایک گاؤں بھاگی ننگل ہے۔ خواجہ دین محمد صاحب اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ پیشہ کے طور پر آپ روئی دھننے کا کام کرتے تھے۔ پنجابی میں اس کو روئی پنجنا کہتے ہیں۔ روئی پنجنے کا ایک دیسی ساخت کا آلہ ہوتا ہے۔ جس کو ایک بڑے رباب سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک لمبا ڈنڈا ہوتا ہے۔ جس پر ایک خاص طریقہ سے ایک تندی کی تار مڑھی ہوتی ہے۔ اس کا ایک سرا چھت سے باندھ کر تار والا حصہ روئی پر رکھ کر ایک مضراب سے اس کو دھنکا جاتا ہے۔ اس سے ایک ارتعاش اور ایک مدھر آواز پیدا ہوتی ہے۔ پے در پے ضربیں پڑنے سے کچھ اس قسم کا سما پیدا ہو جاتا ہے جیسے ایک بالک جل ترنگ پر ناچ رہا ہو۔ آپ اس روئی دھننے کے کام میں نہ صرف ماہر تھے بلکہ اردگرد کئی دیہاتوں تک مشہور تھے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے قادیان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں اپنے پیارے آقا کی تحریک پر دیارِ مسیحؑ کی دربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

آزادی وطن کا سال بھی عجیب تصرفات الٰہیہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس سال اس قدر تسلسل سے بارشیں ہوئیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ مشیت الٰہی اس تمام تر کدورت کو زمین سے دھو دینا چاہتی تھی۔ جو انسانوں نے اپنے ہی ہم جنسوں کا خون بہا کر زمین پر بکھیر دی تھی۔ ایک بارش کا پانی ابھی سوکھ نہ پاتا تھا کہ اور بارش اہل زمین کے لئے چیلنج بن جاتی تھی۔

درویش ایک جزیرہ نما صورتِ حال سے دوچار تھے۔ بارشوں سے سڑک کے رستہ آمدورفت بند تھی۔ ریل کا سلسلہ اپریل ۱۹۴۷ء میں ٹوٹ چکا تھا۔ ڈاک تار سب ذرائع سے مرکز احمدیت۔ ہندوستان کی تمام جماعتوں بلکہ دُنیا بھر کی جماعتوں سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح اپنی بیوی اور کم سن بچے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑتے وقت کچھ کھانے پینے کا سامان ساتھ رکھ دیا تھا۔ اسی طرح ابراہیم ثانی علیہ السلام کے فرزند دل بند نے جو حسن واحسان میں اُس کا نظیر مثیل اور خلیفہ تھا۔ درویشوں کو یہاں چھوڑتے وقت کچھ خوارک کا ذخیرہ یہاں چھوڑ دیا تھا۔ علاوہ اور اشیاء کے پانچ ہزار بوری گندم بھی تھی یہ گندم بھی ایک متاعِ عزیز تھی۔ پتہ نہیں کب باہر کی جماعتوں سے رابطہ قائم ہو۔ اس کی سنبھال کو اوّلیت دی جاتی۔ بعض اوقات یہ خطرہ لاحق ہوتا کہ گندم جس مقام پر پڑی ہے وہاں بارش سے خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ تمام درویش دن دیکھتے نہ رات اور ہاتھوں ہاتھ اس گندم کو دوسری محفوظ جگہ پر منتقل کر دیتے۔ پھر چند روز بعد وہاں کوئی سقم محسوس ہوتا تو دوسری جگہ اور پھر تیسری جگہ۔ اب تو یاد بھی نہیں رہا کہ ہم نے اس گندم کے اسٹاک کو کتنی جگہ ڈھو کر رکھا ہوگا۔ اتنا ضرور یاد ہے کہ جب گندم ڈھونے کا کام شروع ہوتا۔ تو خواجہ دین محمد صاحب کی کارکردگی نمایاں ہوتی۔ آپ گندم کی بوری جو ڈھائی من وزن ہوتی۔

کندھے پر اُٹھائے یوں بھاگتے چلے جاتے جیسے روئی یا بھوسے کی بوری اُٹھا رکھی ہو۔ اور جہاں رکھنی ہوتی کندھے کے ایک اشارے سے یوں شانِ بے نیازی سے اس کو ایک جھٹکا دے کر چھوڑ دیتے کہ وہ خود بخود مقام مقصود پر جا کر گرتی۔ بوری اُٹھائے ہوئے وہ بوری کو ہاتھ سے پکڑنے کی بھی چنداں ضرورت نہ سمجھتے آپ کے جسم کا کچھ ایسا ہی توازن بنا ہوا تھا۔

۱۹۴۷ء میں ۳۵-۳۸ کے قریب ایسے افراد بھی ہمارے قبضہ میں آئے تھے جو قافلوں کے ساتھ جاتے ہوئے قادیان کے نواح میں زخمی ہو کر گر پڑے اور بعد میں بعض خدا ترس غیر مسلم افراد نے ان کو مسلمان ہونے کے ناطے قادیان پہنچا دیا۔ ان افراد کی خدمت پر چند درویش بھائیوں کے ساتھ ناچیز بھی مامور رہا ہے۔ خواجہ دین محمد صاحب بھی ان افراد میں تھے۔ ان افراد میں سے زخموں کی تاب نہ لا کر دوسرے چوتھے روز کوئی نہ کوئی دارِ فانی سے کوچ کر جاتا۔ اس کی تجہیز اور تکفین کی ذمہ داری بھی اسی گروپ پر تھی۔ قبر نکالنے میں مکرم خواجہ دین محمد صاحب اور مستری عبدالغفور صاحب کی خدمات سب سے نمایاں ہیں۔ یہ افراد تو دو ماہ تک کے عرصہ میں اپنی اپنی باری پر سفر آخرت فرما گئے۔ مگر خواجہ دین محمد صاحب کے جذبہ خدمت و ہمدردی پر رشک آتا ہے۔ کہ آپ ۱۹۷۲ء تک جب بھی کوئی درویش بھائی کامیابی سے ہمکنار ہو کر رفیق الاعلیٰ کی خدمت میں حاضری کا شرف پاتا تو خواجہ صاحب بلاتحریک خود بخود قبر کی تیاری کے لئے پہنچ جایا کرتے۔

آپ میں کام کرنے کی بے پناہ قوت تھی۔ کام کرتے ہوئے نہ تھکتے تھے۔ محنت اور مشقت ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ آپ دفاتر میں مددگار کارکن کی خدمات کے علاوہ باقی فارغ وقت میں روئی دھننے کا کام کرتے جو خاصی محنت کا کام ہے۔ اور جن ایام میں یہ کام نہ ہوتا آپ گھر کے لئے پورے سال کی لکڑی

فراہم کرنے میں جٹ جاتے۔ پُرانے کاٹے ہوئے درختوں کے بیخ و بن اکھاڑ لایا کرتے تھے۔ کیونکہ درخت کاٹنے والے زیادہ مشقت سے بچنے کی خاطر یہ حصہ زمین میں چھوڑ کر اوپر سے درخت کاٹ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ آپ کمال صفائی سے انہیں اکھاڑ لاتے اور گھر میں ایندھن کی کمی نہ آنے پاتی۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید ہی کبھی انہوں نے ایندھن خریدا ہو۔

سلسلہ کے کام کو اپنے ذاتی اغراض پر مقدم رکھتے تھے۔ ایک واقعہ سناتا ہوں یوں آپ کی ساری زندگی اسی جذبہ سے عبارت ہے۔ حضرت منشی محمد دین صاحب جو ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں وفات پا گئے۔ آپ اپنے ذاتی مکان میں رہائش رکھتے تھے۔ جو بہشتی مقبرہ روڈ پر برلب ڈھاپ واقعہ ہے۔ آپ کا تمام گھریلو سامان مکان میں ہی پڑا تھا۔ جب آپ کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس آئے تو مدرسہ احمدیہ کے سامنے محترم مولوی برکات احمد صاحب مرحوم نے جو یہاں اُن دنوں ناظر امور عامہ تھے مجھے فرمایا کہ آج رات کو اس مکان میں کوئی باخبر ڈیوٹی والا مقرر کیا جائے۔ کیونکہ مکان کا سامان سب بغیر کسی اور فہرست گنتی کے اندر ہی پڑا ہے۔ ہم دونوں ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کس کو مقرر کیا جائے کہ اتنے میں مکرم خواجہ دین محمد صاحب پاس سے گذرے۔ میں نے پوچھا بھائی دین محمد صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں۔ فوراً برجستہ جواب دیا میں کہیں نہیں جا رہا آپ کام بتائیں۔ میں نے پھر کہا کہ آپ ہو سکتا ہے اپنی ذاتی حوائج سے کسی جگہ جا رہے ہوں۔ مجھے آپ کے پروگرام میں رکاوٹ ڈالنا نہیں ہے پھر جواب دیا کہ سلسلہ کا کام اوّل ہے۔ میں کہیں نہیں جا رہا۔ اور اگر جا بھی رہا تھا تو اب نہیں جاؤں گا۔ جب تک وہ کام نہ کر لوں جو آپ کے ذہن میں ہے۔ انکا یہ عزم دیکھ کر میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور کہا کہ آج رات کو حضرت منشی محمد دین صاحب

والے مکان میں سوتا ہے۔ اور ذرا باخبر ہوکر رہنا ہے کہ کوئی نقصان کی صورت نہ ہو
آپ اسی وقت مکان کی طرف چل پڑے اور کہا میں دیکھوں گا کہ میرے ہوتے
ہوئے وہاں کون نقصان کرنے آتا ہے۔ محترم مولوی برکات احمد صاحب مرحوم بھی
اُنکی اس ادا پر بے حد خوش ہوئے۔

طبعاً بڑے خوددار واقع ہوئے تھے۔ چند سالوں کی بات ہے کہ گھر میں
گندم وقت سے پہلے ختم ہوگئی۔ میں یہ امر حضرت امیر صاحب مقامی کے نوٹس
میں لایا۔ تو آپ نے خواجہ صاحب کو بلایا اور پوچھا کہ خواجہ صاحب معلوم ہوا
ہے کہ گھر میں ان دنوں اشیاء خوردنی کی کمی ہے۔ کہا ہاں مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ
تنگی کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ آپ مجھے دس دن کی رخصت دیں میں اس مسئلہ کو حل
کر کے دکھاؤں گا۔ حضرت امیر صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے آپ کو کل سے
رخصت ہے۔ پھر کیا تھا خواجہ صاحب اپنا پنجن کندھے پر رکھ کر ہرچہ بادا باد
کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور دسویں روز مجھے گھر پر بلا کر دکھایا کہ یہ
اڑھائی بوری گندم پڑی ہے یہ مقدار نئی گندم نکلنے تک ہمارے لئے کافی ہے۔
بڑھاپے میں آپ کی اس جواں ہمتی پر رشک آتا ہے۔

رمضان المبارک ۱۹۷۸ء کے بعد آپ کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ ابتداء
میں پیشاب کی بندش اور قبض اور بعض اوقات اسہال آنے کی شکایت رہی۔ جس کا
اپنے شفاخانہ سے علاج معالجہ ہوتا رہا۔ اور چند یوم صحت اور چند یوم بیماری کی
صورت میں وقت گذرتا گیا۔ بیماری نے طول کھینچا تو دیگر مقامی ڈاکٹروں سے
رجوع کیا گیا۔ پوری کوشش اور علاج کے باوجود حالت صحت کی طرف لوٹ کر نہ
آئی۔ اور یرقان کی صورت پیدا ہوگئی۔ اور چلنا پھرنا اور سفر کرنا مشکل ہوگیا۔ پھر
مقامی طور پر گلوکوز چڑھا کر اس امر پر توجہ مرکوز کی گئی کہ کسی طرح سفر کے قابل

ہوسکیں تو انہیں امرتسر لے جا کر باقاعدہ داخل کر کے علاج کیا جائے۔ مگر انہیں تو
اپنے پیارے خدا تعالیٰ کے حضور حاضری کا بلاوا آچکا تھا۔ وہ اس مقام کو چھوڑ کر
دوسری طرف کس طرح آمادہ سفر ہوتے۔ آخر ۱۲ جنوری ۱۹۷۹ء کو گلشن احمد میں
اپنی چھ یادگاریں چھوڑ کر دائمی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنّاللّٰہ و اِنّا الیہ راجعون

آپ کی اہلیہ اوّل میں سے دو بچے یادگار ہیں جو پاکستان میں ہیں۔ دوسری
شادی آپ نے اُڑیسہ میں رُک کر درویشوں میں کی تھی۔ اس میں سے چار لڑکے
اور دو لڑکیاں قادیان میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا خود متکفل ہو اور انہیں اپنے
باپ کے نقش قدم پر احمدیت حقیقی اسلام کا سچا جانثار سپاہی بنائے۔ آمین

چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز بھٹہ

بعض باتیں بچپن میں ہی انسان کے تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اور ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ کچھ ایسی ہی باتیں آج مجھے یاد آرہی ہیں۔ ابھی پاؤں پاؤں چلتا تھا۔ اور میرا برادر عم زاد بھی اس کوشش میں تھا۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ ہم دونوں چارہ کُترنے والے ٹوکہ کے پاس پڑے ہوئے چارہ سے کھیل رہے تھے۔ میرا چھوٹا بھائی کبھی کوئی سہارا پا کر رسی کو پکڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا۔ اور پھر چلنے کی کوشش میں سرین کے بل گر پڑتا۔ ادھر ہم دنیا اور مافیہا سے بے خبر کھیل میں مگن تھے۔ ادھر گھر میں زادِ سفر تیار کیا جا رہا تھا۔ جب تیاری مکمل ہوگئی تو میرے ساتھی بھائی کی والدہ آئیں۔ اور اپنے بیٹے کو اُٹھا کر چل پڑیں۔ میں بھی روتا ہوا ان کے پیچھے چلا۔ میری بڑی بہن نے بڑھ کر اپنی گود میں اُٹھا لیا اور تسلی دینے لگی اور گاؤں کی حدود تک مجھے بھی اس قافلہ کے ساتھ لئے ہوئے چلیں۔ گاؤں کی حد پر چند افراد نے ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کیا اور جن افراد نے ٹھہرنا تھا وہ کھڑے رہ گئے۔ اور جانے والوں کا قافلہ چلتا ہوا ہر لحہ آنکھوں سے دور ہوتا چلا گیا۔ اور آخر درختوں اور فصلوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ گاؤں کے کنارے کھڑے افراد واپس لوٹ آئے اور اپنے کاروبارِ زندگی میں مصروف ہوگئے۔ زمانے کی گرد نے اس پر پردہ ڈال دیا۔

ہمارا خاندان ۹۶ ہجری میں محمد بن قاسم کے ساتھ ہند آیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے جوان دنوں عراق کا والی تھا۔ اپنے چچا زاد بھائی محمد بن قاسم کو سندھ کی مہم کا

انچارج مقرر کر کے اس کو اجازت دی تھی کہ وہ عراقی اور عرب قبائل میں سے اپنے ساتھ لے جانے کی غرض سے فوج بھرتی کر لے۔ محمد بن قاسم کے ساتھ ۱۴ ہزار جنگجو سپاہی آئے تھے۔ اگر مختلف تواریخ میں ان کی تعداد اور قبائل کے متعلق اختلاف ہے۔ عمومی طور پر ۲۰ کے قریب قبائل کے افراد محمد بن قاسم کے ہمراہ آئے تھے ان میں سے کچھ نسلاً عرب تھے۔ اور کچھ گرد نسل کے عراقی تھے۔ ہندوستان کی فتح کی مہم اپنے زور پر تھی۔ اور ملتان تک کا علاقہ فتح ہو چکا تھا کہ محمد بن قاسم کو مرکز سے واپس چلے آنے کی ہدایت ہوئی۔ محمد بن قاسم واپس جاتے ہوئے رستہ میں شہید کیے گئے۔ ادھر سلمان بن عبدالملک کی اچانک وفات ہوگئی۔ اس مہم کی سرپرستی مرکز سے نہ ہو پائی۔ اور صرف سندھ کے مفتوحہ علاقہ کے انتظام پر اکتفاء کرتے ہوئے۔ فی الحال آگے بڑھنے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔

ہمارے بزرگوں نے بتایا کہ ہم بھٹائی قبیلہ کے افراد ہیں۔ سندھ کی فتح کے بعد ہمارے قبیلہ کے کچھ افراد مفتوحہ علاقہ کے انتظام و انصرام کے لئے سندھ میں رہ گئے تھے اور کچھ زخمی جو آگے سفر کے قابل نہیں رہے تھے۔ وہ بھی سندھ میں رہے۔ باقی قبیلہ بھٹائی جسے پنجاب میں بھٹہ اور سندھ میں بھٹو کہا جاتا ہے۔ اور ان کے ہمراہ بعض اور قبائل کے افراد جیسے قطبے، کاٹھیے، مہار، اعوان، ہراول دستوں کے طور پر ملتان سے آگے چونیاں چھانگا مانگا اور کاہنا کاچھا تک بڑھ آئے تھے۔ چونکہ مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ ان آگے بڑھ چکے افراد کو پیچھے سے کوئی ہدایت نہ مل سکی یہ انتظار کرتے رہے اور سامان رسد ختم ہو جانے اور مخالف آبادیوں میں گھر جانے کی وجہ سے جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔

ہمارے قبیلہ کے لوگ تحصیل چونیاں کے علاقہ کے دریا کے ساتھ ساتھ ویرانہ میں چھپے رہے۔ اور دریا کے کنارے مکئی، باجرہ وغیرہ کی فصل بو کر اپنے اور اپنے

جانوروں کے لئے خوراک پیدا کرلیا کرتے تھے۔

بھٹہ نام کی تشریح کرتے ہوئے ہمارے بزرگوں نے بتایا کہ ہم لوگ چونکہ جلدی فصل حاصل کرنے کی غرض سے مکئی کی فصل زیادہ تر کاشت کرتے تھے۔ مقامی مخالف آبادیاں جب کبھی ہم پر حملہ آور ہوتیں اور ہم اس علاقہ کو غیر محفوظ پاکر اپنی جگہ تبدیل کرتے تو ہمارے چھوڑے ہوئے سامان میں زیادہ مکئی کے ''بھٹے'' ان کو ملتے۔ لہٰذا وہ لوگ ہمیں بھُٹے کہنے لگ گئے۔ ہمارے بزرگوں میں سے یہ بات بھی ہمیں پہنچی کہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے قبیلہ میں سے ایک ولی اللہ بزرگ ہوئے ہیں۔ ہمارے خاندان کا ایک حصہ اب بھی حضرت شاہ عبداللطیف صاحب بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے پیر کہلاتا ہے۔

پیر غلام غوث صاحب، پیر فیض احمد صاحب، پیر مشتاق احمد صاحب، پیر صادق علی صاحب، ہمارے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ پیر یعقوب احمد صاحب، پیر غلام محی الدین صاحب ہمارے خالہ زاد بھائی ہیں۔ نیز پیر نذیر احمد صاحب، پیر عبدالرشید صاحب، پیر غلام حسین صاحب بھی قریبی رشتہ دار ہیں، اور یہ سب اب تک حین حیات ہیں۔ اور ابھی تک احمدیت قبول نہیں کی ہے۔ مگر کھلے مخالف نہیں ہیں۔ قادیان میں بھی ۱۹۴۷ء سے قبل آیا کرتے تھے۔ اور ربوہ میں بھی جلسہ سالانہ پر آتے رہے ہیں۔

میرے چچا زاد بھائی مکرم عبدالرشید صاحب نیاز درویش اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم کا نام چوہدری عبدالحکیم صاحب تھا۔ جنہوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۴۲ء میں گاؤں عارف والا سے قادیان میں رہائش اختیار کرلی تھی۔

اُن دنوں میں دوسری عالمگیر جنگ زوروں پر تھی۔ مہنگائی بڑھ رہی تھی۔ آپ

نے قادیان میں احمدیہ سٹار ہوزری میں بطور کلرک ملازمت اختیار کرلی۔ اور آزادی وطن تک اسی سروس میں رہے۔ آپ کثیر العیال تھے۔ دو لڑکیاں اور چھ لڑکے تھے۔ مکرم عبدالرشید صاحب نیاز کی تعلیم کبھی چک نمبر ۶ میں اور کبھی عارف والا میں اور درمیان میں ایک دو اور تبادلہ جات میں متاثر ہوگئی تھی۔ آپ پرائمری تک تعلیم پاسکے۔ لیکن عمر کے لحاظ سے آپ ذرا پختہ ہوگئے تھے۔ لہٰذا قادیان آکر مکرم عبدالرشید صاحب نیاز کو میک ورکس میں کام پر لگا دیا گیا۔ کچھ عرصہ آپ میک لائٹ کی کور بنانے کا کام سیکھتے رہے۔ طبیعت ورثہ میں ہی شگفتہ پائی تھی۔ اور کام کرنے میں سلیقہ اور افسران کی فرمانبرداری ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ ایک سال بعد آپ کو میک ورکس میں اسٹور کیپر لگا دیا گیا۔ ۱۹۴۵ء کے آخر تک میک ورکس میں کام کیا اور اچھا کیا۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ اور ابتداء ۱۹۴۶ء میں آپ نے میک ورکس کی ملازمت چھوڑ کر ڈولفن الیکٹرک ورکس قادیان میں بجلی کے روم ہیٹر۔ ایمرشن ہیٹر وغیرہ بنانے کا کام شروع کیا۔ اور تقسیم برصغیر ہند تک اسی کام میں وقت بتایا۔

مؤرخہ ۱۳ اکتوبر کو محلہ جات خالی ہوکر آبادی دو مقامات پر سمٹ آئی تھی۔ اس وقت چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز بھی مع اپنے والدین بہن بھائی واہلیہ و بچگان بورڈنگ میں مقیم تھے۔ جس روز بورڈنگ سے شہر اندروں ایریا میں آنے کا حکم ہوا۔ چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز نے اپنے والد صاحب کو پارچات دے کر دیگ کو گلے سے پکڑ کر ریڑھتے ہوئے بھگا کر لنگر خانہ تک لے آئے۔ اور ان ہر دو باپ بیٹوں کو دفتر بیت المال میں قیام کرنے کی ہدایت ہوئی (اس مکان میں آج کل مکرم مولوی برکت علی صاحب کی رہائش ہے)۔

۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کو ایک انٹرویو پریڈ ہوئی تھی۔ جس میں قادیان کے ساکنین کو بلایا گیا تھا۔ مکرم ومحترم مولوی حضرت جلال الدین صاحب شمس مکرم ومحترم حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ، ومحترم مرزا عبدالحق صاحب انٹرویو لے رہے تھے۔ ہر ایک کا نام اور کوائف معلوم کئے جا رہے تھے۔ اور پوچھا جاتا تھا کہ آپ قادیان میں قیام کے لئے تیار ہیں۔ جو اثبات میں جواب دیتے ان کی فہرست الگ نوٹ کی جاتی اور جو عذر کرتے ان کی فہرست الگ کر لی جاتی دونوں فہرستیں تیار ہو گئیں۔ جانے والوں کی فہرستیں تیار ہو گئیں۔ جانے والوں کی فہرست والے افراد کو اسی روز یا اگلے روز بھجوایا گیا۔ اور قیام کرنے والے افراد کی فہرست وکوائف پر دوبارہ نظر ثانی کی گئی۔

حلقہ ناصر آباد کے خدام اور حلقہ اقصیٰ کے خدام کے علاوہ ایک تعداد صدر انجمن احمدیہ کے مستقل کارکنان کی بھی قادیان میں موجود تھی۔ ان کے علاوہ قادیان کے ساکنین میں سے ۱۱۲۵ افراد قادیان رکھے جانے تھے۔ اس طرح تعداد ۳۱۳ ہو جاتی تھی۔ فہرست لمبی تھی۔ اس لئے ان افراد کے کوائف کو مدنظر رکھ کر نظر ثانی کرتے ہوئے کچھ افراد کے قادیان سے بھجوائے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے قادیان میں قیام کرنا تھا۔ ان کی فہرست بورڈ پر لگا دی گئی۔ ہم دونوں باپ بیٹا فہرست پڑھنے گئے تو اپنا نام اس فہرست میں نہ پا کر سخت پریشان ہوئے۔ اور محترم حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم دو باپ بیٹوں میں سے کسی ایک کا نام بھی قادیان رہنے والوں میں نہیں آیا۔ حالانکہ ہم دونوں قیام کے لئے تیار ہیں۔ اس پر محترم شمس صاحب نے فہرست پر نظر ڈال کر کہا کہ آپ کے بھائی اور ان کا بیٹا (چوہدری عبدالحکیم صاحب، چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز) دونوں قادیان میں مقیم رہنے والوں کی

فہرست میں درج ہیں۔ حالانکہ ہم نے سوائے کسی اشد مجبوری کے طے کیا تھا کہ ایک گھر کے دو فرد نہیں رکھے جائیں گے۔ یہ آپ دونوں بھائیوں کے گھر کا معاملہ ہے۔ آپ آپس میں مل کر فیصلہ کر لیں اور مجھے بتا دیں میں فہرست میں اس کے مطابق درستی کر لوں گا۔ لہذا ہم چاروں نے باہم بات چیت کر کے طے کیا کہ ایک ایک دونوں گھروں میں سے قادیان رہے۔ پہلے خیال کیا کہ دونوں باپ چوہدری عبدالحکیم صاحب وچوہدری عبدالغنی صاحب قادیان ٹھہر جائیں اور دونوں بیٹے بدرالدین عامل وعبدالرشید نیاز صاحب چلے جائیں پھر دوبارہ غور کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس وقت جب کہ پورا خاندان اکھڑ گیا ہے سہارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ پاکستان کے علاقہ میں ہماری ۴ مقامات پر جدی زمین ومکانات موجود ہیں۔ ان کے حصول یا فروخت سے خاندان کو سہارا دیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کام لڑکوں کے جانے سے حل نہیں ہوگا۔ اس وقت دادا صاحب کی اولاد میں سے پانچ بھائی اور دو بہنیں زندہ ہیں اگر ہم دو ادھر رہ گئے تو باقی بھائی جو کہ پاکستان میں موجود ہیں اس جائیداد کو فروخت کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے اور بغیر ایسا کئے گذارہ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ لہذا طے پایا کہ دونوں بیٹے راقم الحروف بدرالدین عامل اور عبدالرشید صاحب نیاز قادیان ٹھہر جائیں اور دونوں بھائی چوہدری عبدالحکیم صاحب وچوہدری عبدالغنی صاحب پاکستان چلے جائیں۔

۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو دیگر بزرگان کے ہمراہ ہم دونوں کے والد بزرگ بھی پاکستان چلے گئے۔ میں نے برادرم نیاز صاحب سے کہا کہ وہ بھی میرے ساتھ شیخ محمد نصیب صاحب والے مکان میں آ جائیں۔ اس طرح ہم ایک جذب میں سیٹ ہو گئے۔

دوسرے روز ہمیں (عامل ونیاز) چند اور درویشوں کے ہمراہ مکرم ملک نذیر

احمد صاحب کی ماتحتی میں مکانات میں سے سامان اکٹھا کر کے اسٹور میں جمع کرنے
کے لئے بھجوایا دیا گیا۔ چند روز ہم دنوں ملک نذیر احمد صاحب کے ساتھ سامان جمع
کرنے کے عمل میں لگے رہے۔ جمع شدہ سامان پر چٹیں لگانا کہ کس مکان سے لیا گیا
ہے۔ اور نمبر وار اس کی فہرست بنا کر نظارت اُمور عامہ کو رپورٹ دینا مکرم ملک
نذیر احمد صاحب کا کام تھا۔ یہ کام خاصا مشکل تھا۔ ملک صاحب بڑی پریشانی سے
سارا دن لگا کر بھی اس کو پورا نہ کر پاتے اور رات گئے تک رپورٹ لکھنے میں لگے
رہتے تب بھی کماحقہٗ رپورٹ تیار نہ ہو پاتی۔ چوتھے پانچویں روز ہم دونوں
بھائیوں نے ملک صاحب کو تعاون دینے کا فیصلہ کرلیا۔ جب دوپہر تک سامان جمع
کرنے کے وقار عمل سے فارغ ہوئے تو کھانا کھا کر ہم دونوں ملک نذیر احمد
صاحب کے ساتھ لگ گئے اور جلدی جلدی سب سامان پر چٹیں لگا دیں۔ اور اس
کی فہرست بھی ہم دونوں نے ملک صاحب کے ساتھ مِل کر تیار کرلی اور رپورٹ
مغرب کی نماز سے قبل تیار کر کے ملک صاحب کو دی کہ وہ محترم ناظر صاحب اُمور
عامہ کو دے آئیں۔ ملک صاحب جب خلاف معمول جلدی رپورٹ لے کر گئے تو
محترم مولوی برکات احمد صاحب جو ان دنوں ناظر اُمور عامہ تھے نے پوچھا کہ آج
کیسے اس سرعت سے کام ہوگیا ہے۔ اور رپورٹ کی لکھائی بھی کسی اور کی ہینڈ
رائیٹنگ سے ہے۔ تو ملک صاحب نے کیفیت بیان کی۔ محترم ناظر صاحب
اُمور عامہ نے کہا کہ صبح ان دنوں کو میرے پاس لے کر آنا۔

دوسرے روز محترم ناظر صاحب اُمور عامہ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ
بڑی شفقت سے پیش آئے۔ اور کام کی تعریف کی اور کہا کہ ملک صاجب کو اس کام
سے فارغ کرنا ہے۔ حلقہ ناصر آباد کے نگران ان کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔
آپ دونوں ایک ہفتہ کے اندر اندر پورا کام سمجھ لیں۔ ہم دونوں نے اس ہدایت

پر عمل کیا تو ایک ہفتہ بعد مجھے انچارج سٹور اور برادرم عبدالرشید صاحب نیاز کو
نائب انچارج سٹور مقرر کر دیا گیا۔

ماہ فروری ۱۹۴۸ء تک ہم دونوں اسٹور کیپر کی خدمت پر مامور رہے۔ حلقہ
مسجد مبارک (مقامی درویشان) کے نگران مکرم مرزا محمد حیات صاحب مالک شفا
خانہ رفیق حیات تھے۔ آپ اپنی بعض مجبوریوں کے باعث ماہ جنوری ۱۹۴۸ء کو
واپس چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد مکرم صوفی عبدالقدیر صاحب نگران حلقہ
مقرر ہوئے۔ اور خواجہ عبدالکریم صاحب خالد نائب نگران۔ چونکہ ان دنوں
درویشوں کو پانچ روپے ماہوار اور دو وقت لنگر خانہ سے کھانا اور جن کے پارچات
وجوتے پھٹ یا ٹوٹ جاتے اس کی جگہ نئی خرید اور درویشوں کی بستر کی ضروریات
بیماری کی صورت میں علاج و تیمارداری ان جملہ امور کی انجام دہی نگران حلقہ
جات کے سپرد تھی۔ اس لئے خاص کام دفتری نوعیت کا بھی نگران صاحبان کو کرنا
پڑتا تھا۔ مکرم صوفی عبدالقدیر صاحب نے نظارتِ امور عامہ کو لکھا کہ بدرالدین
عامل کو آپ سٹور کی ڈیوٹی سے فارغ کر کے واپس حلقہ میں بھجوا دیں۔ یہ خط
وکتابت چل رہی تھی کہ مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو ۱۶ افراد پر مشتمل ایک گروپ
خدمت مرکز کے لئے قادیان پہنچا۔ اس گروپ میں مکرم چوہدری عبدالقدیر
صاحب بھی تھے۔ جو تقسیم ملک سے قبل ایم ان سنڈیکیٹ میں بطور کلرک کام کیا
کرتے تھے۔ اور دفتری اُمور کا اچھا تجربہ رکھتے تھے۔ مکرم ناظر صاحب اُمور عامہ
نے مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب انچارج سٹور اور مکرم عبدالرشید صاحب نیاز کو
نائب انچارج اسٹور مقرر کر کے مجھے فارغ کر کے حلقہ میں واپس بھجوا دیا۔

فروری ۱۹۵۰ء تک مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز بطور نائب انچارج
سٹور کام کرتے رہے۔

۱۹۴۹ء کے جلسہ سالانہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ اب مرکز قادیان کو ہندوستان کا فعال مرکز بنائیں اور دفاتر کی ترتیب نو کر کے ہندوستان کی جماعتوں کو منظم کریں۔ جنوری فروری ۱۹۵۰ء میں دفاتر کی سیٹنگ ہوتی رہی اور نئی ترتیب میں اسٹور کا شعبہ صیغہ جائیداد کے ساتھ منسلک کر کے مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب کو انچارج اسٹور بنایا گیا۔ اور آپ ۱۹۵۲ء تک اس کی خدمت کو باحسن ادا کرتے رہے۔ اسٹور کو ۱۹۴۸ء کے ابتدائی چند ماہ تک ہی تربیت دیا جا چکا تھا۔ اب اس کے انتظام وانصرام میں یہ ذمہ داری شامل ہوگئی تھی کہ ۱۹۵۰ء میں ہندوستان سے جو خاندان ہجرت کر کے قادیان آئے تھے ان کو گھریلو ضروریات کے لئے اسٹور میں سے حسب سکیل سامان۔ چارپائیاں، کرسیاں، میز، کھانے پینے کے برتن وغیرہ فراہم کرنا۔ اسی طرح جن درویشان کی شادیاں ہوتیں اُن کو بھی ایک مقررہ سکیل سے سامان فراہم کیا جاتا۔ یہ سلسلہ ۱۹۵۴ء تک جاری رہا تا آنکہ اسٹور میں موجود تمام وہ سامان جو حسب سکیل دیا جا رہا تھا ختم ہوگیا۔ اور کچھ متفرق قسم کا سامان جیسے سبزیاں، گلدان، ٹیبل فین، سیلنگ فین وغیرہ باقی رہ گئے۔ چونکہ یہ سب افراد کو مہیا نہیں ہو سکتے تھے۔ افراد کے مقابلہ میں ایسی اشیاء کی تعداد کم تھی۔ لہذا صدر انجمن احمدیہ نے ایسے سامان کو فروخت کرنے کا فیصلہ فرما دیا۔ اور اگلے دو ماہ میں تمام ایسا سامان فروخت کر کے رقم خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کروا کر اسٹور کا شعبہ بند کر دیا گیا۔ اور مکرم نیاز صاحب کو نظامت جائیداد میں جائیداد و تعمیرات کا محرر ایمپرسٹ مقرر کر دیا گیا۔ آپ ایک لمبا عرصہ اسی پوسٹ پر بڑی مستعدی سے کام کرتے رہے۔

صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں کام کر رہے تمام کلرک نان میٹرک تھے

سوائے چند ایک کے اور یہ نان میٹرک کارکن اپنے درجہ سوم و دوم کے گریڈ ختم کر چکے تھے۔ اور آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے فیصلہ کیا کہ دفاتر میں کام کر رہے محررین میں جو جو کارکن سروس کمیشن مقررہ امتحان پاس کر لے گا وہ میٹرک پاس متصور ہوگا۔ اور اس کو میٹرک پاس کارکنان کے مساوی مراعات حاصل ہوں گے۔ صدر انجمن احمدیہ کے اس فیصلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے کارکن درویشان نے فائدہ اُٹھایا اور میٹرک گریڈ حاصل کیا۔ مکرم نیاز صاحب بھی اس رعایت سے فائدہ اٹھانے والے تھے۔

کچھ عرصہ کے لئے مکرم نیاز صاحب کو دفتر محاسب میں بطور خزانچی بھی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ بعد میں آپ کو دفتر آڈیٹر میں بطور نائب آڈیٹر اور چند سالوں بعد آڈیٹر مقرر کر کے آپ کا درجہ نائب ناظر کر دیا گیا۔ اور آپ نے تاحیات اس عہدہ پر نہایت کامیابی سے خدمت انجام دی۔

۱۹۸۱ء میں آپ کو دائیں بازو کی طرف ہلکا سا اسطرخا کا اٹیک ہوا تھا۔ فوری طور پر طبی امداد میسر آگئی اور اگلے ہی روز آپ کو امرتسر لے جا کر جملہ ٹسٹ وغیرہ اور ایکسرے کرائے گئے طبیعت چند روز میں بحال ہوگئی۔ اور آپ پھر سے اپنے فرائض مفوضہ باقاعدگی سے ادا کرنے لگ گئے۔ اس وقت تشخیص ہوا تھا کہ آپ کو شوگر بھی ہے۔ اور دماغ کی ایک رگ سے بائیں طرف وسط دماغ میں جریان خون بھی ہوا ہے۔ مگر فوری علاج سے صورت حال کنٹرول ہوگئی۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ کو بھی مختلف عوارض لاحق تھے۔ ان کے بھی ٹیسٹ ہوئے تو معلوم ہوا کہ اُنہیں بھی شوگر کا عارضہ لاحق ہے۔ دونوں کا علاج اور پرہیز جاری رہتا۔ نیاز صاحب کے مزاج میں خوش طبعی اور ملاحت لئے ہوئے لطیف مزاج موجود تھا۔ جس روز دونوں

میاں بیوی کا شوگر کا ٹیسٹ ہوتا تو آپ کی شوگر زیادہ نکلتی تو مسکراتے ہوئے بتاتے کہ میں فسٹ آیا ہوں۔ (شوگر کے امتحان میں)۔

جون ۱۹۸۶ء کے وسط میں جب میں پاکستان سے واپس آیا تو دیکھا کہ عزیزم نیاز صاحب کو پھر سے دائیں طرف بازو اور ٹانگ پر فالج کا اثر ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ کام بھی کئے جا رہے ہیں۔ میں نے فوری طور پر مقامی سول ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ اس سے قبل ۱۹۸۱ء میں بھی انہیں نیاز صاحب کا علاج کرنے کا موقع ملا تھا۔ بعد معائنہ اُنہوں نے رائے دی کہ فی الحال میں دو تین دن کی دوائی لکھ دیتا ہوں۔ ان پر سابقہ بیماری کا ہی دوسرا حملہ ہوا ہے۔ انہیں جلد امرتسر دکھا لیا جائے۔ لہذا تین روز بعد امرتسر لے جایا گیا۔ مقامی علاج سے صورت حال بہتر ہوگئی تھی۔ امرتسر میں ڈاکٹر قُمرا صاحب کو دکھایا گیا۔ ان کی ہدایت پر ضروری ٹِسٹ بھی کروائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے تسلی دی کہ حالت بہتری کی طرف مائل ہے اور روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ آپ دس روز کی دوائیاں لے جائیں۔ اور پھر مجھے رپورٹ کریں۔ گھر میں آ کر حسبِ ہدایت علاج جاری رہا۔ مجھے ایک دو روز میں بھدرواہ جانے کی ہدایت محترم ناظر صاحب اعلیٰ کی طرف سے مل چکی تھی۔ وہاں ایک جماعتی کام سے جانا ضروری تھا۔ نیاز صاحب کی حالت بہتر پا کر میں نے بھدرواہ جانے کا پروگرام بنالیا۔

بھدرواہ سے واپسی پر میں نے دیکھا کہ نیاز صاحب کی حالت دِگرگوں ہے۔ دائیں بازو و ٹانگ تو متاثر تھے ہی قوت گویائی بھی متاثر ہوگئی ہے۔ فوری امرتسر لے جایا گیا۔ بعد معائنہ ڈاکٹر قُمرا صاحب نے گورونانک ہسپتال میں داخل کرانے کا مشورہ دیا۔ اور دماغ کا ''کیٹ سکین'' بھی کرانے کی ہدایت کی۔ لہذا آپ کے مشورہ پر ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ''کیٹ سکین'' کی رپورٹ ملنے پر معلوم ہوا

کہ نیاز صاحب پر تین مرتبہ اٹیک ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ چند سال قبل دماغ میں جریان خون ہوا۔ علاج معالجہ سے دیگر خون میں حل ہو کر وہ ماؤف حصہ تلف نہیں ہوا بلکہ وہیں پر نہایت پتلی تہہ خون کی جم کر رہ گئی۔ اور صورت حال کنٹرول ہوگئی پھر چند ماہ قبل اٹیک ہوا اس دفعہ بھی دماغ میں جریان خون ہوا۔ جو گذشتہ ہوئے اٹیک سے زیادہ تھا پھر روک پڑ گئی اور بیماری چند ہفتہ تک رُک گئی اور صورت حال بہتر نظر آنے لگی۔ تیسری مرتبہ پھر حملہ ہوا تو قوت گویائی بھی متاثر ہوئی۔ محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان ومحترم ناظر صاحب اعلیٰ کے مشورہ اور ہدایت پر چندی گڑھ میں داخل کرانے کا پروگرام طے ہوا۔ خاکسار اور محترم فضل الٰہی خان صاحب چندی گڑھ گئے اور ڈاکٹر کول صاحب جو دماغ کی امراض کے ماہر سرجن تھے سے گھر پر ملاقات کی۔ مکرم نیاز صاحب کی ٹِسٹ اور ایکسرے و کیٹ سکین دکھائے۔

ان کی ہدایت پر مؤرخہ ۱۰ اگست ۱۹۸۶ء، ۱۱ اگست ۱۹۸۶ء کی درمیانی شب بذریعہ ایمبولنس گاڑی مکرم نیاز صاحب کو چندی گڑھ لے جایا گیا۔ اور ڈاکٹر کول صاحب سے مل کر داخل کرا دیا گیا۔ وارڈ انچارج ڈاکٹر صاحب نے پابندی لگا دی کہ جب تک دو بوتل خون آپ بلڈ بنک میں جمع نہ کرائیں مریض کو بیڈ نہیں ملے گا۔ بلکہ زمین پر رہے گا۔

پہلے آپ کے دونوں بیٹے عزیز عبدالوکیل وعبدالقدیم خون دینے گئے۔ بلڈ بنک انچارج نے ان کا ٹیسٹ لے کر کہا کہ ان کا خون نہیں چل سکے گا۔ پھر میں نے اور مکرم خان صاحب نے اپنا خون پیش کیا۔ میرا وزن اور عمر معلوم کر کے اسی طرح مکرم خان صاحب کی عمر معلوم کر کے خون لینے سے انکار کر دیا۔ ہم چندی گڑھ سے قادیان پہنچے اور یہاں خدام الاحمدیہ کے قائد صاحب کے ذریعہ سے تحریک کی

گئی ۔ دو احمدی نوجوان مکرم فلاح الدین صاحب اور مکرم منیر احمد صاحب ننگلی تیار
ہوئے ۔ خون جمع کراتے ہی نیاز صاحب کو بیڈ دے دیا گیا ۔ ۱۳ اگست ۱۹۸۶ء کو
رات آٹھ بجے نیاز صاحب کو آپریشن روم لے جایا گیا ۔ بعد آپریشن ساڑھے بارہ
بجے آپ کو کمرہ میں لایا گیا اور ڈاکٹر نے بتایا آپریشن کامیاب ہوا ہے ۔ مگر حالت
سخت کمزوری کی طرف مائل تھی ۔ وارڈ میں لاکر پھر خون چڑھایا گیا مگر قبل اس کے
کہ وہ خون کی بوتل ختم ہوتی جو آپ کو چڑھائی جارہی تھی آپ اپنے مولائے حقیقی
کے حضور حاضر ہو گئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے
قربِ خاص میں جگہ دے ۔ آمین

بیماری سے چند ماہ قبل آپ نے خواب میں دیکھا کہ مکرم بھائی عبدالرحیم
صاحب دیانت درویش مرحوم اور شیر خان صاحب درویش مرحوم و مکرم مستری
محمد حسین صاحب درویش مرحوم اور خود نیاز صاحب بہشتی مقبرہ میں فوارے کے
قریب کھڑے ہیں ۔ نیاز صاحب کے ہاتھ میں چند کاغذات ہیں ۔ شیر احمد خان
صاحب نے کہا کہ آؤ چلیں مستری محمد حسین صاحب ان دونوں مرحوم درویشان
کے ساتھ کنویں والی طرف چل پڑے نیاز صاحب نے کہا آپ چلیں میں یہ کاغذ
دے کر آتا ہوں ۔ یہ خواب اپنے اہلِ خانہ کو سُنائی اور حسب توفیق صدقہ بھی
دیا ۔ مستری محمد حسین صاحب کی وفات ۲۵ جولائی ۱۹۸۶ء کو اور نیاز صاحب کی
وفات ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء گویا کل ۲۰ روز بعد ہوئی ۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے گیارہ بچے عطا فرمائے ۔ پانچ بچے کم سنی میں ہی وفات
پا گئے ۔ تین بچیاں اور تین لڑکے آپ کی یادگار ہیں ۔ آپ سنجیدہ مزاج تھے ۔ اور
طبیعت میں طنز اور مزاح بھی ودیعت ہوا تھا ۔ مجلس میں بیٹھے ہوتے تو کوئی چھوٹی سی

بات اسی طور پر کہہ جاتے کہ مجلس قہقہ زار بن جاتی ۔ مزاح کوئی شئی خارج نہیں ہے
یہ چھپا ہوا ملکہ ہوتا ہے ۔ الفاظ میں واقعات میں گفتگو میں افعال میں حرکات میں
ڈھونڈنے والی نگاہ اسے کھوج نکالتی ہے ۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں ذکر ہورہا تھا
کہ دفاتر میں بعض کارکنان دیر کر کے آتے ہیں ۔ مکرم نیاز صاحب آڈیٹر تھے ۔
آڈیٹر کی نِگاہ عموماً خامیوں پر رہتی ہے ۔ کہنے لگے بھائی بعض اوقات تو اس قسم کی
مجبوری آن پڑتی ہے کہ نہ پوچھیئے ۔ آپ میں بہت سی خوبیاں تھیں ۔ اور بڑے
وفادار دوست تھے ۔ بچپن میرے ساتھ گذارا اور عین عالمِ جوانی میں ہم دونوں
درویش رہ پڑے اور ساتھ ساتھ رہے ۔...... واقعات کا اس قدر ہجوم ہے کہ یہ مختصر
مضمون ان کا متحمل نہیں ہوسکتا ۔

زندگی کا وہ شعلہ جو ۵۸ سال تک لو دیتا رہا اب تہہ خاک دونوں ہے ۔ اللہ
تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے ۔ اور آپ کی اولاد کے مستقبل کو روشن اور
تابناک بنائے ۔ آمین

افتخار احمد صاحب اشرف مرحوم

راستہ ہے کہ کٹتا جاتا ہے
فاصلہ ہے کہ کم نہیں ہوتا

ہمارے نہایت ہی ہردل عزیز درویش مکرم افتخار احمد صاحب اشرف ہم سے جدا ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مکرم گیانی بشیر احمد صاحب مرحوم کی وفات پر ۱۹۷۹ء میں خاکسار نے ان کے حالات پر تحریر کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ دو نوجوان شاہدرہ لاہور میں نماز جمعہ پڑھنے اور دیگر جماعتی تقاریب میں شرکت کرنے آیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک گیانی بشیر احمد صاحب مرحوم تھے۔ میرا یہ مضمون چھپنے پر بعض دوستوں نے دوسرے نوجوان کے بارہ میں دریافت کرنے کی غرض سے خطوط لکھے تھے۔ ان بھائیوں کو میں نے بذریعہ خط جواب لکھ دیا تھا۔ ہوسکتا ہے میرے دیگر قاری حضرات کو بھی یہ تشنگی محسوس ہوئی ہو۔

بات یوں ہے کہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں دو نوجوان ٹیکنیکل ٹریننگ سکول شاہدرہ لاہور میں داخل تھے۔ یہ سکول شاہدرہ ٹاؤن سے دو میل کے فاصلہ پر گوجرانوالہ روڈ پر واقع تھا۔ اور اس سے آگے گوجرانوالہ کی طرف جاتے ہوئے ایک وسیع میدان افتادہ زمین کا پڑا ہوا تھا۔ جس میں آج کل شاہدرہ کی خوبصورت کالونی رچنا ٹاؤن آباد ہے۔ چونکہ یہ سکول شاہدرہ ٹاؤن سے خاصے فاصلہ پر آباد ہے اس

لئے دونوں نوجوان جن کے نام اس وقت مجھے معلوم نہیں تھے صرف نماز جمعہ کے لئے شاہدرہ آیا کرتے تھے۔ اتوار کو چھٹی ہوا کرتی تھی اس لئے اتوار کو بھی احمدی احباب سے ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے۔ اپنی طبی ضروریات کے لئے حضرت حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے مطب میں بھی آیا کرتے تھے۔ اس طرح ان سے تعارف کی ابتداء ہوئی۔

مکرم گیانی بشیر احمد صاحب کپڑوں پر رنگ اور چھپائی کا کام سیکھ رہے تھے اور مکرم افتخار احمد صاحب اشرف سپرنگ دار فرنیچر صوفہ سیٹ کی تیاری اور کرسیاں بننے کا کام سیکھ رہے تھے۔

طبیہ دارالعلوم شاہدرہ میں زیر تعلیم ہم لڑکوں کی سال کے آخر میں بعض جڑی بوٹیوں کی مطب کے لئے فراہمی کی ڈیوٹی ہوا کرتی تھی۔ میری ڈیوٹی اس مرتبہ شیر مدار فراہم کرنے کی تھی اور میں فکرمند تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہوگا۔ اتوار کو جب یہ نوجوان آئے تو ہم طلباء! ہم اس تعلق میں پروگرام سوچ رہے تھے۔ ایک سندھی طالب علم کی ڈیوٹی ریگ ماہی فراہم کرنے کی تھی۔ اتوار کو اسی روز یہ دونوں نوجوان مطب میں آئے۔ تو ان میں سے مکرم افتخار احمد صاحب اشرف نے کہا کہ ہمارے سکول کے ساتھ لگتا ہوا ایک وسیع میدان ہے جس میں مدار کے ہزاروں پودے موجود ہیں۔ اس لئے شیر مدار جمع کرنا مشکل نہیں۔ نیز بتایا کہ میں نے وہاں ایک سوراخ میں ریگ ماہی کو داخل ہوتے بھی کئی بار دیکھا ہے۔ اُمید ہے وہاں مل جائے گی۔ چنانچہ ہم پندرہ طلبا ان کے ہمراہ چل پڑے اور وہاں جاکر نشان کردہ سوراخ کی کھدائی کی اور تیسرے پہر تک اس میں کامیابی حاصل ہوگئی ایک جوڑا ریگ ماہی کا اس میں سے مل گیا تھا۔ ہم بڑی خوشی سے واپس آئے اور پھر میں کئی روز تک شیر مدار کی فراہمی کی غرض سے وہاں جاتا رہا۔

۱۹۳۹ء کے آخر میں جنگ عظیم ثانی کا زور ہو گیا تھا۔ اور یہ نوجوان وہاں سے اپنی ٹریننگ ختم کر کے واپس آ گئے تھے۔ مکرم افتخار احمد صاحب اشرف فیروز پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد صاحب کا نام مکرم ماسٹر محمد علی صاحب اظہر تھا۔ اور مکرم افتخار احمد صاحب اشرف بتایا کرتے تھے کہ ان کے والد صاحب نے ان کا نام اِس طور پر تجویز کیا ہے کہ اس کے اعداد میں مادہ تاریخ پیدائش نکلتا ہے۔ سو میں نے اس کا حساب لگایا ہے تو پیدائش کا سال ۱۹۱۶ء ہے۔

آپ یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ آپ کے تایا محترم محمد اسمٰعیل صاحب مُعتبر مرحوم کی اولاد نہ تھی۔ اس لئے میرے والدین سے مجھے لے کر انہوں نے پرورش کیا۔ آپ ۱۹۴۰ء میں کسی وقت قادیان آ گئے۔ اور یہاں قادیان میونسپل کمیٹی میں بطور محرر چونگی ملازم ہوئے۔ آپ کا رہائشی مکان محلّہ دارالشکر میں واقع ہے۔

تقسیم ملک کے وقت آپ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ پاکستان چلے گئے تھے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں جب بعض ناگزیر وُجوہات کی بنا پر چند درویشوں کو واپس بھجوانا پڑا۔ تو آپ تبادلہ میں ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو قادیان آ کر درویشوں میں شامل ہوئے۔

قادیان میں ۱۹۴۸ء کے آخر تک صورت حال اس طرح تھی کہ جن افراد نے ضروریات زندگی کی خرید وفروخت کے لئے بازار جانا ہوتا یا بٹالہ امرت سر وغیرہ مقامات پر جانا ہوتا تو یہ تین چار افراد کا وفد بنا کر جایا کرتے۔ جانے سے قبل اپنے نام دفتر افسر بازار میں نوٹ کروا کر جاتے۔ تاکہ اگر یہ لوگ بروقت واپس نہ آئیں تو جماعت اس بارہ میں ضروری انتظام کر سکے۔ مکرم افتخار احمد صاحب اشرف کو مرزا غالب بیگ صاحب کی واپسی پر افسر بازار مقرر کیا گیا۔ اور آپ کئی سال تک افسر بازار رہے۔

۱۹۵۰ء میں دفاتر صدر انجمن احمدیہ کی تنظیم نو میں آپ کو اوّل دفتر اُمور عامہ میں پھر دفتر بیت المال میں اور بالآخر دفتر محاسب میں بطور محرر خدمت کا موقعہ ملا۔ محاسب میں آپ نے زیادہ عرصہ خدمت کی اور ایک لمبے عرصہ تک بطور خزانچی بہتر رنگ میں خدمات بجالاتے رہے۔ اور اسی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے۔

شکار کا آپ کو بہت شوق تھا۔ خاص کر مچھلی کے شکار کا۔ آپ نوجوانوں کو ترغیب دے کر اپنے ہمراہ مچھلی کے شکار کے لئے لے جاتے۔ اور رات رات بھر دریاؤں اور جوہڑوں کے کنارے شکار میں مصروف رہتے۔ پرندوں کے بارہ میں وسیع معلومات رکھتے تھے۔ سینکڑوں جانوروں کی تصاویر آپ نے اپنے پاس محفوظ کر رکھی تھیں۔ ان کی عادت ان کی خوراک وغیرہ کے بارہ میں وسیع معلومات آپ نے جمع کر رکھی تھیں۔ جو دوست احباب کی مجالس میں بیان کیا کرتے تھے۔ وسعت معلومات اور نوادرات کے جمع کرنے کے شوق اور حاصل شُدہ معلومات کو دوسروں تک یہ شوق پہنچانے کے باعث ہی دوست احباب آپ کو اُستاد جی کہہ کر پکارتے تھے۔

۱۹۵۰ء میں آپ نے احمدیہ چوک میں ایک دوکان لے کر صوفہ سیٹ مرمت کرنے اور بید کی کرسیاں بننے کا کام شروع کیا تھا۔ جس سے محلّہ احمدیہ میں غیر مسلم افراد کی آمد و رفت بڑھی۔ اور پھر کئی ایک احمدی بھائیوں نے کرسیاں بننے کا فن آپ سے سیکھا۔ اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ۳۰-۱۲۵ افراد ایسے موجود ہیں جو آپ سے سیکھے ہوئے فن سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

سیر وسیاحت کا آپ کو شوق تھا۔ آپ نے لدھیانہ، ہوشیار پور، بھاکڑہ ڈیم ننگل ڈیم روپڑ نہر، اور مادھو پور ہیڈورکس کے سفر چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر بذریعہ سائیکل کئے۔ اور ان سفروں سے بہت سے تجارب حاصل کئے۔

سروس سے ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہو گئے تھے۔ مگر ان کی حسن کارکردگی کے باعث ان کو ری ایمپلائی کر لیا گیا تھا۔ آپ ری ایمپلائی ہو کر مزید ۱۰ سال تک بطور خزانچی محاسب میں خدمت بجالاتے رہے۔ اور پھر آپ نے خود ہی مزید عرصہ کام کرنے سے معذرت کر دی۔ اور گذشتہ چار سال سے فارغ ریٹائر زندگی گذار رہے تھے۔

۱۹۵۲ء میں آپ کو درد گردہ کا شدید حملہ ہوا۔ گو اس سے قبل بھی وہ درد گردہ محسوس کیا کرتے تھے مگر اس دفعہ شدید حملہ ہوا۔ امرتسر لے جا کر ایکسرے اور دیگر ٹسٹ کروائے گئے تو معلوم ہوا کہ ایک گروہ بیکار ہو چکا ہے۔ ڈاکٹری ہدایت کے مطابق ایک گردہ نکال دیا گیا۔ اور تب سے آپ ایک گردہ کے سہارے ہی زندگی بتاتے چلے آرہے تھے۔

۱۹۵۰ء میں آپ نے اپنی تائی صاحبہ مسماۃ اولیاء بیگم صاحبہ مرحومہ کو اپنے پاس قادیان بلوالیا تھا۔ جن کی خدمت آپ نہایت توجہ اور فکر مندی سے ان کی زندگی تک کرتے رہے۔ آپ نے دو شادیاں کیں۔ ایک شادی جو ۱۹۴۷ء سے قبل کی تھی۔ اس سے نباہ نہیں ہو پایا۔ اور آپ ۱۹۴۸ء میں قادیان آتے ہوئے اس کو طلاق دے کر آگئے تھے۔ دوسری شادی آپ کی زمانہ درویشی کے ابتدائی سالوں میں (جب حضور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے درویشوں کو شادیاں کر لینے کی اجازت مل گئی تھی) کشمیر میں کی یہ شادی بھی کامیاب نہیں ہو پائی۔ اور چند ماہ بعد علیحدگی ہو گئی۔ اور آپ نے بقیہ زندگی نہایت صبر سے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے تجرد کی حالت میں گذاری۔

چند سالوں سے آپ اظہار کرتے رہتے کہ میری زندگی اب آخری مرحلوں پر ہے۔ اور کسی بھی وقت مجھے بلاوا آسکتا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے پوری تیاری

کر لی ہے۔ اور تمام چندہ جات کا حساب صاف ہے۔ مجھے کئی دفعہ بُلا کر کہا کہ ان دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب قادیان سے باہر ہیں۔ اگر ان ایام میں میری وفات ہو جائے تو میرا چندہ جات کا حساب تو صاف ہے۔ میرا ترکہ محفوظ رکھا جائے اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی واپسی پر ان کے سپرد کر دیا جائے۔ ترکہ کے بارہ میں میں نے حضرت میاں صاحب کو عرض کر دیا ہوا ہے۔

آپ کا قیام ایک لمبے عرصہ تک حضرت نواب حجۃ اللہ محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کے شہر والے مکان کے نچلے حصہ میں ایک کمرہ میں رہا۔ ایک سال سے اُنہیں مسجد اقصیٰ کے ساتھ مینارۃ المسیح کے مشرق میں نئے تعمیر کردہ ہوادار کمرے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اور ماہ فروری ۱۹۹۰ء میں ان کی خواہش کے مطابق انہیں مہمان خانہ کے ایک کمرہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کمزوری اور نقاہت تو وہ گذشتہ ایک سال سے بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ سانس زیادہ پھولنے لگا تھا۔ امرتسر سے ضروری ٹسٹ کروانے اور ای۔سی۔جی (E.C.G) کرانے سے معلوم ہوا کہ ہارٹ کی تکلیف ہے۔ وفات سے چند ہفتہ قبل پھر اٹیک ہوا۔ بٹالہ سے علاج ہو کر طبیعت ایک حد تک سنبھل گئی۔ مگر کمزوری بے حد ہو گئی۔ بمشکل پیشاب اور دیگر حوائج کے لئے جا سکتے تھے۔ مؤرخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۰ء کو صبح افسر صاحب لنگر خانہ مکرم وحید الدین صاحب شمس نے اطلاع دی کہ مکرم افتخار احمد صاحب اشرف کی طبیعت آج زیادہ نڈھال ہے۔ ان کے پاس ڈیوٹی کے لئے کوئی خادم ہر وقت موجود رہنا ضروری ہے۔ اس اطلاع پر ابھی کارروائی ہو رہی تھی کہ قریب گیارہ بجے محترم افتخار احمد صاحب اشرف ایک ہی جست میں اپنے پیارے خدا کی رضا کی جنتوں میں پہنچ گئے۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

بعد نماز عصر حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے مدرسہ احمدیہ کے صحن میں نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ تدفین کے موقع پر ایک دم موسلا دھار بارش ہو کر تمام حاضرین بھیگ گئے۔ اور دُعا کے بعد پھر بارش تھم گئی۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کی بارش تھی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت کے سایہ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قرب خاص میں جگہ دے۔ آمین

قمر الدین صاحب دہلوی

یہ لحہ لحہ حسیں دھوپ کے اترنے کا
عجیب سلسلہ ہے عمر کے گذرنے کا

فروری ۱۹۴۸ء کی سہانی صبح تھی۔ جملہ کار روڈ تھا میں اپنے ہانڈی وال دونوں ساتھیوں کے ساتھ ناشتہ کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔ کہ مکرم امیر الدین صاحب درویش بڑے خوشی کے موڈ میں اس بالا خانہ پر آئے جو مسجد مبارک کے بڑے آہنی گیٹ کے سامنے تھا اور اس میں ان دنوں مکرم مرزا منور احمد صاحب، مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز رہائش پزیر تھے۔ امیر الدین صاحب نے آتے ہی مجھے کہا کہ ذرا جلدی سے میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو ایک ماجرا دکھانا چاہتا ہوں۔ میں کشاں کشاں ان کے ہمراہ ہولیا۔ اور ہم دونوں چلتے ہوئے اس مکان میں آئے جس میں آج کل مکرم فتح محمد صاحب نانبائی کی رہائش ہے۔ اب تک قادیان میں مکمل طور پر تجرد کا ماحول تھا اور دو دو چار چار درویش باہم مل کر مکانوں میں رہائش پذیر تھے۔ اس میں ایک کمرہ میں اہل خانہ کا سامان بند تھا۔ اور ایک کمرہ میں دو درویش رہائش پزیر تھے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ یہ دونوں درویش چائے کی پتی کو ابال کر اس کا پانی گرا کر پتی میں شکر ملا کر کھا رہے ہیں۔ بظاہر یہ ایک لطیفہ تھا۔ دراصل صورت حال اس طرح واقع ہوئی تھی کہ مکرم امیر الدین صاحب نے آسام سے قادیان آتے ہوئے دارجلنگ کی اعلیٰ درجہ کی چائے کی دو پیٹیاں قادیان کے

لئے ریلوے سے بک کروائی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں دوست احباب کو تحفۃً تقسیم کر دیں گے۔ ان کی قادیان آمد تک پارسل ابھی نہیں پہنچا تھا۔ بعد ازاں ریلوے کی آمدورفت بند ہوگئی اور یہ پارسل رستہ میں کسی جگہ پڑا رہا۔ ۱۹۴۸ء کے شروع میں جب ریلوے سروس بحال ہوئی تو ان کا رُکا ہوا پارسل بھی آ گیا۔ امیرالدین صاحب نے یہ چائے دوست احباب میں جو درویش ہی تھے تقسیم کر دی چونکہ امیرالدین صاحب کی رہائش ساتھ والے مکان میں تھی۔ پڑوسی کا حق ادا کرتے ہوئے ایک کلو پتی ان دونوں کو بھی دے دی۔ یہ دونوں بھائی مکرم قمرالدین صاحب دہلوی اور مکرم سلیمان صاحب دہلوی تھے۔ دونوں درویش آپس میں عم زاد برادر تھے اور ۱۹۴۶ء کے جلسہ سالانہ پر گھر میں اطلاع دیئے بغیر قادیان چلے آئے تھے۔ ان کا گاؤں سرس پور ضلع گوڑگاؤں میں تھا۔ اور وقوعہ کے لحاظ سے دھلی کے نواح میں واقعہ تھا۔ اس مقام پر آج کل دھلی کی نئی سبزی منڈی آزادنگر آباد ہو چکی ہے۔ اور سرس پور کا گاؤں کل آبادی زمین سمیت دھلی کارپوریشن ایریا میں آ چکا ہے۔

ان ایام میں جب یہ دونوں نوجوان اس گاؤں کو خیر باد کہہ کر دارالامان کو نکل کھڑے ہوئے تھے یہ ایک گاؤں تھا۔ دیہاتی طرز زندگی اور سادہ ماحول تھا۔ کسان اور کسانوں کے بچے دودھ، لسی، رس پینے والے تھے۔ ساگ، پات، سبزیاں ان کی خوراک تھی۔ چائے اور اس کے تکلفات سے ناواقف تھے۔ چائے کی پتی تحفہ میں پاکر انہوں نے یہی قیاس کیا کہ یہ سوکھی میتھی کی طرح پکا کر کھانے والی کوئی سوغات ہے۔ لہذا انہوں نے اپنی پسند کے مطابق اس کو پکا کر کھایا۔ مکرم محمد سلیمان صاحب دہلوی نوجوان تھے اور مکرم قمرالدین صاحب بالکل نوعمر تھے۔ ان کا سن بمشکل ۱۸ سال ہوگا۔

۱۹۴۴ء میں دہلی میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اپنی منشاء کے تحت دہلی کے شہریوں کو گواہ ٹھہرا کر اعلان فرمایا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی مرقومہ وموسومہ سبز اشتہار کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اس جلسہ میں شریک ہونے کی غرض سے سرس پور سے بھی کچھ لوگ آئے ہوئے تھے۔ قمرالدین صاحب کے بڑے بھائی امام دین صاحب نے بیعت کی ہوئی تھی۔ اور آپ کی تحریک پر ہی سرس پور کے باقی افراد جلسہ میں دہلی آئے تھے۔ اس جلسہ کے بعد سرس پور سے مکرم محمد سلیمان صاحب کے والد مکرم رسول بخش صاحب اور بعض اور افراد نے بیعت کی۔ اور اسی جلسہ کی وجہ سے محمد سلیمان صاحب وقمرالدین صاحب کے دِل میں وہ چنگاری سُلگ اٹھی۔ جو شعلہ زن ہو کر ان دونوں کو اوّل قادیان اور پھر درویشان قادیان میں شامل کرنے کا باعث بنی۔ مکرم قمرالدین صاحب مرحوم کے والد صاحب چار بھائی تھے۔ اور راجپوت برادری میں سے تھے۔

۱۔ رسول بخش صاحب والد مکرم محمد سلیمان صاحب درویش

۲۔ گھیسیا صاحب احمدی نہیں ہوئے۔

۳۔ منگت

۴۔ سانولیا (محمد عمر صاحب) والد مکرم قمرالدین صاحب، قمرالدین صاحب مرحوم بھی پانچ بھائی تھے۔

۱۔ امام دین صاحب:۔ احمدیت قبول کی اور ۱۹۴۷ء سے قبل وفات پا گئے۔

۲۔ سراج الدین صاحب:۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے کراچی چلے گئے۔

۳۔ قمرالدین:۔ ابتدائی درویشان میں سے تھے۔

۴۔ مہردین:۔ آجکل حیدر آباد میں مقیم ہیں۔

۵۔ عمرالدین صاحب: ۔آجکل قادیان میں ہیں۔ چائے کی دوکان ہے۔

۱۹۴۸ء کے جلسہ سالانہ قادیان پر ہندوستان سے پچاس افراد پر مشتمل ایک قافلہ بذریعہ ریل قادیان آیا تھا۔ اس قافلہ کے امیر مکرم مولوی بشیر احمد صاحب فاضل دہلوی تھے۔ اس قافلہ میں مکرم قمرالدین صاحب دہلوی کے والد مکرم محمد عمر صاحب مرحوم بھی آئے تھے۔

مکرم محمد عمر صاحب کا گاؤں میں مشہور ومعروف نام سانولیا تھا۔ مکرم قمرالدین صاحب نے جب درویشی کی ابتداء میں اپنا نام لکھوایا تو اپنے خیال کے مطابق انہوں نے اپنی ولدیت کے خانہ میں اپنے والد صاحب کا اسلامی نام محمد ابراہیم لِکھوادیا تھا۔ ۱۹۴۸ء کے جلسہ سالانہ کے لئے جب مکرم مولوی بشیر احمد صاحب نے گورنمنٹ سے قافلہ کی منظوری کی خاطر جو فہرست تیار کی اس میں قمرالدین صاحب کے والد صاحب کا اسلامی نام محمد عمر تجویز کر کے فہرست میں لکھ دیا تھا۔ اور اسی کے مطابق سرکار سے منظوری ملی تھی۔ جب قافلہ قادیان پہنچا تو مکرم قمرالدین صاحب بھی اپنے والد صاحب کو لینے آئے۔ ان کے والد صاحب کا نام محمد ابراہیم فہرست میں نہیں تھا۔ پھر انہوں نے کہا سانولیا نام دیکھیں۔ یہ نام بھی فہرست میں نہیں تھا۔ قمرالدین صاحب واپس چلے گئے۔ مگر محمد عمر نامی مہمان ابھی تک انتظار میں تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ قمرالدین صاحب کے والد اور محمد سلیمان صاحب کے چچا ہیں۔ تب ان دونوں کو بلا کر اپنے بزرگوار کو ساتھ لے جانے کے لئے کہا گیا۔

سرس پور میں تقسیم ملک کے بعد محمد عمر صاحب کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ بڑے بھائی رسول بخش صاحب وفات پاچکے تھے ان کی اولاد پاکستان ہجرت کر گئی تھی۔ اور دو باقی گھیسیا۔ اور منگت خود اور ان کی اولادیں۔ شدھ ہوگئی تھیں۔

ان حالات میں مکرم محمد عمر صاحب نے درخواست کی کہ انہیں مع اپنی اہلیہ اور دولڑکوں کے قادیان ہجرت کر کے آجانے کی اجازت دی جائے۔ وہ اس ماحول سے نکلنا چاہتے ہیں۔ ان کی درخواست منظور ہوئی اور ۲۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو سرس پور سے ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ اس طرح قمرالدین صاحب کی والدہ محترمہ حسین بی بی صاحبہ مرحومہ وہ پہلی خاتون ہیں جن کو زمانہ درویشی میں قادیان آکر آباد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ قمرالدین صاحب کے والد محترم مکرم محمد عمر صاحب نے ۱۶ اگست ۱۹۵۲ء میں قادیان میں وفات پائی۔ اور والدہ محترمہ حسین بی بی صاحبہ نے ۱۹۹۰ء کو جبکہ وہ قادیان سے اپنے بیٹے مکرم مہر دین صاحب کے ہمراہ علاج اور تبدیلی آب وہوا کی خاطر حیدرآباد گئی ہوئی تھیں وفات پائی۔

مکرم قمرالدین صاحب خاموش طبع کم گو نہایت سادہ زندگی بسر کرنے والے نہایت فرمانبردار۔ قربانی کا جذبہ رکھنے والے درویش تھے۔ ۵۱-۱۹۵۰ء میں درویشوں کی شادیاں ہوجانے اور متاہل درویشاں کے اہل وعیال پاکستان سے قادیان آجانے کی وجہ سے جب صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ پر غیر معمولی اخراجات کا بوجھ پڑا تو صدا نجمن احمدیہ نے حضور انور کی اجازت سے درویشان میں یہ تحریک کی کہ جو درویشان خود اپنی روزی کما سکتے ہوں وہ ہمت کر کے کوئی کام کریں۔ اس طرح خزانہ سے اخراجات کا بوجھ کم ہوگا۔ اور ایسے افراد ثواب کے بھی مستحق ہوں گے۔ مکرم عمرالدین صاحب فارغ ہو کر پہلے قادیان میں کاشتکاری گھروں میں سفیدی ورنگ وروغن کرنا وغیرہ کام کرتے رہے۔ پھر اجازت لے کر ۱۹۵۷ء میں دہلی چلے گئے۔ اور وہاں مکرم رحمت اللہ خان صاحب کے کارخانہ میں ماربل چپس کی مصنوعات جیسے سِنک بیسن، گملے وبینچ بنانے کا کام سیکھا اور ۱۹۶۰ء میں قادیان میں آکر یہ کام چالو کیا۔ مگر اس چھوٹے شہر میں مانگ کم ہونے کی وجہ

سے کامیابی نہ ہوسکی۔ ان کے چھوٹے بھائی مکرم مہر دین صاحب نے جن کی شادی
حیدرآباد میں ہو چکی تھی۔ یہ تجویز کیا کہ ہم حیدرآباد میں جا کر قسمت آزمائی
کر دیکھیں۔ ہوسکتا ہے وہاں کامیابی ہوجائے۔ دونوں بھائی اس ارادہ کے
ساتھ۔ ہرچہ باداباد کہتے ہوئے ۱۹۶۳ء میں حیدرآباد روانہ ہوگئے۔ اور وہاں
چار پانچ سال تک ان تھک محنت کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی سے نوازا اور
اچھے پیمانہ پر کاروبار چل نکلا۔ اور مکرم مہر دین صاحب اب تک وہاں اس کام کو
نہایت عمدگی سے چلا رہے ہیں۔

مکرم قمر الدین صاحب کو قادیان سے مسلسل باہر رہنا پسند نہیں آیا۔ اور آپ
۱۹۷۰ء کے قریب پھر قادیان چلے آئے اور تادمِ آخرین یہاں رہے۔

قمر الدین صاحب کی پہلی شادی قادیان میں ایک مرحوم درویش کی بیٹی سے
ہوئی۔ مگر یہ نباہ نہ ہونے کی وجہ سے قائم نہ رہ سکی۔ دوسری شادی حیدرآباد کے قیام
کے دوران ہوئی تھی۔ یہ بیوی بھی ان کے ساتھ قادیان آکر آباد ہونے پر رضامند
نہ ہوسکیں اور علیحدگی ہوگئی۔ اس میں سے دو بچے ایک لڑکا ایک لڑکی ہیں جو
حیدرآباد میں والدہ کے پاس ہیں۔ تیسری شادی حیدرآباد سے قادیان آنے کے
چند سال بعد اڑیسہ میں ہوئی۔ یہ اہلیہ اور دو لڑکے اور ایک لڑکی قادیان میں ان کی
یادگار ہیں۔ قمر الدین صاحب خاموش طبع کم گو اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے
والے نہیں تھے۔ جو کچھ بھی پیش آتا خاموشی سے سہہ جانے والے تھے۔ مالی تنگی کا
عارضہ اندر ہی اندر گھن کی طرح انہیں کھا چکا تھا۔

مؤرخہ ۱۶ جولائی ۱۹۹۰ء کو گھر کے صحن میں اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر چار پائی بُن
رہے تھے ابھی تھوڑی سی ہی بُن پائے تھے۔ قریب ساڑھے بارہ بجے کا عمل ہوگا۔
کہ ان کے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ان کے پڑوسی خواجہ عبدالستار

صاحب و خواجہ عبداللہ صاحب وہاں پہنچے۔ میں بھی اطلاع ملتے ہی فوراً وہاں پہنچا۔
دیکھا کہ بیوی بچے رو رہے ہیں۔ اور قمر الدین صاحب چار پائی کے ایک پائے پر
سر رکھے زمین پر بیٹھے ہیں۔ میں نے جاتے ہی نبض دیکھی نبض ندارد پھر بغل میں
نبض دیکھی تو نبض تھی۔ میں نے کہا جلدی سے ان کو اٹھا کر چار پائی پر ڈالا جائے۔
دوسری چار پائی پر ان کو لٹایا گیا۔ مُنہ میں پانی ڈالا گیا۔ میں نے ایک خادم کو بھگایا
کہ فوراً ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کو بلائیں۔ ڈاکٹر صاحب سنتے ہی فوراً پہنچ گئے۔ اور
آتے ہی حالت دیکھ کر کہا کہ یہ بھائی تو اب تیار ہے تاہم ایمرجنسی بیگ سے چھ
سات انجکشن لحہ لحہ بعد لگائے جس سے نبض کی حالت بہتر قدرے بہتر ہوگئی۔ اتنی
دیر میں مکرم صدر صاحب عمومی محترم مولوی محمد کریم الدین صاحب بھی وہاں پہنچ
گئے تھے۔ آپ نے محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت کے مطابق
ان کی دیکھ بھال اور علاج کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پہلے ان کو بذریعہ کار
سول ہسپتال قادیان لے جایا گیا۔ سول ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ
انہیں فوراً بٹالہ کے سول ہسپتال لے جانا مناسب ہے۔ لہذا فوری طور پر بٹالہ لے
جایا گیا۔ وہاں انہیں داخل کر کے ڈرپ چڑھانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ ہمارے
اس بھائی نے عہد وفا کو پورا کرتے ہوئے امانت امانت دار کے حوالے
کردی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

خیابانِ احمد میں تین نوشگفتہ پھول یادگار چھوڑ کر پورے اطمینان کے ساتھ
اپنے مولا کی رضا کی جنتوں میں جا بسا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ آپ پر رہے اور
ان کے بچوں کا مستقبل اللہ تعالیٰ روشن اور تابناک بنائے اور وہ بھی احمدیت کے
شیدائی اور جانثار رہیں۔ آمین

محترم مولانا شریف احمد صاحب امینی فاضل مرحوم

ایڈیشنل ناظرِ دعوۃ و تبلیغ قادیان کا ذکرِ خیر

محترم مولانا شریف احمد صاحب امینی ولد سیٹھ محمد ابراہیم صاحب ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو بمقام بنگہ ضلع جالندھر پنجاب میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ۱۹۳۴ء میں میٹرک پاس کر کے قادیان تشریف لے آئے تھے۔ اور یہاں مولوی فاضل جامعہ احمدیہ کا درجہ رابعہ مبلّغین کلاس ۱۹۳۸ء میں پاس کیا اور ۱۹۴۲ء میں ایف اے انگریزی بھی پاس کیا۔ مولوی فاضل و مبلّغین کلاس پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں دینی درس گاہ مدرسہ احمدیہ میں بطور مدرس مقرر ہوئے اور اگست ۱۹۴۷ء تک طلباء کو دینی تعلیم پر مامور رہے۔

مولانا صاحب عربی، انگریزی، اُردو اور پنجابی زبانوں میں بڑی عمدگی سے تقاریر فرماتے تھے۔ مذاہب عالم پر وسیع معلومات رکھتے تھے۔ اسلامیات کا گہرا مطالعہ تھا۔ تقسیم ملک پر آپ بطورِ درویش قادیان میں مقیم ہوئے۔ اور نومبر ۱۹۴۷ء سے ممبر صدر انجمن احمدیہ۔ نائب ناظر تعلیم۔ نائب ناظر اعلیٰ کی خدمات بجالائے۔ مبلّغ کے جملہ اوصاف کی بناء پر انہیں ۱۹۵۱ء میں مرکز کی طرف سے میدانِ تبلیغ میں بھجوایا گیا۔ اور ہندوستان کی بڑی بڑی جماعتوں میں حیدرآباد، بمبئی، مدراس، کلکتہ میں جنوری ۱۹۵۱ء سے فروری ۱۹۷۷ء تک تبلیغی و تربیتی خدمات بجالاتے رہے۔ بعد ازاں مرکز قادیان میں بطور ناظر دعوۃ و تبلیغ اور بطور ناظر امورِ عامہ

خدمات بجالائے اور آپ کو بیرونِ ہند بطور المبشر الاسلامی کبابیر فلسطین میں بھجوایا گیا اور ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۶ء تک وہاں خدمات بجالانے کے بعد واپس تشریف لائے۔ اور نظارت دعوۃ و تبلیغ میں بطور ایڈیشنل ناظر تادم واپسی خدمات بجالاتے رہے۔

مرحوم ۱/۱۰ حصہ کے موصی تھے۔ مولانا صاحب کو چند سال پہلے یرقان کا حملہ ہوا تھا اس کے بعد اُن کی صحت نہیں سنبھلی اور کمزوری بڑھتی گئی۔ جنوری ۱۹۹۰ء سے کمزوری میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور باوجود علاج کے صحت بحال نہیں ہوئی۔ اور ۲۲ فروری ۱۹۹۰ء بروز جمعرات قریباً ساڑھے چار بجے شام وفات پا گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مؤرخہ ۲۳ فروری کو بعد نمازِ جمعہ جنازہ گاہ بہشتی مقبرہ میں مرحوم کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ و تدفین میں کثیر التعداد احباب شریک ہوئے۔

مرحوم سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جیّد عالِم بہت سی خوبیوں کے مالک اور خوش بیان تھے۔ مرحوم کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ صاحبہ تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک چھوٹی بیٹی کے سوا سب بچے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا اظہارِ تعزیت

بروفات

محترم مولانا شریف احمد صاحب امینی مرحوم

پیاری مکرمہ بیگم صاحبہ شریف احمد صاحب امینی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محترم مولانا شریف احمد صاحب امینی کی وفات کا بہت صدمہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیلین میں جگہ دے۔ مرحوم نے ساری زندگی خدمتِ دین میں گذاری اور بڑے خلوص محنت اور ولولہ سے فرائض کو پورا کیا۔ حقیقت ہے کہ ان کی زندگی صفِ اول کے مجاہد کی زندگی تھی۔ تحریر تقریر میں بھی انہوں نے خاص مقام حاصل کیا اور تاریخ احمدیت میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ کا خادم بنائے۔ غم کے اس موقعہ پر میری طرف سے تمام بچوں اور عزیزوں کو دلی تعزیت اور ہمدردی کا پیغام دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور صبرِ جمیل کی توفیق دے۔ نمازِ جنازہ غائب پڑھا دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد
خلیفۃ المسیح الرابع

مولانا شریف احمد صاحب امینی

یہ میرے دھیمے قدم ضعف پیری سے نہیں
میں مطمئن ہوں اب میری منزل قریب ہے

ہمہ تن سلسلہ کی خدمت میں مصروف رہنے والے مجسم ایثار وقربانی اطاعتِ خلافت کا بے پناہ جذبہ لیئے ہوئے تحمل مزاج، عزم واستقلال کے پیکر، خوشگوار دھیمی چال، معاملہ فہم، مجمع پر چھا جانے والے مقرر تھے۔ آپ بنگہ ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ نے میٹرک پاس کر کے مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا۔ مدرسہ احمدیہ سے مبلّغین کلاس اور مولوی فاضل پاس کر کے مدرسہ احمدیہ میں ہی بطور مدرس ملازم ہوئے۔ ۱۹۴۷ء تقسیم وطن تک مدرسہ احمدیہ میں مدرس اور ٹیوٹر کی خدمات ادا کرتے رہے۔ تقریر کا ملکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر عطا ہوا تھا۔ اور آواز بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عطا تھی۔ ۱۹۴۷ء سے قبل خدام الاحمدیہ کے اجتماعات میں تقریری اور حسن قرائت ونظم خوانی کے مقابلوں میں بطور جج مقرر ہوا کرتے تھے۔ ۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو آخری کنوائے قادیان سے جانے کے بعد جو افراد قادیان میں دیار حبیب کی دربانی کے لئے بطور درویش ٹھہر گئے آپ ان میں شامل تھے۔ اور صدر انجمن احمدیہ کے ممبر تھے۔ ۱۹۵۱ء میں جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی تنظیم نو ہوئی تو آپ کو نائب ناظر تعلیم وتربیت اور نائب ناظر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اور پھر حضور انور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر آپ کو

حیدرآباد (آندھرا) میں بطور انچارج مبلّغ بھجوایا گیا۔ آپ جنوری ۱۹۵۱ء سے اپریل ۱۹۷۵ء تک میدانِ تبلیغ میں گراں قدر خدمات بجالاتے رہے۔ آپ نے حیدرآباد و بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں بطور انچارج مبلّغ کام کیا اور عام طور پر ہندوستان کے طول وعرض سے کشمیر سے مالابار اور آسام سے گجرات راجھستان تک تبلیغی خدمات کیں جو ہمیشہ تاریخ احمدیت میں یادگار رہیں گی۔ جن ایام میں آپ کلکتہ میں انچارج مبلّغ تھے حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں سفر یورپ کی بھی سعادت پائی۔ اور متعدد یورپی جماعتوں میں جانے اور تقاریر کرنے کا موقعہ بھی آپ کو ملا۔ ۱۹۸۴ء میں اسرائیل میں ایک تجربہ کار جہاندیدہ مبلّغ بھجوانا زیرغور تھا۔ حضور انور خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کی نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ اور حضورِ انور کے منشاء مبارک پر آپ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں اسرائیل پہنچے اور ایک سال تک وہاں پیغام حق پہنچانے اور احمدی احباب کی تعلیم وتربیت کا فریضہ احسن رنگ میں اُدا کرنے کے بعد آپ واپس قادیان آئے۔

آپ ۱۹۷۷ء میں ریٹائر ہوکر بمبئی سے قادیان تشریف لے آئے۔ اور یہاں ناظر دعوت وتبلیغ کا قلمدان آپ کے سپرد ہوا۔ آپ کچھ عرصہ بطور ناظر امور عامہ بھی خدمت بجالاتے رہے۔ آپ کی طبیعت کا غالب رجحان تبلیغ کی طرف تھا۔ سفر اسرائیل سے واپسی پر آپ کچھ عرصہ فارغ رہ کر آرام فرماتے رہے اور بعد میں آپ کو پھر دفتر نظارت تبلیغ میں بطور ایڈیشنل ناظر دعوت وتبلیغ مقرر کیا گیا اور یہ خدمت آپ آخری دم تک نباہتے چلے گئے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بلاوا آگیا۔

صدسالہ جشن تشکر کے پروگراموں میں لدھیانہ میں بھی جماعت احمدیہ کی

طرف سے ایک تعارفی جلسہ کا انعقاد پروگرام میں شامل تھا۔ اس جلسہ کے انتظامات کے لئے جو سب کمیٹی صدر انجمن احمدیہ نے مقرر فرمائی تھی آپ بھی اس کے ممبر تھے۔ اس غرض سے ماہ فروری میں ابتدائی انتظامات کی غرض سے لدھیانہ کا سفر کیا گیا۔ آپ خود اس سفر پر تشریف لے گئے۔ اور بڑی جواں ہمتی سے جملہ امور طے کرنے میں سرگرم رہے۔ اور ۲ اپریل ۱۹۸۹ء کو لدھیانہ اجلاس کے بعد تک آپ ماشاء اللہ صحت مند تھے۔ اپریل کے آخر میں آپ پر یرقان کا حملہ ہوا۔ جس کا علاج امرتسر سے کرایا جاتا رہا۔ اور چند ماہ کے علاج کے بعد آپ پھر کام کرنے کے قابل ہوگئے۔ کئی سالوں سے آپ کو شوگر کا مرض بھی لاحق تھا۔ جس کی آپ باقاعدہ دوائی کھاتے رہتے تھے۔ اور گاہ بگاہ بلڈ شوگر چیک بھی کرواتے رہتے تھے۔ شوگر کی کمی بیشی سے طبیعت میں اتار چڑھاؤ کی صورت اکثر بنی رہتی تھی۔ ۱۹۸۹ء کے جلسہ سالانہ کے بعد طبیعت زیادہ نڈھال رہنے لگی۔ امرتسر لے جاکر ضروری ٹسٹ کروائے گئے اور علاج پوری توجہ سے جاری رہا مگر طبیعت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی۔ کچھ عرصہ امرتسر ہسپتال میں داخل رہ کر بھی علاج ہوتا رہا۔ ذرا طبیعت بحال ہوئی تو گھر لے آیا گیا۔ مگر چند روز بعد پھر حالت بگڑی۔ مشورہ ہوا کہ پھر امرتسر لے جایا جائے۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے اب کہیں نہ لے جائیں مجھے اپنی طبیعت کا حال معلوم ہے اور میں اب کہیں لے جائے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ آپ نے اس کے اگلے روز داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مولا کی رضا کی جنتوں میں داخل ہوگئے۔

آپ بنگہ کے رہنے والے تھے۔ تقسیم ملک سے قبل ہی آپ کی شادی اپنے ہی عزیزوں میں ہوگئی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں ایک مرتبہ چندی گڑھ سے واپس آتے ہوئے جب ہماری سواری بنگہ میں سے گذر رہی تھی تو مولوی صاحب نے فرمایا یہاں

روکیس میں آپ کو بنگہ کی سیر کرادوں۔ آپ نے یہاں ممبران وفد کو ساتھ لے جا کر اپنے مکانات دکھائے بازار میں پرانے لوگ جو واقف تھے ان سے ملوایا۔ اور اہل بنگہ نے پورے وفد کی بڑی پر تکلف ضیافت کی اور مولوی صاحب کے بزرگوں کے مناقب بیان کئے۔ آپ کے والد بزرگوار سیٹھ محمد ابراہیم مرحوم کے بارہ میں بنگہ کے پرانے افراد نے نہایت اچھے تاثرات بیان کئے۔

مولوی صاحب کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں اور اہلیہ یادگار ہیں۔ تینوں بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ بڑے بیٹے بمبئی میں ملازمت کرتے ہیں۔ ان کے اہل وعیال قادیان میں ہیں۔ باقی دونوں لڑکے قادیان میں ہیں۔ ایک دوکانداری کرتے ہیں اور ایک صدر انجمن احمدیہ کے دفتر میں ملازم ہیں۔ تینوں صاحبِ اولاد ہیں۔ ایک بیٹی کی شادی کلکتہ میں اور دوسری بیٹی کی شادی بمبئی میں ہوئی ہے۔ تیسری بچی قابل شادی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو بھی آپ کے رنگ میں رنگیں ہونے کی توفیق دے۔ اور ان کا خود کفیل ہو۔ اور ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم محمد عبداللہ صاحب نانبائی

آ گیا ہے کون میرے درد کی دہلیز پر
دل کے دروازے پہ کس کی یاد کا کھٹکا ہوا

میں اپنے یادوں کے شہر میں دور کہیں دور تک نکل گیا ہوں۔ اتنا پیچھے کہ مجھے اپنی یاد کی ابتدائی سرحدیں نظر آنے لگی ہیں۔ جب میں ابھی پانچ سال کا تھا۔ اور کاروبارِ زندگی کی الجھنوں سے بے خبر اور بے پرواہ تھا۔ غالباً گھر کی ضروریات کے لئے کچھ دالیں اور آٹا لانا مقصود تھا۔ اور میرے والد بزرگوار میرے برادر اکبر کو اس تعلق میں ہدایات دے رہے تھے۔ کہ فلاں جگہ جا کر مسجد اقصیٰ کے ساتھ والی گلی میں گھوم جانا۔ وہاں جا کر ایک دوکان آٹا دال نمک مرچ مصالحہ جات کی ہوگی۔ پوچھ لینا کہ یہ صدرالدین کی دوکان ہے۔ وہاں سے اپنی ضروریات کی اشیاء خرید لینا۔ وہاں دھوکہ کا امکان نہیں ہے اور تول پورا ملتا ہے۔ میں بھی ضد کرنے لگا کہ میں بھائی جان کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ اجازت مل گئی میں ساتھ ہوں یہ دوکان اس گلی میں تھی جو مسجد اقصیٰ کے بڑے گیٹ کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ حسب ہدایت ہم آئے تو بابا صدرالدین صاحب کی بجائے وہاں ایک نوجوان تھا۔ جس نے کمال صفائی سے ہر ایک ہماری ضرورت کی چیز ہمیں فراہم کی۔ یہ نوجوان محمد عبداللہ صاحب تھے۔ محترم صدرالدین صاحب ان کے والد بزرگوار تھے۔ یہ وقت گذر گیا۔ میرے بڑے بھائی ایک حادثہ کا شکار ہو کر جاں بحق ہوئے۔ اور

والدین ایک بار پھر قادیان کی رہائش ترک کر کے اپنے آبائی گاؤں جا بسے۔ میرے والد صاحب ملٹری میں تھے۔ جنگ عالم گیر ثانی شروع ہوئی تو انہیں بلاوا آگیا۔ اور میری والدہ پھر قادیان آگئیں۔ اس وقت کاروبار زندگی میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے جائزہ لیا ان دنوں بابا صدرالدین صاحب کسی بڑے نقصان کا شکار ہو کر معمولی درجہ پر صرف دالوں کا کام کیا کرتے تھے۔

ہاتھ والی ایک چکی دوکان میں پڑی رہتی تھی۔ جس پر کبھی بابا صدرالدین صاحب خود اور کبھی محمد عبداللہ صاحب دالیں دلتے نظر آیا کرتے تھے۔ گو زمانہ مالی تنگی کا تھا۔ مگر ان باپ بیٹے نے اپنے اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور محنت کر کے رزق حلال پر قناعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلوص کو نوازا۔ اور بابا صدرالدین صاحب جو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے تھے۔ اور ان کا بیٹا محمد عبداللہ صاحب دونوں درویشان قادیان میں چن لئے گئے اور ایک بڑا اعزاز ہے کہ صرف ایک ہی جوڑے کو جو باپ بیٹے پر مشتمل تھا۔ یہ شرف حاصل ہوا۔

مکرم محمد عبداللہ صاحب نے تنور میں روٹیاں لگانے کا فن بھی سیکھ لیا ہوا تھا۔ اور آپ اس میں بڑے ماہر تھے۔ اچھی اور تعداد میں زیادہ روٹی لگانے کا ایک آپ کا ریکارڈ ہے۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں بعض اوقات دو ہزار روٹیاں فی یوم لگانے کا ریکارڈ آپ نے قائم کیا۔ اور آج کل جس قدر عملہ نانبائیاں لنگر خانہ قادیان میں موجود ہے۔ آپ ہی کا ٹرینڈ کیا ہوا ہے۔

آپ کی شادی ۱۹۴۷ء سے قبل اپنے رشتہ داروں میں ہو چکی تھی۔ جس میں سے ایک بچی تھی۔ اہلیہ وفات پا گئیں اور بچی اپنے ننہال میں پلتی رہی۔ اور آپ خود اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں مصروف رہے۔ ۱۹۶۰ء میں حضرت بابا

صدرالدین صاحب رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ ان ایام میں محمد عبداللہ صاحب کی بیٹی بھی قادیان آچکی ہوئی تھیں۔ پھر بیٹی کی شادی کی فکر میں چند سال گذرے اور ۱۹۷۰ء میں بچی کی شادی سے فراغت پانے کے بعد آپ نے اڑیسہ میں دوسری شادی کی۔ جس میں سے چار لڑکے اور ایک لڑکی آپ کی یادگار ہیں۔

تنور پر کام کرنے کی وجہ سے آپ کو آکسیجن کی کمی کا سامنا رہتا تھا۔ جس سے سانس پھولنے کی شکایت پیدا ہوئی۔ اور محمد عبداللہ صاحب نے ریٹائرمنٹ لے لی اور علاج کے ساتھ ساتھ آرام کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ درمیان میں بعض اوقات طبیعت زیادہ بگڑ جاتی۔ انہیں امرتسر لے جا کر ہر قسم کے ٹسٹ کروانے پر معلوم ہوا کہ آپ کو ہارٹ انلارجمنٹ ہے۔ اور اسی کی وجہ سے دمہ کی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ انہیں مزید آرام کی سہولیات دی گئیں۔ ہر قسم کے کام سے فراغت اور علاج حسب حالات جاری رہا۔ جلسہ سالانہ ۱۹۸۹ء میں آپ چلتے پھرتے تھے۔ اور ایسا گمان نہیں ہوتا تھا کہ اتنی جلدی داغ مفارقت دے جائیں گے۔ مگر اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور ایک ہی دن کی علالت میں ہمارا یہ بھائی مؤرخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء کو ہم سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضاء کی جنتوں میں جا بسا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چوہدری فتح محمد صاحب گجراتی

سادہ لباس، سفید بھوری رنگ کی مناسب ڈاڑھی، پتلا مناسب قد، ۸۲ سال کی طویل عمر میں بھی نوجوانوں کا سا حوصلہ ہمت ۔ جفاکشی کی علامت آہنی قوت وارادہ کے مالک خدمت دین وانسانیت کی تصویر، بزرگ سادگی وقناعت، یہ چند خصوصیات تھیں ان بے شمار خصوصیات میں سے جو میرے والد مکرم چوہدری فتح محمد صاحب درویش اپنے اندر رکھتے تھے۔

مؤرخہ ۲۷ فروری ۱۹۸۸ء کا دن ہمارے لئے ایک صبر آزما دن تھا۔ جس روز ہمارے بزرگ والد ہم سب کو اداس اور غمگین چھوڑ کر اس دیارِ فانی سے کوچ کر کے دیار ابدی کو سدھارے ۔ آج ان کی یاد میں چند آنسو بہا کر ان کی مدح میں چند الفاظ صفحہ قرطاس پر لکھنا مقصود ہے۔ مرحوم نے احمدیت کا ورثہ اپنے والد چوہدری محترم قطب الدین صاحب ساکن شیخ پور نے گجرات مغربی پنجاب (حالیہ پاکستان) کے ذریعہ پایا۔ جب حضرت الحاج حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ابتدائی ایام خلافت کے ایک مبلغ آزیری نے ہمارے دادا جان کو تبلیغ کی۔ محترم والد صاحب اُس وقت بمشکل دس سال کے تھے جب ہمارے دادا جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مہدی زماں کی بیعت کی۔ والد صاحب مرحوم اس واقعہ کو اچھی طرح سے ذہن میں نقش کئے ہوئے تھے اور ہم کو بار از دیاد ایمان کی خاطر یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔ کہ میں اس وقت باہر سے کھیلتے ہوئے واپس گھر آیا تھا کہ جب دادا جان نے بیعت کی اور غیر احمدی رسم ورواج کے مطابق میرے

گلے میں چاندی کا ایک تعویذ باندھا تھا لیکن بیعت کے بعد دادا جان نے یہ تعویذ اتار کر اس چاندی کے ٹکڑا کو سلسلہ کی خدمت کے لئے دے دیا اور یوں والد صاحب نے بھی ہمارے دادا جان کے ہمراہ بیعت کر لی۔ ہمارے دادا جان اور پڑدادا جان کی جماعت میں شمولیت سے قبل شیخ پور میں بہت ہی عزت اور فراوانی تھی۔ زمینداری شان وشوکت کی وجہ سے ہر سال خاندان کی قبروں پر عرس ہوتے تھے۔ جن میں کثیر تعداد میں غیر از جماعت مسلمان اور دیگر افراد دور دور سے اس عرس میں شرکت کرتے تھے۔ مگر جماعت احمدیہ میں شرکت کے بعد دادا جان نے ان سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور پھر مخالفت نے بھی کچھ شدت اختیار کر لی۔ جس کی وجہ سے خاندانی ذرائع معاش پر کافی اثر پڑا۔ مگر دادا جان نے اِس دنیاوی عزت وخاندانی شوکت کی پرواہ نہ کی اور پھر احمدیت کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہی آپ اس دُنیا سے فوت ہوگئے۔ مگر تربیت کا ایک ایسا گُر ہمارے والد صاحب کی گھٹی میں ڈال گئے کہ آپ نے (یعنی والد صاحب نے) اُن سے بھی زیادہ پریشانیوں اور مشکلات میں اپنے آپ کو جماعت کے ساتھ وابستہ رکھا اور خلافت اولیٰ کے بعد ثانیہ اور پھر ثالثہ اور پھر رابعہ خلافت کے دَور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ گو والد صاحب کی پیدائش .... کی ہے مگر چونکہ اس وقت دادا جان نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب القادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آپ کی زندگی میں بیعت نہ کی تھی اور نہ ہی آپ کی زیارت کی تھی اس لئے آپ صحابی تو نہیں ہیں مگر عمر کے لحاظ سے آپ .... کی ایک

۶-۷ سال فوج میں ملازم رہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے موقعہ پر درویشانِ قادیان میں شامل ہو کر مرکز احمدیت میں رہائش اختیار کر لی۔

محترم والد صاحب ابتدائی درویشوں میں سے تھے۔ چونکہ آپ سب کچھ

چھوڑ چھاڑ کر خدمت کی غرض سے آئے تھے اس لئے پھر اسی سرزمین قادیان کے ہو گئے۔ یہ کئی سال تک اپنی اولاد سے جو کہ پہلی بیوی سے تھی دور رہے اور اسی دور ہی میں ہماری پہلی والدہ وفات پا گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اور پھر والد صاحب مرحوم نے دوسری شادی ایک احمدی بستی پنکال ضلع کٹک اُڑیسہ میں کی۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا عطا کیا۔ فالحمدللّٰہ

والد صاحب مرحوم نہایت محنتی اور جفاکش واقع ہوئے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ کے مختلف شعبوں بالخصوص نظارت علیا میں اسپرسٹ کلرک کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ بیوگان اور ضرورت مند احباب کی ذاتی طور پر بھی خدمت کرتے تھے۔ بڑھاپے میں بھی آپ کا حوصلہ، آپ کی ہمت، محنت، جفاکشی ہم نوجوانوں کیلئے مثال تھی۔ سردی ہو یا گرمی۔ دھوپ ہو یا برسات۔ آپ نے کھیتوں میں جا کر اپنے ہاتھوں سے زراعت کا کام کیا۔ اور وزنی بوجھ اُٹھا کر ہم کو شرمسار کیا۔

سلسلہ کی خدمت کا جذبہ طبعی طور پر تھا۔ ہمیشہ سلسلہ کے مبلّغین مربیان کی عزت افزائی کی اور ان کی خدمت کو اپنا حق سمجھا۔ واجبی چندوں کے علاوہ طوعی چندوں اور اسکیموں میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیا اور اپنی ماہانہ تنخواہ سے وضع کرواتے رہے۔ تمام خدام واطفال وانصار کے یا مرکزی جلسوں میں باقاعدہ حاضر ہو کر سُنتا اپنے لیئے فخر سمجھتے تھے۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر لنگر خانہ میں کھانا پکانے کی ڈیوٹی سرانجام دینا اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے۔ کہ مہمانوں کی خدمت کی سعادت مل جائے اور اُن کی دعائیں حاصل ہو جائیں۔ ایک خوبی اور وصف جس کا کہ ہر کوئی جو قادیان میں رہتا ہے اور فجر کی نماز میں شامل ہوتا ہے، اعتراف کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مدیحانہ رنگ میں بیان ہوا ہے کہ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سات لوگوں پر اپنا سایہ کرے گا جو ایسا کریں گے۔ ایسا کریں گے اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں لٹکا رہے گا۔ اور وہ مسجد میں ہو۔ چنانچہ ہم نوجوانوں کے لئے یہ بات بہت رشک کی ہے کہ تہجد کے وقت جب ہم سب لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے تھے۔ ہمارے بزرگ والد صاحب اپنے بستر کو چھوڑ کر فجر کی نماز سے آدھا پونہ گھنٹہ قبل ہی مسجد مبارک میں جاتے اور بیت الدعا میں نماز نفل ادا کرتے اور پھر فجر کی نماز کے درس کے خاتمہ کے بعد مسجد میں روزانہ تلاوتِ قرآن کرنا آپ کا مشغلہ یا روحانی غذا بن چکی تھی۔ آپ نے ہمارے اپنے سب خاندان کے لئے جماعت کے احباب کے لئے جنہوں نے آپ کو دعا کی درخواست کی مبلغین کے لئے اسیرانِ راہ مولیٰ کے لئے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے اور عالمِ اسلام کیلئے انسانیت کے لئے اور خلفاء کرام کیلئے بے شمار دعائیں کیں۔ اور بے شمار قبولیتِ دعا کی مثالیں اس کی زندہ ثبوت ہیں۔

ہمارے والد صاحب ذاتی طور پر کوئی زیادہ دنیاوی تعلیمی ڈگریاں نہیں حاصل کئے ہوئے تھے۔ مگر آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی اور عموماً کہا کرتے تھے کہ میں تو کُجھ (کچھ) نہیں پڑھیا ہویاں واں تسی تاں پڑھ جاؤ۔ یعنی میرے پاس تو کوئی دنیاوی ڈگری نہیں ہے مگر تم تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرلو۔ اور پھر اسی کوشش جدوجہد دعاؤں کا نتیجہ ہی ہے کہ آپ کی دوسری بیوی کی ساری اولاد ماشاء اللہ خوب پڑھی لکھی ہیں۔ پانچ بیٹیوں میں سے چار بیٹیاں باقاعدہ ٹیچرز ہیں۔ جن میں تین شادی شدہ ہیں اور دو قابل شادی ہیں۔ آخری بیٹی بھی ایم۔اے کی طالبہ ہے۔ اور خاکسار قاہرہ یونیورسٹی میں متعلم ہے۔ اور پہلی بیوی میں سے ایک بیٹا مکرم بشارت احمد صاحب کوثر ربوہ میں معلم وقفِ جدید ہیں۔ اور

دو بیٹے زراعت کا کام کرتے ہیں۔ اور ایک بیٹی بھی شادی شدہ ہے۔

مرحوم درویشی کے ابتدائی زمانہ سے موصی تھے۔ دسمبر میں بیمار ہوئے اور فروری کو وفات پائی۔ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ درخواست دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

قریشی عبدالقادر صاحب اعوان

دوسری عالمگیر جنگ اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ ہنگامہ کارزار گرم کئے ہوئے تھی۔ ملک فتح ہورہے تھے۔ اور آبادیاں ویران ہو رہی تھیں۔ پچھڑی ہوئی قومیں ابھر رہی تھیں اور عیش وعشرت میں غرق قومیں اندھے منہ قصرِ مذلت میں گر رہی تھیں۔ یورپ میں جنگ عظیم دوم نے تباہی کا بازار گرم کر رکھا تھا تو ایشیا میں اس کے شعلے ہندوستان کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ انڈونیشیا فتح ہوا۔ پھر سنگاپور ملایا ہندچینی اور برما کی فتح کے بعد جاپانی فوجیں ہندوستان کے دروازہ پر دستک دے رہی تھیں۔ کلکتہ میں حفاظتی ہوائی غبارے لہرا رہے تھے اور عوام کے دل سینوں میں خوف کے مارے دھڑک رہے تھے۔ ان ایام میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ امام الزمان کی بستی دارالامان خدا تعالیٰ کے فرشتوں کے پہرہ میں ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ نت نئے کارخانے کھل رہے تھے۔ انہی ایام کی بات ہے کہ ہمارے پیارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے لکڑی کے کھلونے بنانے کا ایک کارخانہ ''نصرت انڈسٹریز'' کے نام سے جاری فرمایا تھا۔ ان کھلونوں پر رنگ وروغن اور نقش ونگار بنانے کے انچارج مکرم مرزا محمد حیات صاحب درویش مرحوم تھے۔ آپ کی نگرانی میں نوآموز لڑکوں کا ایک گروپ رنگ وروغن کرنے کا کام سیکھتا تھا جنہیں کچھ مشاہرہ بھی دیا جاتا تھا۔ میرے ایک عم زاد چوہدری عبدالماجد بھٹہ مرحوم بھی اس گروپ میں شامل تھے۔ ان کے ساتھ ان کے ایک دوست کبھی کبھار ہمارے ہاں

آجایا کرتے جن کے متعلق بتایا گیا کہ یہ پرندوں کی آنکھ بنانے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔اور بڑی خوبصورت آنکھیں بناتے ہیں۔

میانہ قد موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگائے ہوئے مضبوط جسم اس نوجوان کا نام پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قریشی عبدالقادر صاحب اعوان ہے۔آپ کے والد محترم قاری محمد امین صاحب محلہ ناصر آباد نزد بہشتی مقبرہ قیام رکھتے ہیں۔

۱۹۴۵ء میں جنگ ختم ہوئی۔ جنگی قیدی آزاد ہوئے۔آزاد ہند فوج کے جرنیلوں پر مقدمہ کا ہنگامہ گرم ہوا۔ پھر اسی آواز کے ساتھ مکمل آزادی کا شور شامل ہو کر بلند ہوتا چلا گیا۔وزارتی وفد آنے لگے۔ہندوستانی لیڈر لنڈن میں گول میز کانفرسوں میں جمع ہو کر مذاکرات کرنے لگے اور پھر دو آزاد مملکتوں کی سرحدیں ابھرنے لگیں اور آخر وہ دن بھی آن پہنچا جس کا سب کو انتظار تھا۔۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر دو آزاد حکومتوں کا اضافہ ہوا۔ہجرت شروع ہوئی۔ دونوں حکومتوں کے افراد اپنے وطن اور گھر بار چھوڑ کر اپنی اپنی محفوظ جگہوں کی طرف جانے لگے۔اور پھر وہ عظیم ہجرت جو موعود اقوام عالم کے الہامات میں داغ ہجرت کے نام سے مقدر تھی وقوع پذیر ہوئی۔دونوں ملکوں سے کم وبیش سات کروڑ انسانوں نے ہجرت کی۔تاریخ عالم پر ہجرت کا یہ انمیٹ داغ ہے جو بھلایا نہیں جاسکے گا۔

قادیان کی مقدس بستی سے قدوسیوں کے قافلے ٹرکوں اور بسوں کے ذریعہ روانہ ہوتے رہے اور پھر وہ ساعت بھی آن پہنچی کہ جب ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت المصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے تحت قادیان میں آباد رہنے کی خاطر ۳۱۳ قربانیوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ ہر ایک سینہ تانے اس اعزاز کو پانے کا امیدوار کھڑا تھا مگر کچھ پابندیوں کی وجہ سے بعض افراد کو یہ سعادت

نصیب نہ ہوسکی۔ان پابندیوں اور قواعد میں یہ بھی مدنظر رکھا گیا تھا۔ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اور دو سگے بھائی یا باپ اور بیٹا اکھٹے اس انتخاب میں نہ چن لئے جائیں۔مگر احتیاط کے باوجود چار جوڑے سگے بھائیوں کے قادیان میں رہنے والے درویشان میں منتخب کر لئے گئے۔ان چار میں سے دو جوڑے اپنی بعض مجبوریوں کے باعث واپس جا چکے ہوئے ہیں۔جو دو جوڑے قادیان میں رہے ان میں سے ایک جوڑا حین حیات خدمت سلسلہ میں مصروف ہے۔اور ایک جوڑا خدمت کرتے ہوئے اپنے عہد وفا کو پورا کرتے ہوئے سرخرو اپنے مولا حقیقی کے حضور اس کی رضاء کی جنتوں میں آرام کر رہا ہے۔یہ جوڑا مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب ناظر بیت المال خرچ صدر انجمن احمدیہ قادیان اور مکرم قریشی عبدالقادر صاحب اعوان لائبریرین مرکزی لائبریری صدر انجمن احمدیہ قادیان ہیں (مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب کی وفات پر مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی نے نوٹ لکھا جو بدر میں شائع ہوا۔اور اب کتابی صورت میں وہ پھول جو مرجھا گئے حصہ دوم میں چھپ رہا ہے۔اس طرح دونوں بھائیوں کے حالات کی اشاعت بھی یکجا ہوگئی ہے۔)

مکرم قریشی عبدالقادر صاحب اعوان کی نظر ابتداء سے ہی کمزور تھی آپ کو مائی اوپیا کا عارضہ لاحق تھا اور درویشی کے ایام میں انہیں عام دیکھنے کے لئے 13-00SPH - لنز لگانا پڑتا تھا۔جسمانی طور پر مضبوط اور ارادہ بھی مضبوط رکھتے تھے مجھے یاد آتا ہے کہ جن دنوں ابتداء درویشی میں ہم بہشتی مقبرہ کے گرداگرد کچی دیوار بنانے میں مصروف تھے جنوبی دیوار کے قریب مٹی میسر تھی۔اس لئے وہاں سے ہم کو زیادہ دور نہیں لے جانا پڑتی تھی۔اس آسانی کی وجہ سے ہم نے جنوبی دیوار چھ فٹ چوڑی اور دس فٹ اونچی بنائی مغربی اور مشرقی دیوار میں نسبتاً

کم چوڑائی بنائی گئیں کیونکہ مٹی خاصی دور سے اٹھا کر لانا پڑتی تھی۔ مشرقی دیوار جنوب شرقی کونہ سے پرانے گیٹ بہشتی مقبرہ تک چارفٹ چوڑی بنائی گئی اور گیٹ سے لے کر محلہ ناصر آباد کی سیدھ تک دوفٹ چوڑی تیار ہو پائی جب مشرقی دیوار تعمیر ہو رہی تھی تو مٹی سروں پر اٹھا کر دور سے لانا پڑتی تھی۔ مٹی ڈھونے کے لئے ایک طریقہ (پنجابی میں اس کو جھامبر کہتے ہیں) یہ تھا کہ دو بانسوں کے درمیان میں پھٹیاں لگا کر اس میں بہت سی مٹی رکھ کر دو آدمی اٹھا کر لے جاتے تھے اور یا پھر ٹوکریوں میں مٹی ڈال کر اٹھا کر دیوار کی تعمیر والی جگہ پر لے جائی جاتی تھی۔ عبدالقادر صاحب اعوان ایک ٹوکری اٹھانے پر راضی نہ ہوتے تھے بلکہ ان کے سر پر خوب بھر کر دو ٹوکریاں رکھی جاتی تھیں ٹانگیں کانپتی تھیں قدم ڈگمگاتے تھے مگر یہ باہمت اس کو اٹھا کر منزل پر پہنچ جاتا واپسی پر خیال ہوتا کہ شاید اگلے پھیرے میں اس قدر بوجھ اٹھانے سے گریز کریں گے۔ مگر ایک ٹوکری ان کے سر پر رکھ دی جاتی تو پھر اصرار کرتے کہ دوسری بھی رکھ دو اگر احتیاط کے طور پر ٹوکریوں میں مٹی کم رکھی جاتی تو پھر بھی اصرار کرتے کہ اچھی طرح بھر دو۔

جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی تنظیم نو ہو کر باقاعدہ کام شروع ہوا تو عبدالقادر صاحب اعوان کو بھی بطور کلرک مختلف شعبہ جات میں خدمت کی توفیق ملی۔ دفاتر میں کام کے ساتھ ساتھ فارغ ٹائم میں دوکان پر بھی کئی ایک شغل اپنا رکھے تھے۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں چائے کا سٹال بھی لگاتے رہے۔ فوٹو فریم کرنے کا کام بھی بخوبی جانتے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے فوٹو اور دیگر بزرگان کے فوٹو فریم کر کے فروخت کر لیا کرتے تھے۔ چند سالوں سے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے فوٹو کا ایک سیٹ خود چھپوایا تھا۔ اسی طرح

دعائیہ قطعات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار قطعات کی صورت میں خوبصورت چھپوا کر فریم کر کے فروخت کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ سٹیشنری کا سامان اور کتب فروشی بھی جاری تھی۔ مفید اور نایاب کتابیں آپ کے پاس قابل فروخت موجود تھیں۔

حضور انور کے ارشاد کے تحت جب درویشان کی شادیاں شروع ہوئیں تو انہیں بھی تحریک کی جاتی تو جواب ملتا مجھے کون رشتہ دے گا آپ اس ذکر کو نہ چھیڑیں۔ کئی سال گزرنے پر جب شادی کے لئے راضی ہوئے تو ایک جگہ رشتہ کے لئے سلسلہ جنبانی جاری ہوا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر پھر ۱۹۷۸ء تک شادی کے بارہ بات چیت کرنے سے بھی منع کر دیتے رہے۔ ۱۹۷۸ء میں اپنے بڑے بھائی محترم مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب کی وفات کے بعد پھر سنجیدگی سے شادی کا مسئلہ پر غور شروع ہوا۔ کئی سال قبل جن خاتون سے رشتہ کی بات چلی تھی اور ناکام ہو گئی تھی۔ ان خاتون کا رشتہ کسی اور جگہ طے ہو کر ان دنوں پھر یہ بیوہ ہو کر ایک بچی کی ماں تھیں۔ دوبارہ اسی جگہ بات چیت ہو کر معاملہ طے پا گیا۔ اور اس طرح امروہہ میں آپ کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد بڑے خوش تھے اور پرمسرت زندگی گذارتے تھے اور بیان کیا کرتے تھے کہ شادی کر کے مجھے بڑا آرام ملا ہے۔ اپنی ربیبہ سے بڑی محبت کرتے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی لڑکی عطا فرمائی۔ اولاد کی نعمت پا کر بڑے ہی خوش اور مسرور نظر آتے تھے۔

دوسال قبل انہیں فالج کا ایک معمولی جزوی اٹیک ہوا تھا جو علاج معالجہ سے جلد ہی کنٹرول ہو گیا۔ مگر زبان پر تھوڑا اثر باقی رہا۔ بچی کی پیدائش کے چند روز بعد دوبارہ ان پر اسی نوعیت کا حملہ ہوا۔ جس سے قوت گویائی بہت متاثر ہوئی۔ چند روز مقامی معالجین سے علاج کروانے پر جب فائدہ نظر نہ آیا۔ تو زیادہ بہتر علاج کی

خاطر انہیں امرتسر گورونانک ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ وہاں بڑی توجہ سے علاج ہوتا رہا۔ ہر قسم کے ٹسٹ اور ایکسرے لئے گئے اور علاج کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ تاہم تقدیر الٰہی غالب آئی اور مؤرخہ ۲۲ اپریل ۱۹۸۰ء کو ہسپتال میں ہی آپ کی روح داعی اجل کو لبیک کہتی ہوئی پرواز کرگئی۔ آپ کی یادگار گلشن احمدیت میں ایک ننھی کلی اور آپ کی بیوہ ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

۱۹۵۲ء میں جب بعض درویشوں کی بیویاں جو پاکستان میں تھیں قادیان آئیں تو آپ کی والدہ محترمہ بھی محترم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم کی اہلیہ صاحبہ کے ہمراہ قادیان تشریف لے آئیں۔ اور قادیان میں چند سال گزار کر وفات پاکر بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہوئیں۔ ان کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہوئی کہ ایک ماں اور دو سگے بھائی زمانہ درویشی میں وفات پاکر بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کا خود محافظ ونگہبان ہو۔ آمین

مکرم مولوی فتح محمد صاحب اسلم

ماہ فروری ۱۹۴۵ء کی ایک حسین دوپہر تھی۔ ان دنوں درخت نئے پتے نکالتے ہیں اور پھل دار درخت پھولوں سے لدے ہوئے عجیب بہار دکھاتے ہیں۔ پھولوں سے بے شمار قسم کی خوشبوئیں صبا کے دوش پر رقص کرتی ہوئی آبادیوں اور ویرانوں کو بہار کا تحفہ تقسیم کرتی پھرتی ہیں۔ میں کھانے کے وقفہ میں تیار شدہ مال کی انسپکشن میں مصروف تھا ایک دیندار درویش صورت شخصیت وارد ہوئی۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کے تحفہ کے تبادلہ کے بعد گویا ہوئے۔

میرا نام فتح محمد ہے۔ میں دھرم کوٹ بگہ کا رہنے والا ہوں میں نے احمدیت کو مطالعہ کرکے ڈیڑھ سال ہوا ہے قبول کیا ہے۔ اور قادیان کا مقدس روحانی ماحول مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ میں نے دھرم کوٹ بگہ کی رہائش ترک کرکے قادیان میں رہائش اختیار کرلی ہے۔ اور ان دنوں بے کار ہوں۔ تلاش معاش کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں۔ اگر آپ کے ہاں مجھے کام مل سکے تو میں کروں گا۔ میں نے ان کی نیکی سے متاثر ہوکر کہا آپ بیشک آئیں کام مل جائے گا۔ آگے یہ آپ کی ہمت پر منحصر ہے کہ کتنے عرصہ میں کام سیکھ کر ماہر بن سکتے ہیں۔ اگلے روز انہوں نے کام پر آنا شروع کردیا مسلسل دو ماہ تک کوشش کرنے پر بھی آپ کام پر حاوی نہیں ہوسکے۔ ایک روز خود ہی کہنے لگے میں نے دو ماہ تک کوشش کرکے دیکھ لیا ہے یہ کام میرے بس کا نہیں میں اب پختہ عمر میں ہوں اور کام سیکھنے کا اصل زمانہ بچپن ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اگر آپ برا نہ منائیں تو میں کسی اور کام میں کوشش کر دیکھوں چنانچہ

ان کو ان کی اپنی خواہش پر اور ان کی صاف گوئی سے متاثر ہو کر مزید ایک ماہ کا
معاوضہ دے کر فارغ کر دیا گیا۔ چند ماہ بعض اور کاموں میں قسمت آزمائی کرنے
کے بعد ۱۹۴۶ء میں حضرت المصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تحریک وقف برائے
دیہاتی مبلّغین میں اپنے آپ کو پیش کر دیا اور اپنی تعلیم اور ٹریننگ شروع کر دی۔
۱۹۴۷ء کے پرآشوب دور میں یہ دیہاتی مبلغین کلاس قادیان میں زیر تعلیم تھی کہ
داغ ہجرت کی پیشگوئی کا ظہور ہوا اور یہ ساری کلاس جس میں چالیس دیہاتی
مبلّغین تعلیم پا رہے تھے درویشان قادیان میں ضم کر دی گئی۔ کلاس کی تعلیم مکرم
مولوی عبدالقادر صاحب احسان کی نگرانی میں جاری رہی اور پانچ سال کی مسلسل
ٹریننگ کے بعد ۱۹۵۱ء میں مبلّغین کا پہلا گروپ یوپی راجستھان بنگال اور جنوبی
ہند روانہ کیا گیا۔ مکرم فتح محمد صاحب جو بعد تعلیم وٹریننگ مولوی فتح محمد صاحب
اسلم کے نام سے معروف ہو چکے تھے ان کا تقرر اول مرتبہ راجستھان میں کشن
گڑھ کے مقام پر ہوا جہاں آپ کئی سال تک فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے بعد میں
تبادلہ ہو کر آپ ساندھن (یوپی) میں جو ملکانہ علاقہ میں جماعت احمدیہ کا اہم تبلیغی
مرکز ہے۔ فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے۔ تبلیغی خدمات کی انجام دہی کے عرصہ میں
آپ سبز پگڑی اپنے سر پر زینت دیئے رہتے تا معلوم ہو کہ یہ احمدی مناد جا رہا
ہے۔ اور سفر وحضر میں پگڑی کے روحانی طرز کے سبز رنگ سے بات شروع ہو کر
جماعت احمدیہ کے عقائد اور آنے والے مسیح موعود کی صداقت پر ختم ہوئی۔
۱۹۶۴ء میں آپ کی صحت کی خرابی کی بنا پر آپ کو قادیان بلوالیا گیا تھا اور یہاں
پر دفتر زائرین میں مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آنے والوں کو مقامات
مقدسہ دکھانے کے لئے بطور گائیڈ ایک عرصہ تک خدمت بجالاتے رہے۔ آپ
۱۹۷۷ء میں ریٹائر ہو گئے تھے۔ صحت بھی بہت خراب ہو چکی تھی کمزوری لاحق

تھی۔ گھر پر ہی زیادہ وقت گزارتے تھے۔ گذشتہ چار سال سے آپ زیادہ علیل
تھے۔ بخار روزانہ ہو جاتا تھا۔ علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی مگر پھر بھی
طبیعت روز بروز روبہ انحطاط ہی رہی اور تدبیروں پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب
آئی اور ہمارے اس پیارے بھائی نے جمعرات کے روز مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کو
داعی اجل کو لبیک کہا اور گلشن احمد میں اپنی یادگار میں اہلیہ کے علاوہ دو لڑکیاں،
ایک لڑکا، دو نواسیاں، ایک نواسہ، چار پوتے اور ایک پوتی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی
رضا کی جنتوں میں داخل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات کی اطلاع آپ کی غیر مسلم بہنوں کو جو دھرم کوٹ بگہ میں مقیم
تھیں بھجوائی گئی اور ان کی آمد کا انتظار کر کے ان کے قادیان پہنچ جانے پر اگلے روز
بہشتی مقبرہ میں قطعہ نمبر ۱۰ میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے
اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قرب خاص میں رہنے کی سعادت سے
نوازے۔ آمین

مکرم چوہدری عبدالحق صاحب

رمضان ۱۹۴۸ء میں ایک روز بعد نماز عشاء وتراویح میں اور مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب جب مسجد اقصیٰ سے نیچے اترے تو دیکھا کہ بڑے دفاتر کے ایک کمرہ میں روشنی ہے۔ اس کمرہ میں ان دنوں مکرم چوہدری عبدالحق صاحب نائب ناظر امور عامہ کا دفتر تھا۔ اس غرض سے کہ کہیں غلطی سے کوئی بتی جلتی نہ رہ گئی ہو۔ دفاتر کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ کارکن رجسٹر ایمپرسٹ کا گوشوارہ بنانے میں مصروف ہے۔ ہماری آہٹ پاکر پوچھا کون ہے باہر اندھیرا تھا اور ہم نظر نہیں آرہے تھے۔ ہم نے اپنا نام بتایا اور آگے بڑھ کر کمرہ میں داخل ہوگئے۔ دیکھا کہ وہ بزرگ رجسٹر ایمپرسٹ کی میزان لگانے میں مصروف ہیں۔ ہمارے پہنچنے پر فرمایا کہ ذرا اس میزان کو دیکھنا میں کئی بار اس کو چیک کر چکا ہوں اس میں ۲۷ روپے کا فرق آتا ہے۔ ہم دونوں نے میزان کی تو پہلی مرتبہ ہی میزان درست ہوگئی۔ ہوا یوں کہ ایک رقم ۹۱ روپے کی تھی چوہدری صاحب اس کو ہر بار ۱۹ پڑھ جاتے تھے۔ چونکہ ایک مرتبہ یہ غلطی ان کے ذہن نے قبول کر لی تھی۔ ہر مرتبہ وہ اس مقام تک آکر اس کو ۱۹ ہی گن جاتے۔ میزان کی درستی کے بعد ہم وہاں سے اٹھ آئے۔ تا سحری سے قبل کچھ آرام کرلیں۔ چوہدری عبدالحق صاحب کو ہم دونوں ان کے پیار اور شفقت بھرے سلوک کی وجہ سے چچا کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ نہایت زیرک اور تجربہ کار فنون لطیفہ سے واقف، جس مجلس میں ہوں اس مجلس پر چھائے رہتے۔ اپنے تجربات سے حاضرین مجلس کو ہنسا ہنسا کر مجلس کو زعفران بنائے رکھتے۔ آپ نے اپنی زندگی کے حالات جو

مختلف اوقات میں بیان کئے کچھ اس طرح ہیں۔

آپ قادیان کے مشرق میں ایک گاؤں موضع بھٹیاں کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد صاحب ایک کھاتے پیتے زمیندار تھے۔ آپ نے موضع کاہنووان میں مڈل تک تعلیم پائی۔ یہ ۱۹۱۶ء کی بات ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میری عمر سنہ کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ پیدائش ۱۹۰۱ء کی ہے آپ نے مڈل کرنے کے بعد گورداسپور میں محرر چونگی کے طور پر زندگی کی مصروفیات کا آغاز کیا۔ چند سال اس ملازمت کے بعد اپنے والد صاحب کے مشورہ پر پٹواری کا کورس اور ٹریننگ حاصل کی اور بعد ٹریننگ محکمہ نہر میں پٹواری کے طور پر سروس کر لی۔ ایک عرصہ تک آپ پٹواری کے طور پر پنجاب کے کئی مقامات پر آپ کو کام کرنے کا موقعہ ملا۔ جہاں جہاں بھی آپ پٹواری کے طور پر متعین رہے آج بھی وہاں آپ کے مداح موجود ہیں۔ ایک لمبا عرصہ پٹواری کے طور پر سروس کرنے کے بعد آپ نے پٹواری کا کام چھوڑ کر کلرکی میں ملازمت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور فوج میں بطور حوالدار کلرک بھرتی ہوگئے۔ فوج کی ملازمت کے دوران کئی احمدی افسران سے ملاقات قادیان کے قریبی گاؤں میں پیدائش اور پرورش کے باعث احمدیہ جماعت کے حالات سے خاصی واقفیت تھی۔ گو احمدی تو نہ تھے مگر مخالفت میں بھی زیادہ شدت نہ تھی۔ بلکہ احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ آپ نے بتایا کہ میں ان دنوں کوہاٹ چھاؤنی میں تھا اور احمدی احباب کے ساتھ ہی نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز احباب جماعت احمدیہ نے اصرار کیا کہ تم نماز پڑھاؤ میں نے بہت عذر کیا مگر شنوائی نہ ہوئی ناچار میں نے نماز پڑھائی۔ ایک دوست بعد میں آکر نماز میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے نماز کے اختتام پر سوال کیا کہ چوہدری صاحب گو احمدی ہیں مگر انہوں نے ابھی تک بیعت کیوں نہیں کی۔ اس پر تمام حاضر احباب نے اصرار

کیا کہ جب آپ صدق دل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعووں پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر بیعت میں کیوں دیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسی موقع پر میں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ اور اسی سال ۱۹۳۱ء میں جب سالانہ رخصتوں پر گھر آیا تو قادیان حاضر ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت پائی۔

جنگ عظیم ثانی کے اختتام پر فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر قادیان آ گیا۔ اور نظارت امورِ عامہ میں بطور کلرک خدمت کا آغاز کیا۔

۱۹۴۷ء کے خوں آشام ہنگامہ کارزار کے باعث جب داغ ہجرت کی پیشگوئی کا ظہور ہوا تو چوہدری عبدالحق صاحب خدمت مرکز کی خاطر قادیان رہ پڑے۔ اس وقت صرف چند ایک کارکن صدر انجمن احمدیہ کے جملہ دفتری امور کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھے۔ نظارت امور عامہ میں محترم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امور عامہ و مکرم فضل الٰہی خان صاحب و مکرم چوہدری عبدالحق صاحب مکرم چوہدری محمد صادق صاحب ٹائپسٹ اور چوہدری اللہ دتا صاحب مددگار کارکن کل پانچ کارکن پورے دفتر امور عامہ کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر بھروسہ کرتے ہوئے مٹھی بھر درویش ان تمام تر مسائل سے نبرد آزما تھے اور خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل حال تھی۔ ۱۹۴۷ء کے آخر تک ظلمات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے پنجاب کی سرزمین پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں یہ بادل چھٹ گئے۔

امن اور سلامتی کی روشنی پھیلنے لگی اضطراب اور بے چینی سکوں پذیر ہونے لگی۔ امن کے پیغامبر سلامتی کا پیغام گلی گلی کوچہ کوچہ پھیلانے لگے درویشاں کی محدود سی جزیرہ نما آبادی پھر دیا والمصار میں پھیلنے گھومنے لگی۔ ابتداء ۱۹۴۸ء

میں ہی چوہدری عبدالحق صاحب بہشتی مقبرہ سے میل کلاں کی طرف کچے رستہ پر سیر کیلئے نکل جایا کرتے تھے اور یہی دس بیس درویش آپ کی ہمراہی میں سیر کا لطف اٹھاتے اور کم و بیش دو میل کی سیر کا پروگرام رہتا۔ اس سیر میں قسم قسم کے مسائل پر گفتگو رہتی۔ اپنے اپنے تجربات بیان ہوتے تبلیغی، تعلیمی، تربیتی اور متعدد امور پر بحث مباحثہ سیر کے دوران جاری رہتا۔

۱۹۴۹ء کے جلسہ سالانہ کے بعد حضور انور کے ارشاد پر دفاتر صدر انجمن احمدیہ کی تنظیم نو ہوئی اور تمام نظارتوں کا دفتری ڈھانچہ نئے سرے سے ترتیب دیا گیا۔ چوہدری عبدالحق صاحب بدستور نظارتِ امور عامہ میں ہی متعین رہے۔ ابتداء میں محرر ایمپرسٹ تھے۔ بعد میں ترقی پا کر اوّل معاون ناظر اور پھر آفس سپرینٹنڈنٹ اور پھر نائب ناظر کے طور پر آپ کو کئی دفاتر میں خدمت کا شاندار موقع ملا۔ اور آپ نے باحسن اپنی تمام تر ذمہ داریوں کو نبھایا۔ ۱۹۵۴ء میں صدر انجمن احمدیہ کی جائیدادیں جو وقتی طور پر اپنے قبضہ سے نکل گئی تھیں۔ اور ان جائیدادوں پر کسٹوڈین قبضہ کر رکھا تھا۔ کی واپسی کے لئے کیس باقاعدہ شروع کیا گیا۔ یہ ایک نہایت اہم کام تھا۔ جبکہ جائیدادوں کی ملکیت کا ثبوت از سر نو فراہم کرنا تھا۔ اس کام کی سرانجام دہی ناچیز (بدرالدین عامل بھٹہ) کے سپرد ہوئی میں تو اس کوچہ سے نابلد تھا۔ محترم چوہدری محمد طفیل صاحب اور محترم چوہدری عبدالحق صاحب جو کہ دونوں کہنہ مشق پٹواری تھے، کی اعانت سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام بخیر و خوبی انجام پانے کے سامان کر دیئے۔ ان دونوں بزرگوں کی علاقہ بھر میں وسیع واقفیت تھی اور محکمہ مال کے کاغذات سے صدر انجمن احمدیہ کی اراضی کا ریکارڈ ڈھونڈ نکالنا ان بزرگوں کے لئے چنداں مشکل مسئلہ نہ تھا۔ میں آپ بزرگوں کی ہمراہی میں گاؤں گاؤں قریہ قریہ گھوما جہاں بھی صدر انجمن احمدیہ کی کوئی جائیداد

ریکارڈ میں درج شدہ تھی۔ وہاں جا کر پٹواری سے کاغذات مانگے جاتے۔ چوہدری صاحبان چند منٹوں میں جمع بندی سے وہ نمبر ڈھونڈ نکالتے اور پھر نقشہ ساتھ لے کر اس کی مدد سے زمین کی نشاندہی، اس پر اب کون قابض ہے۔ اس کھیت میں کیا کاشت کیا ہوا ہے۔ یہ زمین چاہی ہے یا نہری یا بارانی اس کی قیمت مالیہ کے لحاظ سے کیا ہے؟ وغیرہ جملہ امور کی پوری تسلی کی جاتی یہ کام جو بظاہر بڑا مشکل نظر آتا تھا آپ ہر دو بزرگوں کی مدد اور اعانت سے آسان ہو گیا۔ خاص کر بعض جائیدادوں کے حصول میں آپ کی توجہ اور معاملہ فہمی سے خارق عادت طور پر کامیابی حاصل ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

آپ نے نہایت اچھی صحت پائی تھی۔ بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ سروس بک کے لحاظ سے آپ ۱۹۶۷ء میں ریٹائر ہوئے۔ بعد ازاں کچھ عرصہ تک صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں توسیع مل جانے پر کام کرتے رہے اور پھر انجمن وقفِ جدید میں بطور محرر کام کرنے کا موقع ملا۔

آخر ۱۹۷۹ء میں آپ کی صحت یکدم گرنا شروع ہوئی اور آپ روز بروز کمزور ہوتے چلے گئے۔ مقامی طور پر علاج معالجہ کیا گیا مگر خاطر خواہ افاقہ نہ ہوا۔ بظاہر بیماری بھی کوئی خاص نظر نہیں آتی تھی۔ کمزوری تھی کہ دوڑی چلی آتی تھی۔ آپ نے ارادہ کیا کہ ویزا بنوا کر کچھ دنوں پاکستان میں اپنے بچوں سے مل آئیں تا بچوں اور دیگر اقرباء سے مل کر کچھ آب و ہوا کی تبدیلی سے صحت عود کر آئے۔ اس ارادہ سے ویزا بنوا کر پاکستان چلے گئے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ سب عزیزوں اور دوستوں اور رشتہ داروں سے ملاقات ہو گئی مگر صحت بحالی کی طرف نہیں آئی۔ روز بروز کمزوری غلبہ پاتی چلی گئی اور ہمارے پیارے بھائی نے جب یہ محسوس کر لیا کہ میری واپسی کا وقت آن پہنچا ہے تو قادیان کی مقدس بستی میں واپسی استراحت کے لئے بیتاب

ہوئے اور پروگرام طے کیا کہ مؤرخہ ۵ جون ۱۹۸۰ء کو قادیان پہنچ جاؤں۔ اس پروگرام کی اطلاع قادیان بھجوائی تا انہیں بارڈر سے گھر تک لانے کا یہاں سے انتظام کیا جائے۔ یکم جون ۱۹۸۰ء کو ربوہ سے قادیان کے لیئے عازم سفر ہوئے رستہ میں لاہور میں چار روز قیام کرنا تھا اور ۵ جون ۱۹۸۰ء کو بارڈر کراس کرنا تھا لیکن لاہور میں طبیعت زیادہ نڈھال ہو گئی علاج کے لئے میوہسپتال داخل کرایا گیا تقدیر الٰہی غالب آئی اور لاہور میوہسپتال میں ۴ جون ۱۹۸۰ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ضروری تیاری اور کاغذات کی تکمیل کے بعد ۷ جون ۱۹۸۰ء کو آپ کا جنازہ بذریعہ سڑک براستہ واہگہ بارڈر قادیان لایا گیا۔ اور اسی روز بعد نماز عشاء بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں تینوں بیویوں میں سے اولاد موجود ہے۔ پہلی دونوں بیویاں ۱۹۴۷ء سے قبل ہی وفات پا چکی تھیں۔ آپ نے تیسری شادی زمانہ درویشی میں ۱۹۵۱ء میں کی۔ پہلی بیوی کے بطن سے دو لڑکے چوہدری انوار الحق صاحب و چوہدری ارشاد الحق صاحب اور ایک لڑکی جو ان دونوں سے بڑی ہے حینِ حیات ہیں۔ اور احمدیت کے نور سے منور ہیں۔ دوسری بیوی سے ایک لڑکی ہے جو غیر احمدی ہے۔ تیسری بیوی کے بطن سے دو لڑکے ہیں۔ چوہدری نور الدین صاحب، چوہدی صلاح الدین صاحب آپ کی یادگار ہیں۔ اور آپ کی تیسری اہلیہ محترمہ زبیدہ بیگم صاحبہ قادیان میں حینِ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کو خدمت دین میں بڑھ چڑھ کر قدم مارنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

مکرم عبدالرحیم صاحب سندھی

داغ ہجرت کی پیشگوئی کے ظہور سے لاکھوں خاندانوں کو ترک وطن کرنا پڑا اور انہوں نے صبر و رضاء سے وطن کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر کے اپنے عہد وفا کو پورا کرنے کی توفیق پائی ۔ چند مٹھی بھر ۳۱۳ افراد کو دیار مسیح کی دربانی کی سعادت نصیب ہوئی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان تھا کہ اس کے مخفی ہاتھ نے جن خذف ایزوں کو چن لیا وہ اس کی محبت کا شربت پلائے گئے اور اسی کے کوچہ کی دربانی ان کے لئے سرمایۂ حیات بن گئی ۔ قادیان کی بستی خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل کی بستی ہونے کے سبب مہبط انوار سماوی تھی ۔ ہجرت کے بعد بھی اس بستی کے ساکنین کو سب سے زیادہ درویشی کی سعادت سے حصہ پانے کی توفیق ملی ۔ دوسرے نمبر پر قادیان کے نزدیک ایک گاؤں کو جو دراصل قادیان کی مقدس بستی کا ہی ایک حصہ تھا ۔ کیونکہ کاغذاتِ مال میں قادیان اور ننگلی باغباناں کی حد بست ایک ہی تھی ۔ دراصل قادیان کی بستی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کی آباد کردہ بستی تھی اور ابتداء میں اس مقدس خاندان کی جاگیر قادیان کے مضافات میں ۸۰ مزید بستیوں پر مشتمل تھی ۔ عروج و زوال کے مختلف دور اقوام و ملل پر آتے رہتے ہیں ۔ انہیں حادثات زمانہ کی نذر ہوتے ہوتے چودھویں صدی کے آغاز تک اس کی حیثیت پانچ گاؤں تک محدود ہوگئی تھی ۔ یہ پانچ گاؤں (۱) ننگل باغباناں بڑا (۲) ننگل باغباناں خورد (۳) قادر آباد (عرف ترکھاناں والی) (۴) احمد آباد (کوٹھی دارسلام سے آگے لائن کے ساتھ) ۔ (۵) قادیان ۔

یہ پانچ گاؤں مل کر ایک حد بست بناتے تھے ۔ اور اس حد بست کے مالکان اعلیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آباء اجداد تھے ۔ داغ ہجرت کی پیشگوئی کے ظہور کے بعد قادیان میں رہ کر الدار کی آبادی کو قائم رکھنے کی سعادت جن لوگوں کو نصیب ہوئی غالب تعداد قادیان (مع مذکورہ پانچ بستیوں کے) کی تھی ۔ گویا قادیان اول نمبر پر دوسرے نمبر پر ننگل باغباناں اور تیسرے نمبر پر شادی وال ضلع گجرات جہاں سے چھ افراد کو درویشی کی سعادت ملی اور اس کے بعد چک سکندر ضلع گجرات جہاں سے پانچ افراد کو قادیان کی مقدس بستی میں رہنے کا موقعہ ملا ۔ پھر کھاریاں ضلع گجرات جہاں سے چار افراد خدمت کے لئے منتخب ہو کر درویشی کی سعادت سے حصہ پانے والے بنے ۔ پھر گھٹیالیاں اور عالم گڑھ شکار وماچھیاں شیخ پور تر گڑی گبرسن گھاٹ کل چھ گاؤں جن میں سے تین تین افراد کو خدمت مرکز قادیان کی سعادت نصیب ہوئی ۔ اس کے بعد چوبیس گاؤں ایسے ہیں جہاں سے دو دو افراد کو درویشی کی خدمت کے لئے چن لیا گیا ۔

موضع بھٹیاں بھی ان خوش قسمت آبادیوں میں سے ہے ۔ جہاں سے دو افراد کو درویشی کی سعادت نصیب ہوئی ۔ بھٹیاں کے بارہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ چوہدری عبدالحق صاحب کا آبائی گاؤں تھا ۔

ہمارے درویش بھائی عبدالرحیم صاحب سندھی کا آبائی گاؤں بھی بھٹیاں ہی تھا ۔ نہایت سادہ، نیک دل، خلوص اور فرمانبرداری کے پیکر، عبادت گذار، عرصہ درویشی میں کسی سے لڑائی جھگڑا، لین دین میں بدمعاملگی کوئی بھی عیب ان سے چھو کر نہیں گیا تھا ۔ صحت مند چاک و چوبند زندگی گذاری ۔ درویشی دور میں کئی کئی نشیب و فراز آئے ۔ ایک مرحلہ پر جب صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ خسارہ کا بجٹ تھا ۔ اور صدر انجمن احمدیہ نے درویشان میں تحریک فرمائی تھی کہ کچھ لوگ جو خود کوئی

کاروبار کر کے اپنا گزارہ چلا سکتے ہوں وہ صدر انجمن احمدیہ سے اپنے گزارہ کا بار ہلکا کر دیں۔ اس موقعہ پر جن درویش گھرانوں کو اس رنگ میں قربانی اور وفا کا مظاہرہ کرنے کی توفیق ملی۔ مکرم عبدالرحیم صاحب مرحوم بھی درویشوں کے اس گروہ میں شامل تھے۔ کئی سال تک فارغ رہ کر اپنا گزارہ کر کے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ سے اپنے خرچ کا بوجھ ہلکا کرنے کی خدمت کا موقع آپ کو بھی ملا۔ بعد میں جب صدر انجمن احمدیہ نے مناسب سمجھا تو پھر اپنی استعداد کے مطابق مختلف اداروں میں خدمت کی توفیق پائی۔ چونکہ پڑھے ہوئے نہیں تھے متعدد دفاتر میں مددگار کے طور پر محاسب اور بہشتی مقبرہ میں پہرہ دار کے طور پر اور لنگر خانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نانبائی کے طور پر خدمات کی توفیق پائی۔ جن ایام میں آپ دیگر دفاتر میں کسی خدمت پر متعین ہوتے جلسہ سالانہ کے ایام میں لنگر خانہ میں روٹی پکانے کی خدمت کیلئے ڈیوٹی پر آجایا کرتے تھے۔ ۱۹۸۰ء کے جلسہ سالانہ پر جب جلسہ سالانہ کیلئے ڈیوٹیوں کا چارٹ تیار ہو رہا تھا تو میرے پوچھنے پر بتایا کہ دل تو یہ چاہتا کہ میں جلسہ سالانہ پر خدمت بجالاؤں مگر اب صحت ساتھ نہیں دے رہی۔ مجھے سانس چڑھ جاتا ہے۔ اور کمزوری بے حد ہے۔ اس لئے میں ڈیوٹی پر کماحقہٗ خدمت انجام نہیں دے سکوں گا۔

انہیں علاج کی طرف توجہ دلائی گئی اور محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کے مشورہ اور اجازت سے ان کا علاج کروانے پر میں نے خود بھی توجہ دی علاج جاری رہا مگر صحت روبہ انحطاط ہوتی چلی گئی۔ جن ایام میں چوہدری عبدالحق صاحب پاکستان میں زیر علاج تھے عبدالرحیم صاحب کو بغرض علاج امرتسر ہسپتال میں داخل کرایا ہوا تھا۔ ایک عرصہ تک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ پھر ان کی خواہش اور ڈاکٹروں کی اجازت سے چند روز قادیان لایا گیا اور گھر پر علاج اور

دیکھ بھال جاری تھی کہ انہی ایام میں مکرمٔ چوہدری عبدالحق صاحب کی وفات لاہور میں ہوگئی اور آپ کا جنازہ مؤرخہ ۷ جون ۱۹۸۰ء کو قادیان لایا گیا۔ اور اسی روز رات کو مکرم چوہدری عبدالحق صاحب کو بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ تدفین کے بعد جب احباب واپس گھروں کو آئے تو میں خود واپس آتے ہوئے لنگر خانہ کے رستہ سے گذرتا ہوا کوارٹر نمبرا کے کونہ تک پہنچا تو دیکھا کہ عبدالرحیم صاحب سندھی کے بیٹے مکرم عبداللطیف صاحب وہاں کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ میں آپ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ سبب پوچھا تو بتایا کہ والد صاحب وفات پاگئے ہیں۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی یادگار پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا حین حیات ہیں۔ (آپ کی اہلیہ بھی بیمار تھیں جو آپ کے قریب ایک سال بعد وفات پاگئیں) ایک بیٹا اور ایک بیٹی قادیان میں ہیں۔ باقی بیٹیاں پاکستان میں بیاہی ہوئی ہیں اور اپنے گھروں میں آباد اور خوش ہیں۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ایک ہی گاؤں کے رہنے والے دو افراد کو درویشی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور دونوں ہی ایک دن کا وقفہ لے کر آگے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں داخل ہونے کے لئے دارفانی کو چھوڑ گئے۔ آپ بھی موصی تھے بہشتی مقبرہ میں مؤرخہ ۸ جون ۱۹۸۰ء کو تدفین عمل میں آئی اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے اور ان کی اولادوں کو خدمتِ دین سے وافر حصہ عطا فرما کر ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنائے۔ اللھم آمین

مکرم مستری ہدایت اللہ صاحب درویش

امرت دھارا ایک عجیب اور کثرالفوائد دوائی ہے۔ زوداثر کم خرچ سر میں درد ہو تو امرتسر دھارا لگائیے کان میں درد ہو تو عرق گلاب میں ملا کر کان میں ڈالئے پیٹ میں درد ہو تو بتاشہ پر ڈال کر چند قطرے کھائیے اسہال ہوں تو عرق سونف میں ملا کر استعمال کریں۔ چوٹ اور موچ آجائے تو تیل میں ملا کر مالش کریں۔ آرام پہنچاتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ محترم خواجہ حسن نظامی مرحوم کی برسی منائی جارہی تھی۔ ایک شاعر نے آپ کی منقبت میں اپنی نظم پڑھنا شروع کی۔ اس میں اس مفہوم کے اشعار تھے کہ ہر دکھی کا آسرا ہیں خواجہ حسن نظامی ہر علم اوو عرفان کی پیاسی روح کے لئے پانی اور ہر روگی کے پرسان حال تھے۔ ہر سوالی اور بے آسرا کی پناہ تھے خواجہ نظامی۔ مجمع میں سے ایک داد دینے والے نے سن کر کہا۔ کیا خوب خواجہ حسن نظامی نہ ہوئے امرت دھارا کی شیشی ہوئی۔

آج جن دو بھائیوں کی یاد میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں ان کا وجود بھی معاشرہ میں امرت دھارا کی طرح ہی تھا۔ یہ دونوں درویش کثیرالفوائد تھے۔ کم خرچ بھی تھے جلدی میسر آجاتے تھے۔ ایک تھے مستری ہدایت اللہ صاحب دوسرے صوفی علی محمد صاحب۔

مستری ہدایت اللہ صاحب ولد مہردین صاحب امرتسر سلطان ونڈ کے رہنے والے تھے امرتسر شہر کے گرداگرد چاردیواری ہے۔ اس میں متعدد گیٹ ہیں۔

سلطان ونڈ گیٹ کے باہر سامنے ہی بستی ہے۔ جس کا نام سلطان ونڈ ہے۔ یہی بستی مستری صاحب کا مولد و مسکن تھا۔ آپ نے مڈل تک امرتسر میں ہی تعلیم پائی اور پھر ٹیکنیکل ٹریننگ سکول امرتسر میں ہی الیکٹریشن اور کارپینٹر کا کورس کیا۔ نہایت ذہین تھے آپ کے والد صاحب بھی اہل حرف میں سے تھے ان سے بھی آپ نے اکتساب ہنر کیا اور ایک اعلیٰ درجہ کے کاریگر کے روپ میں ابھرے لکڑی کے کام کے تعلق میں آپ نے سری نگر اور جموں کے متعدد سفر اختیار کئے اور کئی سالوں تک ریاست کے ایریا میں لکڑی کا کام کرتے رہے۔ دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو آپ بطور الیکٹریشن فوج میں بھرتی ہوگئے۔ فوجی خدمات کے دوران کئی اور کاموں میں بھی تجربہ حاصل کیا۔ سب سے بڑی نعمت جو آپ کو فوجی ملازمت کے دوران نصیب ہوئی وہ تھی احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی نعمت۔ فوجی ملازمت کے دوران ہی آپ نے احمدیت کے بارہ میں تحقیق کی مطالعہ کیا اور حق کھل جانے پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ اپنے گھرانہ میں اکیلے احمدی تھے۔ آپ کی شادی قادیان میں مستری فضل حق صاحب (جنکا نلکہ جات لگانے کا کام اچھا خاصہ تھا۔ اور لکڑی کا آرہ بھی ریلوے روڈ قادیان میں لگایا ہوا تھا) کی ہمشیرہ استانی ربیعہ خانم سے ہوگئی۔

فوجی ملازمت سے جنگ کے خاتمہ پر فارغ کردیئے گئے تو آپ نے قادیان میں ہی رہائش اختیار کرلی۔ اور اپنے برادر نسبتی کے ساتھ نلکہ جات کا کام اور آرہ کا کام کرنے لگے۔ لکڑی کا کام نہایت صفائی سے اور اعلیٰ درجہ کی مہارت سے کرتے تھے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں جب قادیان میں مقیم رہنے کے لیئے درویشان منتخب ہوئے تو آپ بھی قادیان رہنے والوں میں منتخب ہوگئے۔ ملک کی آزادی کے ساتھ ساتھ

بعض آفات بھی آئیں۔ افراد میں ایک دوسرے کے خلاف غصہ اور نفرت فسادات کی صورت میں آفت بن کر نازل ہوا۔ نیز اس سال کثرت سے بارشیں بھی ہوئیں۔ جن سے ایک طرف تو انسانی خون کے جو دھبے زمین پر پڑے ہوئے تھے دھل گئے مگر دوسری طرف یہ صورت نمودار ہوئی کہ جو مکان کمزور تھے وہ شدید بارشوں کی تاب نہ لا کر اوندھے منہ زمین پر آ رہے۔

اصل مکینوں کے چلے جانے اور نئے نا آشنا اور ناواقف اور مشکوک ملکیت رکھنے والے افراد کی آمد سے مکانوں اور جائیدادوں کی حالت ہی دگرگوں ہوگئی۔ اچھے بھلے مکان ہیں۔ مگر کسی نے بجلی کا میٹر اکھاڑ لیا ہوا ہے۔ کسی نے باقی ماندہ وائرنگ پر ہاتھ صاف کیا۔ کسی نے دروازہ اکھاڑا اور کسی نے الماریوں پر ہاتھ مارا۔

اشیاء خورد و نوش اور ایندھن کی خاص طور پر کمی تھی۔ جلانے کے لئے بھی مکانوں کے دروازے اور کھڑکیاں تک اتار کر جلائی گئیں۔ اندر پڑا فرنیچر تو ایندھن کا اوّل حقدار قرار پایا۔ کچھ ایسی ہی حالت تھی۔ جب درویشی دور کا آغاز ہوا۔ جو ایریا ہمارے قبضہ میں تھا۔ یہ شہر کا پرانا حصہ تھا۔ مکان اپنی عمر گزار چکے تھے اور زبان حال سے اپنی ناپائیداری کا اعلان کر رہے تھے۔ بارشوں نے اور بھی حالت نازک کر دی تھی۔ قریباً ہر مکان بڑی مرمت چاہتا تھا۔ درجنوں مکان۔ ع

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

کے مصداق سامنے تھا ملنے سے قبل ہی علیٰ عروشہا چکے تھے۔ اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے عام فردی طاقت کے ساتھ ساتھ ہنر مند ہاتھوں کی بھی اشد ضرورت تھی۔

قادیان میں رکھے جانے والے افراد کا انتخاب کرتے وقت یہ سب باتیں

مد نظر تو نہیں رکھی گئی تھیں۔ مگر مشیت الٰہی خود اس کا انتظام ساتھ کے ساتھ کرتی جا رہی تھی۔ جونہی ایک ضرورت سامنے آتی۔ اس کے مقابلہ کے لئے درویشوں کے اندر سے ہی ایک جماعت کھڑی ہو جاتی۔ معماری کا کام کرنے والے تین ماہر کاریگر بھی درویشوں میں سے نکل آئے۔ اور لکڑی کا کام کرنے والے ماہر کاریگر مستری ہدایت اللہ صاحب و مستری منظور احمد صاحب نکل آئے۔ لوہار کا کام کرنے والے صوفی علی محمد صاحب و مستری عبدالغفور صاحب بھی نمایاں ہو کر سامنے آ گئے۔ ان ہنر مند ہاتھوں کے ساتھ فردی طاقت مل کر سالوں کا کام مہینوں میں تکمیل پا گیا۔ اور مکانوں کی حالت سنبھل گئی۔ بلکہ بعض نئی تعمیرات بھی کر لی گئیں۔ (ان ابتدائی کام کرنے والے ہنر مند افراد میں سے مستری محمد الدین صاحب، مستری منظور احمد صاحب اور مستری دین محمد صاحب اب تک قادیان میں حین حیات ہیں۔ اور سلسلہ کی خدمات میں مصروف ہیں۔)

جہاں تک مکانوں میں لکڑی کے کام کی مرمت کا دارومدار تھا۔ مکرم مستری ہدایت اللہ صاحب سر فہرست ہیں۔ مکانوں کی چھتوں کی ازسرِ نو فٹنگ، الماریوں دروازوں کی مرمت، بجلی کی وائرنگ کی درستی، نلکہ جات کی درستی، سب کام مستری ہدایت اللہ بخوبی کرتے تھے۔ مستری منظور احمد صاحب بھی لکڑی کے کام کے ماہر ہیں۔ انہوں نے بھی اس دور میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور اب تک خدمات میں مصروف ہیں۔ ابتدائی سالوں کی ہنگامی ضروریات سے فرصت ہوئی تو نئی پیش آمدہ دفتری و گھریلو ضروریات کے لیئے فرنیچر کی تیاری اور رنگ و روغن سب کام مستری ہدایت اللہ صاحب کی مہارت میں باحسنِ وجوہ پورا ہوا۔ پھر حالات نے اور کروٹ بدلی اور نئی ضروریات سامنے آئیں تو مستری صاحب کا ہنر بھی نکھر کر سامنے آیا۔ ٹیوب ویل لگانے پڑے تو مستری صاحب کو اس فن میں بھی تجربہ کار پایا۔ بجلی

کے پنکھوں کی آرمیچر وائیڈنگ بجلی کی موٹروں کی مرمت جلی ہوئی موٹروں کی مرمت کتنی طاقت کی موٹر کتنی اونچائی تک کس قدر پانی پہنچا سکے گی۔ یہ سب امور ان کو ازبر تھے۔ پلمبر کا کام نہایت صفائی سے کرتے تھے۔ سینیٹری فٹنگ میں بھی خاصا تجربہ رکھتے تھے۔ دارالمسیح میں جس قدر ابتدائی طور پر واٹر سپلائی اور سینیٹری کی فٹنگ کی گئی یہ سب ان کی ہنرمندی کی یادگار ہے۔

قادیان کے گرد اگرد دس دس میل تک آپ کی شہرت تھی۔ ان مذکورہ کاموں کے لئے لوگ آپ کو بلاتے تھے۔ دوسال ہوئے آپ صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ ٹیوب ویل لگانے اور اور مرمت کا کام کرتے رہتے تھے۔ بورنگ کا نہایت سخت کام بڑی عمدگی سے کرتے اور تھکان کا اظہار کبھی نہ کرتے۔

چندروز بعارضہ بخار علیل رہے۔ ان ایام میں بھی خود شفاخانہ سے دوائی لینے آجایا کرتے۔ بظاہر کوئی خاص بیماری نظر نہیں آتی تھی۔ ایک روز نماز عصر کے بعد رکشا پر سوار ہو کر میرے سامنے سے گذرے تو میں نے پوچھا کہاں جانے کی تیاری ہے۔ کہا میں ڈاکٹر کیدارناتھ کے پاس جارہا ہوں۔ چندروز سے بیمار ہوں طبیعت زیادہ کمزور ہوگئی ہے۔ میں چاہتا ہوں اچھی طرح معائنہ ہو کر اور تشخیص ہو کر علاج ہو۔ خود اکیلے ہی بیٹھ کر جارہے تھے بعد میں تیماردار بھی وہاں پہنچ گئے۔ نماز مغرب کے بعد مستری صاحب کا ربیب آیا اور مجھے بتایا کہ ابا کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ اور وہ ڈاکٹر کیدارناتھ کے شفاخانہ میں داخل ہیں۔ وہاں ان کا علاج ہو رہا ہے۔ میں نے تین چار نوجوانوں کو بھیجا کہ رات بھر باری باری جاگ کر ان کی تیمارداری کریں۔ نماز عشاء کے بعد قریب ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ باہر دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں باہر گیا تو مستری صاحب کے تیمارداروں میں سے ایک تھا۔ اس نے بتایا کہ

ڈاکٹر کیدارناتھ صاحب نے کہا ہے کہ مریض کو آکسیجن کی ضرورت ہے۔ میرے پاس اس کا انتظام نہیں ہے۔ سول ہسپتال میں انتظام موجود ہے۔ آپ مریض کو فوراً وہاں لے جائیں۔ میں نے کہا کہ فوراً مستری صاحب کی چارپائی اٹھا کر انہیں سول ہسپتال لے کر چلیں۔ میں بھی آتا ہوں میں کپڑے تبدیل کر کے سول ہسپتال کے لئے روانہ ہوا ابھی احمدیہ چوک تک ہی میں پہنچا تھا کہ ایک نوجوان بھاگتا ہوا آیا اور بتایا کہ مستری صاحب کی سول ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی رستہ میں وفات ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کہ پھر انہیں واپس لے آؤ۔ رات دس بجے کا عمل ہوگا کہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو واپس لا کر صبح تک ان کے رہائشی مکان میں رکھا گیا۔

مؤرخہ ۳۱ جون ۱۹۸۱ء کو آپ خود رکشا پر بیٹھ کر گھر سے روانہ ہوئے اور اسی روز رات دس بجے اپنے مولا حقیقی سے جا ملے۔ اگلے روز صبح تدفین کے انتظامات مکمل ہونے پر انہیں بہشتی مقبرہ کی مقدس زمین کے سپرد کر دیا گیا۔

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ خوش طبع بھی تھے۔ بعض لطائف اب تک ان کی یادگار ہیں۔ جن کا تذکرہ مجالس میں آتا رہتا ہے۔ مرحوم کی پہلی شادی محترمہ استانی ربیعہ خانم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے ایک بچی پیدا ہوئی جو چندروز زندہ رہ کر وفات پاگئی پھر کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ استانی ربیعہ خانم صاحبہ شوگر کی مریض تھیں۔ اس وجہ سے خاصی کمزور ہو چکی تھیں۔ پھر ان پر فالج کا حملہ ہوا امرتسر ہسپتال میں داخل رہیں کئی مہینوں تک علاج ہوتا رہا۔ مستری صاحب کمال ہمت سے اپنی اہلیہ کی تیمارداری کرتے رہے۔ لمبا عرصہ امرتسر ہسپتال میں زیر علاج رہ کر ہسپتال میں ہی وفات پاگئیں۔

ایک سال میں مستری ہدایت اللہ صاحب نے بہار میں ایک خاتون محترمہ

عالم آراء صاحبہ سے شادی کی ان کے پہلے خاوند سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی
موجود تھے۔ ان دونوں ربیب بچوں سے آپ بڑی محبت رکھتے تھے۔ محترمہ عالم
آراء صاحبہ کے بطن سے بھی مستری صاحب کا کوئی بچہ نہیں ہوا۔ یہ دونوں اور بیوہ
آپ کی یادگار ہیں۔ (اب ان دونوں بچوں کی شادیاں بھی ہو چکی ہیں اور دونوں
خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہیں۔ بیٹا صدر انجمن احمدیہ کے شعبہ تعمیرات میں
محرر ہے) اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

مکرم صوفی علی محمد صاحب حداد

آپ بمقام دولت پور تحصیل ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے
تھے۔ آپ نے اپنے گھر میں سے اکیلے ہی احمدیت کو قبول کیا تھا۔ ۶-۷ سال کی
عمر میں آپ پر پولیو کا حملہ ہوا جس سے دونوں ٹانگیں بے کار ہو گئیں۔ اس لئے
آپ دونوں ہاتھوں پر چلا کرتے تھے۔ آپ خاندانی طور پر حداد تھے اس فن میں
آپ نے اپنے بھائیوں اور والد صاحب سے پوری مہارت حاصل کر لی تھی۔ اور
قرآن کریم باترجمہ بھی پڑھے ہوئے تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کو
مخالفت کا سامنا تھا۔ اس لیئے آپ اردگرد کی احمدی جماعتوں میں کثرت سے آیا
جایا کرتے تھے۔ سفر کے لئے آپ نے ایک اونٹنی رکھی ہوئی تھی۔ اس پر سوار ہو کر
جہاں چاہتے آسانی سے چلے جایا کرتے۔ قرب وجوار میں کسی جگہ جماعت احمدیہ
کے کسی جلسہ یا مناظرہ کا علم ہوتا تو وہاں ضرور پہنچ جایا کرتے۔ کچھ عرصہ ننکانہ
صاحب میں لوہار کا کام کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ قادیان چلے آئے
اور یہاں بھی ریپئرنگ کی ایک دوکان کھول لی۔ سلائی کی مشینوں کی آپ نہایت
اچھی مرمت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حجاموں کے اوزار، استرا، قینچی وغیرہ تیز
کرنے کے لیئے آپ نے سان لگا رکھی تھی۔ اوزار تیز کرنے میں بھی آپ کا ہاتھ
بہت صاف تھا۔ قادیان کے گرداگرد بیس بیس میل تک آپ کی شہرت تھی۔ لوگ
ان اشیاء کی مرمت کے لئے دور دور سے آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء
میں جب جماعت احمدیہ کو قادیان سے ہجرت کرنا پڑی تو آپ درویشان میں

ٹھہر گئے یقیناً ایسا ہر فن مولا کاریگر یہاں رہنا ضروری تھا۔ یہ بعد کے وقت نے ثابت کر دیا۔

۱۹۴۸ء کے شروع میں آپ نے یہ محسوس کر کے کہ درویش بھائیوں کو کپڑے سلانے بلکہ مرمت کرانے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اپنے ساتھ مکرم حکیم عبدالرحمٰن صاحب کو ملا کر اور نذیر احمد صاحب شاد کو ملا کر کپڑوں کی سلائی کا کام شروع کر دیا تھا۔ نیز منارۃ المسیح کی بڑی گھڑی کی دیکھ بھال اسکو چابی دینا، تیل دینا، وقت درست رکھنا ان سب امور کی انجام دہی کئی سالوں تک بڑی عمدگی سے کرتے رہے آپ ہاتھوں کے بل ہی چلا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بازوؤں میں اسقدر قوت عطا فرمادی تھی کہ آپ بازوؤں کے سہارے ہی منارۃ المسیح کے اوپر گھڑی والے حصہ تک چڑھ جایا کرتے تھے۔ مینارۃ المسیح کی گھڑی کا وقت درست رکھنے کی خاطر بعض اوقات ایک سے زیادہ مرتبہ ایک دن میں ہی انہیں اوپر چڑھنے کی ضرورت پیش آجاتی۔ مگر آپ تھکن کی پرواہ کئے بغیر اوپر چڑھ جاتے۔ بعض اوقات آپ مینارۃ المسیح کے گنبد کے اندر سے مغرب کی طرف جھکنے والی کھڑکی میں سے نکل کر مینارۃ المسیح کے گنبد کے بیرونی حصہ میں گرداگرد گھوم کر تولیہ سے گنبد کی صفائی بھی کر آتے۔

قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا آپ کو خاص شوق تھا۔ سینکڑوں بچوں کو آپ نے قرآن کریم ناظرہ و باترجمہ پڑھایا ہے۔ بچے بڑے شوق سے آپ کے پاس پڑھنے جایا کرتے تھے۔ آپ اپنی کمائی کا ایک حصہ بچوں کی پڑھائی پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ بچوں کو یسرنا القرآن اپنے پاس سے خرید کر فراہم کرتے۔ اگر کسی بچے کی غفلت سے قاعدہ پھٹ جاتا تو اور خرید دیتے۔ بچوں کی دل چسپی قائم رکھنے کیلئے کبھی ریوڑیاں، مرونڈا اور بعض اوقات کوئی موسمی پھل خرید کر بچوں کو

کھلاتے۔ بچوں سے جو پیار کا سلوک آپ روا رکھتے۔ اسی کا اثر تھا کہ بچے قرآن کریم پڑھنے کشاں کشاں آپ کی طرف چلے آتے۔

بڑے حوصلہ مند اور دلیر تھے۔ اگر کنویں کے اندر اتر کر بھی کوئی کام درپیش ہوتا تو اس کیلئے بھی وہ تیار بر تیار ملتے۔ مسجد اقصیٰ کے کنویں کی صفائی کی خاطر وہ کئی دفعہ اس عمیق کنویں میں اتر گئے جس کا پانی ایک تارہ کی طرح دور نظر آتا تھا۔ کئی مرتبہ بہشتی مقبرہ کے کنویں میں بھی موٹر وغیرہ کی درستی کے لئے اترے۔ ان کی حوصلہ مندی اور دلیری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ رات کو چور ان کے گھر میں گھس آیا۔ آہٹ ہونے پر آپ جاگ گئے اور پکارا کون ہے۔ چور کمرہ سے نکل کر بغرض فرار صحن میں آگیا۔ آپ اس کے تعاقب میں باہر صحن تک آئے۔ چور نے لاٹھی سے ان پر ایک وار کیا۔ جس سے سر میں بڑا زخم ہو گیا۔ اور خون بہہ نکلا آپ نے زخم پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے پکارا چور چور لوگ اردگرد کے مکانوں سے نکل کر آپ کی مدد کے لئے آگئے۔ میں خود بھی وہاں گیا۔ تو کیا دیکھا کہ خون بہہ رہا ہے اور صوفی صاحب پورے ہوش میں ہیں۔ اور آنے والوں کو چور سے پیش آمدہ صورت حال بتا رہے ہیں۔ چور تو فرار ہو چکا تھا۔ صوفی صاحب کو سنبھالنا اشد ضروری تھا۔ میں نے سوچا کہ زخم کو فوری طور پر ٹانکے لگا کر بند نہ کیا گیا تو خون زیادہ نکل جانے سے حالت خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے۔ مرزا محمد اقبال صاحب جو صوفی صاحب کے پڑوسی بھی تھے وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ زخم پر ٹانکے لگانے کا سامان تو گھر پر موجود ہے مگر زخم کو بے حس کرنے والی کوئی دوائی موجود نہیں ہے۔ صوفی صاحب نے کہا وقت ضائع نہ کریں نصف رات کو دوائی کہاں ملے گی۔ آپ زخم سیئں میں برداشت کروں گا۔ چنانچہ میں نے مرزا صاحب کی معاونت سے زخم سینا شروع کیا صوفی صاحب نے ایک مرتبہ بھی سی تک نہ کی۔ زخم میں پندرہ ٹانکے

لگائے گئے۔ آپ کو اپنی طبیعت پر بڑا کنٹرول حاصل تھا اس سانحہ کے بعد پولیس کی کوشش اور مدد سے وہ شخص پکڑا گیا جس نے صوفی صاحب کو زخمی کیا تھا۔ پولیس اس شخص کو گرفتار کر کے لے آئی۔ اس چور کے لواحقین نے ایک رقم بھی علاج معالجہ اور ضروری غذا کی خاطر صوفی صاحب کو پیش کی۔ آپ نے یہ رقم ساری چندہ تحریک جدید میں ادا کر دی اور چور کو معاف کر دیا۔

جلسوں اور کانفرسوں میں جانے کا آپ کو بہت شوق تھا۔ مجھے یاد ہے ۱۹۴۴ء میں لدھیانہ میں جلسہ المصلح الموعود پر گئے ہوئے تھے۔ زمانہ درویشی میں کشمیر میں کانفرنس کرنے کا پروگرام بنا تو آپ مختلف سالوں میں دو مرتبہ کشمیر کانفرس میں بھی شریک ہوئے حالانکہ پہاڑی سفر بڑا دشوار گذار تھا۔ صوبہ یوپی کی کئی کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے۔

کیونکہ آپ کئی ایک حرفوں میں ماہر تھے کمائی اچھی خاصی کرلیا کرتے۔ جسے وہ جلسوں کی کانفرنسوں اور بچوں کی تعلیم اور فرضی وطوعی چندوں میں خرچ کرتے۔

عمر کے آخری حصہ میں آپ کی شادی اڑیسہ میں ہوئی۔ پیرانہ سالی کے باوجود آپ کی صحت غیر معمولی طور پر اچھی تھی۔ فن طب سے بھی کچھ سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ بچوں کے ختنہ کرنے کے بھی ماہر تھے۔ علم دوست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شادی کے بعد دو لڑکیاں اور ایک لڑکا عطا فرمایا۔

چند روز سے بعارضہ پیچش بیمار رہے۔ اس سے کمزوری بہت بڑھ گئی مگر پھر بھی اپنی دوکان پر باقاعدہ کام کرتے رہے۔ اسہال کثرت سے آنے لگے کمزوری اور ہی بڑھ گئی۔ مؤرخہ ۶ جنوری ۱۹۸۱ء کو محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت پر سول ہسپتال قادیان کے انچارج ڈاکٹر صاحب کو گھر پر بلا کر معائنہ کروایا گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب معائنہ کے لئے آئے تو آپ بہت الخلاء گئے ہوئے

تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے انتظار کیا۔ فارغ ہو کر خود چل کر آئے اور چارپائی پر ڈاکٹر صاحب کے سامنے بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے پوچھنے پر بتایا کہ کوئی خاص بات تو نہیں مگر کمزوری بہت بڑھ گئی ہے۔ چند روز پہلے خونی پیچش ضرور ہوئی تھی مگر اب اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ سے معائنہ کیا۔ اور تجویز کیا کہ کمزوری بہت ہے اسہال ہونے کے باعث جسم کی مائیت زیادہ خارج ہو گئی ہے۔ اس لئے گلوکوز کی ڈرپ چڑھائی جائے۔ حسب تجویز ڈاکٹر صاحب ڈرپ منگوا کر لگائی گئی۔ اطمینان ہونے پر ڈاکٹر صاحب ضروری ہدایت دے کر چلے گئے۔ میں خود بھی کسی ضرورت سے گھر چلا آیا۔ چند منٹ بعد جب میں گھر سے نکل کر صوفی صاحب کی طرف ہی جا رہا تھا کہ رستہ میں مکرم عبدالکریم صاحب ملکانہ میری طرف آتے ہوئے ملے اور بتایا کہ مکرم صوفی علی محمد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چند منٹ پہلے میں انہیں باتیں کرتے ہوئے چھوڑ کر آیا تھا اور میرے درویش بھائی نے اتنی جلدی سفر آخرت طے کرلیا۔ خدا تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب خاص میں جگہ دے۔ آمین

اسی روز بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

ابتداء درویشی میں دو سال تک آپ لنگر خانہ سے کھانا اور پانچ روپے نقد وظیفہ جو عام درویشوں کو ملتا تھا پاتے رہے۔ پھر جب مالی مشکلات کی وجہ سے صدر انجمن احمدیہ نے درویشان میں تحریک کی کہ جو درویش خود اپنا گذارہ پیدا کرسکتے ہوں وہ اپنا بوجھ صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ سے ہلکا کر دیں۔ صوفی صاحب نے بھی کھانا اور پانچ روپے لینا ترک کر دیا۔ اور خود کفیل ہو گئے۔ شادی

کے بعد جب دو بچے بھی پیدا ہو گئے اور عمر کے تقاضہ سے صحت بھی پہلے جیسی نہ رہی تھی۔ پھر صدر انجمن احمدیہ سے گزارہ کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور آپ کو فیملی سکیل کے مطابق گزارہ ملنا شروع ہوا۔ درمیان میں ۳۵ سال تک آپ صدر انجمن احمدیہ سے کوئی گزارہ لئے بغیر اپنا گزارہ چلاتے رہے۔

محترم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب

یادش بخیر میری عمر اس وقت پانچ سال کی ہو گی۔ ہماری رہائش ان ایام میں حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ (سابق مہر سنگھ) کے مکان کے شمالی حصہ میں تھی۔ اسی مکان کے ساتھ کالج روڈ گزرتی ہے اور یہی سڑک کوٹھی موسومہ دارالسلام سے لگتی ہوئے آگے ٹھیکری والا کی طرف چلی جاتی ہے۔ آج کل یہ سڑک پختہ بن گئی ہوئی ہے۔ ان ایام میں یہ کچی سڑک ہوا کرتی تھی اور بچے گرد میں بڑی خوشی سے کھیلتے تھے۔ شام کا جھٹ پٹا تھا کہ میرے بڑے بھائی قمر الدین صاحب اور میرے تایا زاد بھائی عبدالرشید صاحب اپنے ایک دوست کو زخمی حالت میں لے کر گھر آئے۔ والدہ جو اس وقت کھانا پکانے کی تیاری میں تھیں یہ دیکھ کر گھبرا کر اٹھیں اور پوچھا کیا ہوا ہے۔ بھائی نے بتایا کہ یہ ہمارے سکول کے کلاس فیلو ہیں۔ اور ہمارے بڑے اچھے دوست بھی ہیں۔ انہیں کبڈی کھیلتے ہوئے چوٹ لگ گئی ہے۔ ان کا گھر دور ہے اس لئے ہم ان کو ساتھ لے آئے ہیں کہ ان کی پٹی وغیرہ کر کے پھر ان کو گھر پہنچایا جائے۔

والدہ نے فوراً ہلدی اور تیل ذرا گرم کر کے زخموں پر لگایا اور اپنے دوپٹہ میں سے ایک لمبی لیر کاٹ کر اس کے تین حصے کئے اور تینوں زخموں پر باندھ دی۔ دودھ گرم کر کے پلایا۔ اس وقت والد صاحب بھی نماز مغرب سے فارغ ہو کر گھر آ گئے تھے۔ آپ نے بھی حال دریافت فرمایا۔ یہ زخمی لڑکا مکرم ٹھیکیدار محمد عبداللہ صاحب کا بیٹا بشیر احمد تھا۔ مکرم ٹھیکیدار محمد عبداللہ طبیعت کے سخت واقعہ ہوئے تھے۔ اور ایسی

کھیل کود سے جس میں زخمی ہونے کا بھی خطرہ ہو اپنے بیٹے کو منع کرتے رہتے تھے۔
آج ان کا بیٹا زخمی حالت میں گھر جانے سے ڈر رہا تھا کہ یہ حالت دیکھ کر والد صاحب سخت ناراض ہوں گے۔ میرے ابا جان ملٹری کے ریٹائرڈ افسر تھے اور بڑے حوصلہ مند تھے اور محترم ٹھیکیدار محمد عبداللہ صاحب سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے اور بھتیجے اور ٹھیکیدار کے بیٹے بشیر احمد صاحب کو ساتھ لیا اور مکرم ٹھیکیدار محمد عبداللہ صاحب کے مکان پر جو قریب ہی دارالبرکات غربی میں واقعہ تھا۔ جا کر دستک دی مکرم ٹھیکیدار صاحب کے والد صاحب نے دروازہ کھولا تو سامنے اپنے بیٹے کو زخمی حالت میں پایا۔ غصہ تو ضرور آیا۔ اور گویا ہوئے تو آج کہاں اتنی دیر رہا ہے اور نماز مغرب کہاں پڑھی ہے۔ میں تمہیں مسجد میں دیکھتا رہا ہوں۔ والد صاحب نے کہا بھائی عبداللہ صاحب آپ بیٹھک تو کھولیں بیٹھ کر تسلی سے بات کریں گے۔ چنانچہ بیٹھک کھول کر مکرم ٹھیکیدار محمد عبداللہ صاحب نے ٹھنڈا مشروب بھی منگوایا اور پھر اطمینان سے والد محترم نے بتایا کہ ہم عمر بچے ہیں۔ ٹھیکری والے کے بچوں کی ٹیم سے میچ طے ہو گیا تھا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ٹیم میں ہمارے دونوں بچے بھی شامل ہیں۔ آپ کا بچہ بھی شامل ہے لہذا میچ کھیلنا لازم تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ایک کھلاڑی کو جو کبڈی ڈالنے آیا تھا۔ پکڑتے ہوئے زمین پر گر کر انہیں چوٹیں لگ گئیں مگر آفرین ہے آپ کے بچے کی پامردی پر کہ اس نے چھوڑا نہیں اور یوں بھی اجتماعی طور پر ہم اور آپ دونوں مبارک بادی کے مستحق ہیں کیونکہ ہمارے بچے آج میچ جیت کر آئے ہیں۔ آپ بچے کے زخم دیکھ کر پریشان نہ ہوں بلکہ اس کی کامیابی پر خوش ہوں اور ان کا حوصلہ بڑھائیں۔

اس واقعہ کے بعد میرے بھائیوں کے ساتھ بشیر احمد صاحب (جنہیں اب ہم محترم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب مرحوم کے طور پر ذہنوں میں موجود پاتے ہیں) آتے

رہتے تھے۔ اور بڑے اچھے دوست تھے۔ بچپن سے ہی ذہین اور بلا کے ہوشیار تھے۔

ازاں بعد میرے بڑے بھائی جو آٹھویں کلاس میں مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک حادثہ میں وفات پا گئے۔ چند ماہ بعد میرا دوسرا بڑا بھائی جو مجھ سے دو جگہ بڑا تھا وہ بھی نمونیہ سے وفات پا گیا۔ والدہ ان صدمات کے باعث سخت گھبرائیں۔ اور ماحول کی تبدیلی کی خاطر واپس اپنے گاؤں چک نمبر ۴۳۸ گ۔ب ضلع لائل پور (حال فیصل آباد) چلی گئیں۔

چند سالوں کے بعد ہی جنگ عالمگیر ثانی کے بادل آسمانِ سیاست پر منڈلانے لگے تھے اور والد بزرگوار کو جو ملٹری کے ریٹائر افسر تھے۔ پھر سے فوجی خدمات کے لئے طلب کر لیا گیا تھا۔ والدہ نے پھر ارادہ کیا کہ ہم قادیان کے مقدس ماحول میں چلے جائیں۔ جہاں امن ہے۔ پیار ہے۔ محبت بھرا ماحول ہے۔ اور بچوں کی بہتر تربیت کے مواقع موجود ہیں۔ لہذا جن ایام میں جنگ عالمگیر عروج پر تھی ہمارا گھر پھر قادیان چلا آیا۔

قادیان آنے کے بعد جن دو لڑکوں سے میری خاص طور پر دوستی ہو گئی۔ ان میں اول نمبر پر محمد عامل صاحب بدر ہیں ان سے اس قدر پیار کا تعلق تھا کہ ان کا آدھا نام میرے نام کا مستقل حصہ بن گیا اور میرا نام ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ ابھی تک خدا تعالیٰ کے فضل سے حین حیات ہیں اور نہایت مخلص اور مخلص احمدی صحابی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مکرم محمد عامل صاحب بدر کے بہنوئی مکرم منشی محمد الدین صاحب ان ایام میں مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب کے بھٹہ پر پٹھانکوٹ میں منشی ہوتے تھے۔

مکرم ٹھیکیدار صاحب کے دو جگہ اینٹ کے بھٹے تھے۔ ایک دھاریوال میں اور ایک پٹھانکوٹ میں۔ زیادہ تر آپ دھاریوال میں مقیم رہتے تھے۔ اور

پٹھانکوٹ بھی کثرت سے بھٹہ کی نگرانی کی غرض سے جاتے رہتے تھے۔ ان دنوں گرمیوں کا موسم تھا۔ یہ ۱۹۴۳ء کی گرمیوں کی بات ہے۔ مکرم محمد عامل بدر صاحب کو ان کی ہمشیرہ زوجہ منشی محمد الدین صاحب نے بلا بھیجا کہ بچوں کو گرمیوں کی چھٹیاں ہیں تم بھی آجاؤ۔ یہاں دامن کوہ میں بہت اچھا وقت گزرے گا۔ محمد عامل صاحب بدر نے مجھے بھی مجبور کیا اور اپنے ساتھ پٹھانکوٹ لے گئے۔ وہاں واقعی بڑا حسین ماحول تھا اس سے قبل پہاڑی علاقہ کی سیر کا کبھی موقع بھی نہ ملا تھا۔ مکرم منشی محمد الدین صاحب کے بیٹے علیم الدین اور سلیم الدین اور ہم دونوں غلیل ہاتھوں میں لئے پہاڑیوں میں پرندوں کے شکار کا مزہ لیتے اور اکثر اوقات کافی تعداد میں فاختائیں، شارکیں و کبوتر شکار کر کے لے آتے۔ ان ایام میں مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب بھی پٹھانکوٹ گئے تو ان سے تعارف ہوا۔ جب میں نے یہ بتایا کہ میں آپ کے کلاس فیلو قمر الدین صاحب بھٹہ کا چھوٹا بھائی ہوں تو کمال شفقت سے مجھے گلے لگا کر ملے اور بڑی دیر تک قمر الدین صاحب کا ذکر کرتے رہے کہ وہ بڑا نیک اور ذہین لڑکا تھا۔ مجھے وہ کبھی نہیں بھولا اور پھر میرے تایا زاد بھائی عبد الرشید صاحب کے بارہ میں پوچھتے رہے کہ وہ کس حال میں ہیں اور آج کل کیا کر رہے ہیں۔ میں نے بتایا کہ قمر الدین کی وفات کے بعد انہوں نے بھی پڑھنا ترک کر دیا تھا اور اب وہ اپنا زمیندارہ کام ہی سنبھال رہے ہیں۔ اور شورکوٹ میں مقیم ہیں۔

۱۹۴۴ء میں جب جلسہ سالانہ پر مکرم چوہدری عبد الرشید صاحب قادیان آئے تو میں نے انہیں خاص طور پر مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب سے ملوایا۔ دونوں دوست روتے ہوئے ایک دوسرے کے گلے مل گئے اور پھر گھنٹوں اپنی پرانی یادوں کو دہراتے رہے۔ مکرم ٹھیکیدار صاحب زیادہ تر قادیان سے باہر ہی رہتے تھے۔ البتہ آپ کے چھوٹے دونوں بھائیوں میں سے عبد الوہاب صاحب میرے

ہم عمر تھے ان سے قادیان میں ایک ہی محلہ میں رہائش کے باعث اچھے تعلقات قائم رہے۔ عبد الوہاب صاحب تقسیم ملک سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔

۱۹۴۷ء جب قدم قدم پر مقتل کھلے تھے گلی گلی سے چیخ و پکار اور آہ و فغاں کی دل دوز آوازیں سنتے ہوئے جب ناچیز موجودہ احمدیہ ایریا میں اکتوبر کے آخری عشرہ میں وارد ہوا تو ایک ماہ کی مسلسل بغیر روٹی کھائے صرف چنے یا ابلی ہوئی گندم کھانے کا دور ختم ہوا اور لنگر خانہ سے کھانا حاصل کرنے کی غرض سے کھڑکی پر گئے تو وہاں مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تو آپ نے بڑی تسلی دی اور حوصلہ بڑھایا۔ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو جب قادیان سے ہجرت کرنے والے احمدیوں کا آخری کنوائے رخصت ہو گیا اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے والے افراد دیار حبیب کی آبادی کے لئے رہ گئے تو ان میں مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب بھی تھے۔ آپ ان چند درویشوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے گزارہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ سے وظیفہ حاصل نہیں کیا بلکہ خود کما کر اپنا گزارہ چلاتے رہے۔

مئی ۱۹۴۸ء میں ایک چیک کیش کرانے کی غرض سے پہلی مرتبہ چار درویشان کا وفد پولیس کی حفاظت میں بٹالہ گیا تھا۔ اس وفد میں مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امور عامہ و مکرم شیخ عبد الحمید صاحب عاجز ناظر بیت المال و مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب اور مکرم فضل الٰہی خان صاحب شامل تھے۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ پہلے پولیس کی نگرانی میں پھر آپس میں چند افراد مل کر وفد کی صورت میں بٹالہ امرتسر جانے کا رستہ ہموار ہوا۔ ان ایام میں پاکستان کے ساتھ بذریعہ سڑک تجارت کا بھی معاہدہ ہو گیا تھا۔ مکرم ٹھیکیدار صاحب نے بھی لائسنس حاصل کیا اور امرتسر میں دفتر قائم کر کے پاکستان کے ساتھ تجارت شروع

کی۔ اس غرض کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے احمدیہ ٹریڈنگ کمپنی کے نام سے ایک لمیٹیڈ فرم رجسٹرڈ کروائی گئی تھی۔ اس وجہ سے بارڈر کے عملہ سے مکرم ٹھیکیدار صاحب کے اچھے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں دونوں ملکوں کے افراد کو رشتہ داروں دوستوں سے بارڈر پر ملاقات کی سہولت فراہم کرنے کا معاہدہ بھی ہوا تھا۔ درویشان اپنے عزیزوں کو ملنے بارڈر پر جایا کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات قادیان تک سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے امرتسر مکرم ٹھیکیدار صاحب کے آفس میں رات قیام کر لیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء تک احمدیہ ٹریڈنگ کمپنی کی صورت میں مکرم ٹھیکیدار صاحب اِمپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرتے رہے پھر حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ کاروبار میں مندہ اور خسارہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تو آپ نے دوسرے کاموں کی طرف توجہ دینا شروع کر دی۔

آپ نے ٹرک بھی بنائے اور پٹھانکوٹ میں بجری ریت وغیرہ سپلائی کا کام بھی کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ان پر بعض فوجداری مقدمات بھی مخالفین نے کئے اور اس قدر کڑا وقت آیا کہ عزم و حوصلہ کے درخت بھی مرجھائے ہوئے نظر آتے تھے مگر یہ عزم و ہمت کے پیکر کسی بھی مشکل میں نہیں گھبرائے اور مردانہ وار ان مقدمات کا سامنا کیا اور آخر باعزت کامیاب و سرخ رو ہوئے۔ ان مسلسل مقدمات کی ہماہمی سے آپ نے کنارہ کشی کے طور پر یہ ٹرک وغیرہ سب فروخت کر کے قادیان کے قریب بسرائے میں زرعی زمین خرید کر اس میں زرعی فارم قائم کیا اور کئی سال تک اس کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔

آپ کی اہلیہ جب قادیان واپس آگئیں۔ تو پھر آپ نے زرعی زمین وغیرہ کا کاروبار چھوڑ کر اپنے احمدیہ ایریا میں رہائش اختیار کر لی اور زرعی زمین کا بڑا حصہ فروخت کر کے اس سے ایک فرشی کنڈہ جو کہ بس اڈہ قادیان کے پاس تھا کسی غیر

مسلم بھائی سے خرید لیا۔ مع زمین و مکان اور ایک کھاد کی دوکان بھی لے لی۔ کھاد کی دوکان تو زیادہ نہیں چل سکی ۶۔۵ ماہ بعد ہی بند کر دینا پڑی البتہ کنڈہ کی آمد پر دو تین سال گزارہ کرتے رہے۔ ازاں بعد اپنی بقیہ زمین ۱۴ کنال واقعہ رجادہ روڈ بھی فروخت کر دی۔ کنڈہ بھی فروخت کر دیا۔ اور احمدیہ ایریا کے ساتھ لگتا ہوا ایک پلاٹ مکان کے لئے خرید کر لیا۔ باقی رقم سے کنڈہ والی زمین پر دوکانیں تعمیر کر دیں۔ اور بقیہ رقم سے یونٹ ٹرسٹ کے حصص خرید لئے جن کی آمد پر آپ کا گزارہ چلتا رہا۔ آپ کے بچے بھی دل کھول کر آپ کی مدد کرتے رہے ہیں۔

گزشتہ دو سال سے چندہ جات کی ادائیگی کا خاص طور پر بڑا خیال رکھتے تھے۔ ہر پانچویں چھٹے ماہ سیکرٹری مال سے اپنی رسیدات کا موازنہ کر کے حسابات بقایا جات ادا کر کے صاف کر لیتے رہے ہیں۔ میری تجویز پر کہ آپ اپنی ساری جائیداد کی قیمت تشخیص کرا کے اس کا حصہ جائیداد ادا کر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور سب جائیداد کا حصہ جائیداد ادا کر دیا۔ پھر کہنے لگے کہ میرا دل چاہتا ہے یہ تو میں نے اپنے اوپر جو فرض تھا وہ ادا کیا میں اِس سے زائد بھی کچھ دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اپنی طرف سے ۲۵ ہزار اور اہلیہ کی طرف سے ۲۵ ہزار روپیہ بھی ادا کر کے اس خواہش کی تکمیل کی۔ نیز اپنی وفات سے چند روز قبل یہ کہا کہ ایک مرتبہ جب مکرم چوہدری فیض احمد صاحب مرحوم ناظر بیت المال تھے۔ ان کی تحریک پر میں نے نصرت جہاں ریزرو فنڈ میں اپنا وعدہ لکھوایا تھا۔ میں نے کچھ تو اسی وقت ادا کر دیا تھا کچھ باقی رہ گیا تھا۔ اس کا پتہ کیا جائے اگر حساب مل جائے تو میں اس کو بھی اپنے ماہوار چندہ کے ساتھ قسط وار ادا کر دوں۔ اس بارہ میں مکرم مولوی جلال الدین صاحب نیر ناظر بیت المال آمد سے رجوع کیا گیا آپ نے بتایا کہ یہ تحریک تو اب بند ہو چکی ہے اور اس میں کوئی آمد آج کل آ بھی نہیں رہی۔ تاہم آپ نے ادا کرنا ہی

ہے تو محاسب میں براہ راست ادا کریں۔ اس پر مکرم ٹھیکیدار صاحب نے پانچ سو
روپے خاکسار کو دیئے کہ فی الحال ایک قسط جمع کروادیں۔ وہ میں نے جمع کرا کے
وفات سے ایک روز قبل رسید آپ کو دے دی۔

آپ کی اہلیہ محترمہ گزشتہ تین سال سے علیل چلی آرہی ہیں۔ آپ بڑی توجہ
سے ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کا فرض ادا کرتے چلے آرہے تھے۔ میرے
پاس اکثر مطب میں آجاتے تو تھوڑی دیر بعد ہی اٹھ کر کھڑے ہوتے کہ اہلیہ کی
دوائی کا وقت ہو گیا ہے میں جاتا ہوں۔

وفات سے ایک روز قبل میرے ساتھ پروگرام بنایا تھا کہ آپ کل جب مطب
میں آئیں تو مجھے فون کر دیں۔ میں آکر سب چندہ جات کا حساب کر کے جلسہ
سالانہ سے قبل اپنا حساب صاف کرلوں گا۔ اگلے روز جب میں فون کرنا چاہتا تھا تو
ایک بھائی نے آکر اطلاع دی کہ محترم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب گزشتہ رات وفات
پاگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ نے اپنے پیچھے مغموم و بیمار اہلیہ۔ دو لڑکیاں اور دو لڑکے یادگار چھوڑے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کی اولاد بھی دین کی خدمت کرنے والی اور
فرمانبردار و دعا گو ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنی رضا کی
راہوں پر چلائے اور ان سب کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

عبدالغفور صاحب درویش ریڈیو میکر کا ذکر خیر

۱۹۴۳ء میں جب جنگ عالمگیر پورے عروج پر تھی اور جہاں یورپ میں
میدان کارزار میں اتحادی فوجیں اور نازی افواج داد شجاعت دے رہی تھیں۔
ادھر مشرق بعید کی ایک طاقت جاپان نے مشرقی اقوام پر حملہ کر رکھا تھا اور جاپانی
افواج انڈونیشیا، ملایا، سیام، برما کو فتح کرنے کے بعد کلکتہ تک بمباری کرنے تک
کی جرأت کر رہی تھیں ان ایام میں جاپان سے بھی عینکوں کا سامان آنا بند ہو گیا
تھا اس موقع پر مکرم ڈاکٹر عبدالغنی صاحب مرحوم ان کے بھائی بابو محمد صادق صاحب
اور خاکسار نے مل کر اوپٹیکل انڈسٹری قادیان میں شروع کی تھی۔ خدا تعالیٰ کے
فضل سے چند ماہ میں کام چل نکلا تھا اور خوب شہرت ملی تھی۔ ڈیڑھ سال بعد ڈاکٹر
عبدالغنی صاحب اور ان کے بھائی کے درمیان اختلاف ہو جانے کے باعث ان
دونوں نے الگ الگ کام کرنے کا پروگرام بنالیا۔ سوال یہ تھا کہ میں کس کے ساتھ
رہوں۔ میں نے کہا کہ جب آپ دونوں الگ الگ ہو رہے ہیں۔ تو میں بھی الگ
ہو جاتا ہوں لہٰذا ایک کارخانہ تین حصوں مین بٹ گیا مگر باہمی تعلقات خوشگوار ہی
رہے۔ انہی ایام میں ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کے بہنوئی نذیر احمد صاحب زرگر بھی
قادیان آکر آباد ہو گئے تھے انہوں نے کام میں کافی گنجائش محسوس کر کے اپنا الگ
کارخانہ چالو کرلیا تھا۔ اس کام کے لئے ٹرینڈ کاریگر تو مل نہیں سکتے تھے کیونکہ کام
بالکل نیا تھا۔ خود ہی کم عمر لڑکوں کو ٹرینڈ کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ بڑوں کی نسبت نوعمر بچے
جلد ٹرینڈ ہو جاتے ہیں سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اطفال کے لئے

جو یہ ماٹو تجویز فرمایا:-

"نسل انسانی کی اصلاح صغر سنی میں ہی بہتر ہو سکتی ہے۔"

بڑا ہی پر حکمت ہے واقعی کوئی بھی نئی چیز ذہن میں راسخ کرنا ہو تو نو عمر افراد جلد اس کو قبول کر لیں گے۔

ہاں تو میں مکرم عبد الغفور صاحب درویش مرحوم کے بارے میں کچھ عرض کر رہا تھا۔ آپ کی عمر ۱۴،۱۳ سال کی ہو گی جب نذیر احمد صاحب زرگر نے انہیں اپنی عینکوں کی انڈسٹری میں کام سیکھنے کے لئے ملازم رکھا۔ چونکہ کام ایک ہی نوعیت کا تھا ہم سب کام کرنے والے ایک دوسرے کے اوزاروں سے فائدہ اٹھا لیا کرتے تھے۔ مکرم نذیر احمد صاحب کئی مرتبہ عبد الغفور صاحب کو میرے پاس کوئی اوزار لینے بھجوا دیا کرتے تھے۔ میں اس وقت سے محسوس کرتا تھا کہ لڑکا اچھا ذہین ہے۔ یہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے۔ سال ڈیڑھ سال گزرنے میں ایک طرف جنگ عالمگیر جاپان پر آئٹم بم گرانے کے ساتھ یک دم ختم ہو گئی۔ اور جاپان کی مفتوحہ ایشیائی اقوام آزاد ہو گئیں۔ اور ہندوستان میں بھی آزادی کی تحریک زور پکڑ گئی۔ جوں جوں آزادی کا دن قریب آتا گیا۔ فساد اور بدامنی کا دیو کھل کر انسانی خون سے ہولی کھیلنے گیا۔ آخر نوبت ایں جا رسید کہ ادھر ۱۵،۱۴ اگست کو دو آزاد مملکتوں کا ظہور ہوا۔ ادھر دنیا کی عظیم ہجرت جس میں اڑھائی کروڑ انسان ہجرت کر کے ہند سے پاکستان اور پاکستان سے بھارت آنے پر مجبور ہو گئے۔ قادیان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اکثر آبادی کے ہجرت کر جانے پر قادیان میں ۳۱۳ افراد کو دیار مسیح کی آبادی اور خدمت کے لئے رہنے کی توفیق ملی۔ مکرم عبد الغفور صاحب ان ۳۱۳ میں شامل تھے۔

لنگر خانہ میں ایک مددگار باورچی کی ضرورت تھی۔ مکرم عبد الغفور صاحب کو

۱۹۴۸ء میں ہی اس آسامی پر ملازمت مل گئی اور کئی سال تک آپ بطور مددگار باورچی خدمت بجا لاتے رہے۔ بعد ازاں جب حضور انور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر تمام دفاتر کی تنظیم نو شروع ہوئی تو مکرم عبد الغفور صاحب کا تبادلہ بطور کارکن درجہ سوم دفتر میں ہو گیا اور اس طرح متعدد دفاتر میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۵ء کئی باصلاحیت نوجوانوں نے جن کی تعلیم کم تھی۔ رات کو مل کر پڑھنے کا پروگرام بنایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میٹرک تک تعلیم مکمل کر لی۔ مکرم عبد الغفور صاحب نے بھی انہی ایام میں میٹرک پاس کیا۔

صدر انجمن احمدیہ نے درویشان کی شادیاں ہو جانے اور متاہل درویشان کے بیوی بچے قادیان آ جانے نیز ہندوستان سے بھی کچھ خاندانوں کے قادیان آبسنے کے باعث بجٹ کو ناکافی پا کر درویشوں میں تحریک کی کہ جو درویش کوئی کاروبار کر کے خود کفیل ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے گزارہ کا بار صدر انجمن احمدیہ سے ہلکا کر دیں۔ اس تحریک پر ۶۰-۵۰ افراد فارغ ہو گئے تھے۔ (مراد یہ ہے کہ ان کے گزارہ کا بوجھ صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ پر نہ رہا تھا) مکرم عبد الغفور صاحب بھی ان فارغ ہونے والے افراد میں سے تھے آپ نے ریڈیو مکینک کا کام سیکھ کر اپنا گزارہ چلانا شروع کیا اور ۱۹۸۴ء تک اپنا گزارہ چلاتے رہے۔ بعد میں ایک مرتبہ دل کا حملہ ہونے کے باعث محسوس کیا کہ اب وہ زیادہ مشقت نہیں کر سکیں گے۔ انہوں نے اپنی دوکان ریڈیو کاروبار فروخت کر دیا اور صدر انجمن احمدیہ سے گزارہ کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور تا حیات اسی گزارہ پر بسر اوقات کرتے رہے۔ آپ کی اہلیہ چند سال قبل وفات پا چکی ہوئی ہیں ایک لڑکی ہے جو شادی شدہ ہے۔

اپنے حالات کے تعلق میں بتایا کہ وہ ضلع لدھیانہ کے ایک گاؤں کے رہنے

والے تھے (گاؤں کا نام معلوم نہیں ہو سکا) یہ گاؤں ضلع لدھیانہ۔ ضلع پٹیالہ اور ضلع فیروز پور کے سنگھم پر واقعہ تھا۔ مجھے ہلکا سا یاد پڑتا ہے کہ غالباً روہٹ نام کا گاؤں تھا ''اس'' قافیہ سے ملتا جلتا نام تھا۔ اس گاؤں میں احمدیت مکرم منشی عبداللہ سنوری کے ذریعہ پہنچی تھی۔ آپ اس ایریا میں پٹواری تھے۔ اور آپ کے ذریعہ یہ جماعت قائم ہوئی تھی۔

۱۹۴۷ء میں جب قادیان میں رہنے والے درویشان کے لئے افراد کی فہرست مرتب کی گئی تو اس وقت یہ مدِّ نظر رکھا گیا تھا کہ رہنے والے ۲۰ سے چالیس سال تک کی عمر کے افراد ہوں۔ پھر بھی چند ایک نوجوان ۱۸، ۱۷ سال کی عمر کے چار نوجوان رہ پڑے تھے۔ ان میں ہی عبدالغفور صاحب بھی تھے۔ باقی تین مکرم مولوی عمر علی صاحب بنگالی، مکرم مرزا محمد اقبال صاحب اور مکرم مولوی بشیر احمد صاحب کالا افغاناں ہیں۔

عبدالغفور صاحب کو قبل ازیں دو مرتبہ ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا۔ جسم بھی خاصا فربہ ہو گیا تھا۔ اور گزشتہ چند سالوں میں باقاعدہ علاج معالجہ ہو رہا تھا۔ تاہم ایسی کمزوری لاحق نہ تھی چلتے پھرتے تھے۔ مؤرخہ ۱۲-۱۱-۲۰۰۰ کو رات کو سوئے اور سوتے ہوئے ہی پھر ہارٹ اٹیک ہوا۔ اور قبل اس کے کہ انہیں طبی امداد پہنچائی جاتی داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۱۲ دسمبر کو ہی محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور احمدیہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مکرم مستری محمد دین صاحب کا ذکر خیر

۱۹۴۶ء کو ایک دفعہ بعد نماز عصر خاکسار اور میرے دوست مکرم محمد عامل صاحب بدر اور مکرم ناصر احمد صاحب بہشتی مقبرہ سے دعا کر کے آرہے تھے۔ مکرم مستری محمد دین صاحب اپنے مکان کے سامنے ہوا کھا رہے تھے۔ غالباً کام سے واپس لوٹ کر آئے تھے۔ یہ دن موسم گرما کا ایک پورا جوان دن تھا۔ جونہی ہم قریب پہنچے مکرم مستری صاحب نے اپنے برادر نسبتی کو دیکھ کر کہا ناصر کدھر سے آرہے ہو، رکو اور بہت گرمی ہے پانی پی کر جاؤ۔ ناصر صاحب کے اصرار پر ہم دونوں بھی رک گئے۔ اور مکرم مستری محمد دین صاحب کی ضیافت سے جو شکنجوی کی صورت میں تھی، سیر ہوئے۔ یہ تھی میری مکرم مستری محمد دین صاحب سے پہلی ملاقات۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ بہشتی مقبرہ آتے جاتے آپ سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد قادیان میں خدمت کے لئے جہاں اور ۳۱۳ افراد نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی تحریک پر اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ وہاں مکرم مستری صاحب نے بھی اور خاکسار نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

اب ہم اس کا نام مقدس مقامات کی حفاظت رکھ لیں۔ یا خدمت مقامات مقدسہ۔ یا خدمت سلسلہ مگر درحقیقت یہ قادیان میں آباد رہنے کا عہد تھا۔ زندہ حالت میں بھی اور مر کر بھی۔ اگر حالات ایسے ہو جائیں کہ زندہ رہنا ناممکن ہو جائے تو پھر بھی از خود ان مقامات کو نہیں چھوڑنا بلکہ اپنی لاشوں سے بھی انہیں آباد

رکھنا ہے۔ یہ پختہ عہد تھا جو درویشی کی علتِ غائی تھا۔ اور الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر قائم رہنے کی توفیق دی اور ہمارے اکثر بھائی اپنا عہد وفا نبھا کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں آسودہ ہیں۔ اور اب جب کہ میں یہ نوٹ لکھ رہا ہوں صرف ۱۴۶ افراد ان میں سے حین حیات ہیں۔ اور اپنی باری کے منتظر ہیں۔ مکرم مستری محمد دین صاحب سلسلہ کے فدائی افراد میں سے تھے۔ کبھی بھی انہوں نے اپنے مفاد کو سلسلہ کے مفاد کے برابر نہیں سمجھا اور ہمیشہ بڑی وفاداری اور اخلاص سے جو خدمت بھی سپرد ہوئی اس کو پوری مستعدی اور رازداری سے ادا کیا۔ سلسلہ کے تعمیراتی کام جو تقسیم ملک کے بعد ہنگامی طور پر درپیش ہوئے۔ دن دیکھا نہ رات جس طرح افسران سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے ہدایت ہوئی نہایت حسن خوبی سے سرانجام دیا۔ سب کاموں کی تفصیل یہاں نہیں دی جا سکتی۔ ۱۹۵۵ء میں ایک عظیم بارش ہوئی جس نے سیلاب کی صورت پیدا کر دی اور احمدیہ ایریا ۸۰ فیصد مکانات اس سے متاثر ہوئے۔ اس وقت یہاں کوئی بھی بلڈنگ انجینئر یا اوورسیئر نہ تھا۔ تمام کام مستری صاحب کی ہی نگرانی اور مشورہ کے مطابق ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تھوڑے ہی عرصہ میں نہایت کم خرچ میں مکانات پھر سے قابل رہائش ہو گئے۔ نہ صرف مکانات ہی مکمل ہوئے بلکہ درویشان میں سے پانچ افراد معماری کا کام کرنے کے فن میں ٹرینڈ ہو گئے۔

دیگر خاندانی حالات اس طرح ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام حضرت میاں عمر دین صاحب رضی اللہ عنہ تھا۔ آپ صحابہ میں سے تھے اور موضع سیکھواں کے رہنے والے تھے اور پیدائشی احمدی تھے۔ پرائمری تک تعلیم پائی تھی۔ پھر ہوش سنبھالنے پر قادیان میں مکرم مستری عباد اللہ صاحب سے معماری کا کام سیکھا اور ۱۹۳۹ء میں دوسری عالم گیر جنگ شروع ہونے پر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ

عنہ کی تحریک پر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں جنگ ختم ہونے پر واپس آ گئے اور اپنے برادر نسبتی مکرم ناصر احمد صاحب سے مل کر نئے سائیکلوں کی دوکان کھول لی اور ۱۹۴۷ء میں فسادات شروع ہونے کے باعث کاروبار اچھی طرح نہ چل سکا۔ اور تقسیم ملک کے بعد جب محلہ جات احمدیہ آبادی سے خالی ہو گئے تو سائیکلوں کی دوکان بھی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو گئی۔ اور ازاں بعد حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تحریک پر ۳۱۳ درویشان میں رہنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی پیشکش قبول ہوئی اور آپ درویشوں میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں کے وارث ہوئے۔

آپ کی شادی موضع بگول میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اہلیہ سے نہایت اعلیٰ صلاحیتوں والی اولاد سے نوازا۔ سب سے بڑا بیٹا مکرم مولوی حمید الدین صاحب شمس مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ہوئے۔ آپ نہایت کامیاب مبلغین میں سے تھے۔ اس امر کو بڑا ہی اندوہ گین صدمہ خیال کیا جاتا ہے کہ بیٹے کا جنازہ باپ کے کندھوں پر اٹھے۔ مکرم مولوی حمید الدین صاحب شمس ۲۰ سال نہایت شاندار تبلیغی خدمات کے بعد اچانک وفات پا گئے اور مکرم مستری محمد دین صاحب نے اس عظیم صدمہ کو بڑی پامردی سے برداشت کیا۔ اور نہایت صبر سے اپنے جوان سال بیٹے کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کے سفر پر روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

آپ کی اولاد چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ سب ہی نیک صالح اور سلسلہ عالیہ احمدیہ سے محبت رکھنے والے اور اپنے اپنے رنگ میں خدمت سلسلہ میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔

مستری صاحب کو ضیق النفس کا عارضہ جوانی ہی سے تھا۔ جو آپ کا ساری عمر کا

ساتھی رہا اور آہستہ آہستہ مرض کے بڑھ جانے اور ساتھ ساتھ کمزوری دل کا عارضہ بھی شامل ہو جانے کے باعث آپ نہایت کمزور ہو چکے تھے۔ آخر اسی عارضہ میں آپ نے بڑی کامیاب زندگی گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کی پیدائش ۱۹۲۰ء اور تاریخ وفات ۳۰-۳-۹۷ ہے۔ آپ موصی تھے آپ کی تدفین قطعہ خاص درویشان میں ہوئی۔

حضرت منشی محمد الدین واصلباقی رضی اللہ عنہ

۱۹۴۷ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عطا کردہ نور کی روشنی میں مستقبل میں دور تک حالات پر نگاہ ڈال کر قادیان میں دیار مسیح موعود علیہ السلام کی آبادی اور شعائر اللہ کی خدمت کے لئے یہاں ۳۱۳ افراد کو آباد رہنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ بعد میں ایک مرتبہ درویشوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضور نے یہ بھی فرمایا کہ آپ لوگوں کو بطور بیج یہاں رکھا گیا ہے۔

ان ابتدائی درویشان میں آخری قافلہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو چلے جانے کے بعد جب فہرست کو آخری شکل دی گئی تو یہ ۳۲۶ افراد تھے۔ ان میں گیارہ صحابہ اکرام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تھے اور باقی ۳۱۰ خدام تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ گیارہ صحابہ ہی انصار اللہ میں شامل تھے۔ اور باقی سب کے سب خدام تھے۔ نہ کوئی طفل تھا نہ لجنہ اماء اللہ۔

ابتدائی طور پر یوں سمجھا جاتا تھا کہ ہر دو ماہ بعد نئے افراد کچھ تعداد میں یہاں آجایا کریں گے اور ان کے تبادلہ میں قادیان سے انتہائی ضرورت مند خواہ بیماری کی وجہ سے یا دیگر خاندانی الجھنوں کی وجہ سے مجبور افراد واپس جا سکیں گے۔ چنانچہ جنوری ۱۹۴۸ء میں ایک قافلہ قادیان آیا جس میں دس افراد قادیان میں قیام کی غرض سے تشریف لائے اور ان کے تبادلہ میں قادیان سے دس افراد کو اپنے گھروں کو واپس بھجوا دیا گیا۔ پھر دو ماہ بعد ایک قافلہ آیا ماہ مارچ ۱۹۴۸ء میں اس قافلہ میں ۱۵ افراد آئے تھے ان کے بدلہ میں قادیان سے ۱۵ ضرورت مند مجبور

افراد کو واپس بھجوا دیا گیا پھر دو ماہ بعد مئی ۱۹۴۸ء کو ایک قافلہ آیا۔ اس میں ۳۴ افراد قادیان میں قیام کے لئے آئے۔ ان کے تبادلہ میں یہاں سے ۳۴ افراد کو واپس بھجوا دیا گیا۔ ان آنے والے ۳۴ افراد میں گیارہ صحابہ کرام تھے۔ ابتداء میں قیام کرنے والے افراد میں بھی تیرہ صحابہ کرام تھے۔ اور ماہ مارچ میں آنے والے افراد میں ایک صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تھے اس طرح کل ملا کر ابتداء میں ٹھہرنے والے گیارہ۔ ماہ مارچ میں آنے والے ایک اور پھر ماہ مئی میں آنے والے تیرہ اس طرح صحابہ کی تعداد ۲۵ ہوگئی۔

قربان جاؤں اپنے آقا سیدنا المصلح الموعودؓ پر کہ ان کی فراست نے جہاں جماعت احمدیہ کے دائمی مرکز کی آبادی کے لئے تین سو تیرہ افراد کو بطور بیج رکھنے کے لئے چنا۔ وہاں ان میں ۲۵ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی شامل فرمایا۔ اور ان میں تین بابرکت وجود ایسے بھی تھے جنہیں خود سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب میں اپنے فدائی اصحاب ۳۱۳ کی فہرست میں شمار فرمایا ہے۔ یہ تین گوہر آب دار جن کی چمک قیامت تک روشنی بکھیرتی رہے گی۔ یہ ہیں

۱۔ مکرم ومحترم حضرت منشی محمد الدین صاحبؓ واصلباقی کھاریاں ضلع گجرات
۲۔ مکرم ومحترم حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ
۳۔ مکرم ومحترم حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ

یہ سعادت قادیان کی مقدس بستی کے حصہ میں آئی۔ شاید ہی دنیا میں کوئی اور ایسا شہر موجود ہو جس میں بیک وقت اتنی مختصر سی جماعت میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین سو تیرہ صحابہ میں تین صحابہ موجود ہوں۔ ان تین بزرگ شخصیتوں کی موجودگی سے درویشوں کو بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق ملتی رہی۔

اب بزرگ ہستیوں میں سے اس وقت مکرم ومحترم حضرت منشی محمد الدینؓ کا ذکر خیر کرنا ہے۔ اس غرض کے لئے میں نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ کی وفات پر کوئی ایسا مضمون قادیان میں نہیں چھپا کیونکہ اس وقت تک قادیان سے کوئی اخبار جاری نہیں ہوا تھا۔ اور ڈاک کی خرابی کے باعث الفضل بھی باقاعدہ نہیں آرہا تھا۔ لہذا میں نے ارادہ کیا کہ جب ربوہ جاؤں گا تو آپ کے خاندان میں سے جس فرد سے بھی ملاقات ہوگی ان سے آپ کے حالات کے بارہ میں معلومات حاصل کروں گا۔ چنانچہ جب ستمبر ۱۹۹۸ء میں ربوہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں میں نے مکرم مبارک مصلح الدین صاحب وکیل المال ثانی ربوہ سے ملاقات کی جو حضرت منشی محمد الدین صاحب کے پوتے ہیں اور انہوں نے مجھے اپنے والد بزرگوار محترم حضرت صوفی غلام احمد صاحب کے لکھے ہوئے ایک مضمون کی فوٹو سٹیٹ کاپی مرحمت فرمائی۔ جس سے مجھے حضرت منشی محمد الدین صاحبؓ کے زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں۔ اور ان کے اس مضمون سے فائدہ اٹھا کر میں نے یہ مضمون ترتیب دیا ہے۔

آپ کے چھکڑ دادا (چھکڑ دادا پنجابی میں چھٹی پشت اوپر والے باپ کو کہا جاتا ہے) اَللہ دین صاحب قوم جٹ جھمٹ اٹھارویں صدی کے آخر میں ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں موضع مڈھ سے ہجرت کر کے ضلع گجرات کے ایک گاؤں دھوریہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور پھر آپ کے ایک پوتے نے مڈھ گاؤں سے دو میل کے فاصلہ پر موضع حقیقہ میں کچھ زرعی جائیداد حاصل کر لی۔ یہ گاؤں موضع پنڈی رام پور کے قریب تھا اور لوگ دونوں گاؤں کو ملا کر پنڈی حقیقہ کے نام سے پکارتے تھے بعد میں آبادی بڑھ جانے سے یہ دونوں گاؤں فاصلہ کم ہوتے ہوتے آپس میں مل گئے تھے اور یہ گاؤں تحصیل کھاریاں سے منڈی بہاؤالدین کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔

اب کھاریاں کی آبادی اس گاؤں تک پہنچ چکی ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۸۷۴ء میں اسی گاؤں میں ہوئی قرآن کریم پڑھ چکنے کے بعد کھاریاں پرائمری سکول سے پرائمری تک تعلیم مکمل کرکے ورنیکلر مڈل سکول ڈنگہ میں داخلہ لیا۔ اور وہاں سے ورنیکلر مڈل پاس کیا۔ ۱۸۸۸ء میں پٹوار کی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۸۹ء میں موضع ملانی میں تعینات ہوئے۔ یہ گاؤں بھی تحصیل کھاریاں میں واقع ہے۔ اور اس کی حد کشمیر ریاست کی حد سے ملتی ہے۔ بعد میں ترقی کرتے ہوئے آپ گرداور قانونگو اور مزید ترقی کرتے ہوئے آپ تحصیل کھاریاں میں واصلباقی کے عہدہ پر متعین ہوئے۔ (واصلباقی سے مراد یہ ہے کہ اس دفتر میں تحصیل کے تمام تر مالیہ لگان اور قرضہ جات کی وصولیابی اور بقایا جات کا حساب رہتا ہے) اور پھر ضلع ہیڈ کوارٹر میں واصلباقی کے عہدہ پر تبدیل ہو کر ۱۹۲۹ء میں ضلع گجرات سے ریٹائرڈ ہوئے۔

ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے زندگی وقف کر دی۔ حضرت المصلح الموعودؓ نے آپ کا وقف منظور فرما کر آپ کو سندھ کی زمینوں پر مقرر کیا اور پھر بعد میں دفتر جائیداد صدر انجمن احمدیہ میں خدمات کی توفیق پائی۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب براہین احمدیہ پڑھ کر آپ پر حق آشکار ہو گیا اور آپ نے ۱۸۹۴ء میں بذریعہ خط بیعت کر لی اور ۱۸۹۵ء میں قادیان حاضر ہو کر بیعت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے خواب میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ زیارت کے وقت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تیسرے نمبر پر پاس ہوئے ہو۔ اس خواب کے چند روز بعد سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ضمیمہ انجام آتھم شائع ہوئی تو اس میں حضرت اقدس مسیح

موعود علیہ السلام نے اپنے ۳۱۳ صحابہ کے نام شائع فرمائے۔ اس میں آپ کا نام (۳۔ میاں محمد الدین صاحب پٹواری ملانی ضلع گجرات) تیسرے نمبر پر درج تھا۔

تقسیم ملک کے وقت آپ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ پھر گیارہ مئی ۱۹۴۸ء میں جو تیسرا قافلہ قادیان میں آباد رہنے والوں کا آیا تو آپ اس میں شامل تھے۔ اور آپ کے علاوہ ۱۲ اور صحابہ بھی اس قافلہ میں آئے تھے۔ گویا اس قافلہ میں تین صحابہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ۳۱۳ صحابہ کی شائع کردہ فہرست میں سے تھے اور ۱۰ صحابہ مزید تھے۔ اور باقی خدام تھے۔ جو دیار مسیح کی دربانی کا شوق دلوں میں لئے حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت جب کہ میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں ان بزرگوں میں سے کوئی بھی جین حیات نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا قادیان میں ان بزرگوں کے بھجوانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ قادیان میں مقیم افراد کی اعلیٰ تربیت کی جائے۔ سو یہ عمل ان بزرگوں کے آنے سے شروع ہو گیا۔ مساجد میں ترجمۃ القرآن کی کلاسیں جاری ہوئیں۔ اور فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کی روایات بیان کرنا شروع کیں۔ اس میں حضرت منشی صاحب نے بہت گراں قدر حصہ ڈالا اور کئی مہینوں تک آپ صبح فجر کی نماز کے بعد روایات سناتے رہے۔ آپ نے ایک مرتبہ یہ بتایا کہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں حاضر تھا اور بہت سے صحابہ کرام حاضر تھے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ بڑے بڑے عالم فاضل صحابہ حضور کی صحبت میں ہیں۔ میں کم علم ہوں میں کیا حاصل کر سکوں گا۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا ہی تھا کہ حضور نے میری طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا۔

میاں محمد الدین اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ میں نے حضور کی اس بات کو پلّے باندھ لیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن کو روشن کر دیا اور مجھے بہت سی باتیں یاد رہنے لگیں۔ حتیٰ کہ عین بڑھاپے میں میں نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب سے چالیس حدیثیں مع جملہ راویوں کی سند کے یاد کر لیں۔ ظاہر ہے یہ ایک معجزہ کا حکم رکھتی ہوئی بات ہے۔ ایک حدیث ۳۰ واسطوں سے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچی ہے۔

آپ ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔ میں نے خود دیکھا آپ صاف پاک مٹی کا ایک ڈھیلہ اپنی جیب میں رکھتے تھے جونہی وضو ٹوٹتا فوراً مٹی کا ڈھیلہ نکال کر تیمّم کر لیتے اور جب پانی میسر آتا وضو فرما لیتے۔ آپ مسجد مبارک میں فجر کی نماز پڑھ کر گھر جا رہے تھے۔ مہمان خانہ سے گزرتے ہوئے کسی فرش کی اینٹ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے کولہے پر چوٹ آئی غالباً ہڈی میں فریکچر ہوا۔ درویشان اٹھا کر گھر لے گئے۔ احمدیہ شفا خانہ سے مکرم کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب علاج کرتے رہے۔ دو روز کی مختصر علالت کے بعد مؤرخہ یکم نومبر ۱۹۵۱ء کو آپ کی روح الرفیق الاعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ ۳۱۳ مغموم درویشوں کے کندھوں پر ایک ایسی محبوب ہستی کا جنازہ تھا جنہیں قیامت تک بھلایا نہیں جا سکے گا۔ بہشتی مقبرہ میں قطعہ صحابہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اور بعد تیاری قبر حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹ رضی اللہ عنہ امیر جماعت احمدیہ قادیان، جو خود بھی صحابہ میں تھے، نے دعا کرائی۔

آپ کی وفات کے وقت آپ کے چار بیٹے اور ایک بیٹی حین حیات تھے اور سب ہی خدمت سلسلہ احمدیہ میں مصروف تھے۔

۱۔ سب سے بڑے بیٹے صوفی غلام احمد صاحب ۱۹۲۳ء میں علاقہ ملکانہ میں

تبلیغ کے میدان میں خدمت کی پھر احمدیہ ہوسٹل لاہور کے سپرنٹنڈنٹ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ٹیچر کے طور پر اور ۳۵ء میں بورڈنگ تحریک جدید سپرنٹنڈنٹ، پھر نائب ناظر بیت المال اور آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ناظر بیت المال خرچ اور ناظر اعلیٰ ثانی مقرر فرمایا۔

۲۔ دوسرے بیٹے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے معالج ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

۳۔ تیسرے بیٹے چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بار ایٹ لاء کو بطور مشیر قانونی صدر انجمن احمدیہ اور وکیل القانون تحریک جدید کی خدمت کی توفیق ملی اور آپ کے بیٹے لطیف احمد جھمٹ بھی نائب وکیل المال ثانی کے طور پر خدمت سلسلہ میں مصروف ہیں۔

۴۔ چوتھے بیٹے چوہدری غلام یٰسین صاحب بطور مبلّغ امریکہ فلپائن و انڈونیشیا خدمت کی توفیق ملی۔ اسی طرح آپ کے داماد مولوی باسط احمد آئیوری کوسٹ میں بطور مبلّغ خدمت کر رہے ہیں۔

۵۔ آپ کی بیٹی اور ان کے میاں ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل نے بطور مبلّغ اٹلی و سیرالیون خدمت کی توفیق پائی۔

۶۔ آپ کے پوتے مکرم مبارک مصلح الدین صاحب بطور وکیل المال ثانی اور مبارک مصلح الدین صاحب کا بیٹا مجد الدین انجینئر بطور واقف زندگی خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

۷۔ حضرت منشی محمد الدین صاحبؓ کی ایک نواسی سکینہ بیگم کے شوہر میجر عبد الحمید صاحب نے بطور مبلّغ امریکہ و جاپان خدمت کی توفیق پائی۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے نفوس و اموال میں برکت عطا فرمائے اور خدمت دین کا جذبہ ان میں پشت در پشت تک قائم رکھے۔ آمین

محترم فخر الدین صاحب مالاباری مرحوم کا ذکر خیر

۱۹۴۵ء میں جب نماز جمعۃ المبارک ادا کرنے کے لئے مسجد اقصیٰ میں آتے تھے تو میری عادت تھی میں عموماً مسجد کے برآمدہ میں بائیں طرف بیٹھا کرتا تھا کیونکہ اس طرف سے خطبہ کے دوران حضور انور کا چہرہ مبارک صاف طور پر نظر آتا تھا۔ مسجد کے صحن میں ایک شخصیت جو اجنبی سی معلوم ہوتی تھی مگر خاصی قد آور اور نمایاں نظر آتی تھی نظر آجایا کرتی تھی۔ چونکہ اکثر مہمانان کرام باہر کے صوبہ جات سے قادیان آتے رہتے تھے۔ یہ سمجھا کہ یہ بھی کوئی مہمان ہیں لیکن کچھ دنوں بعد آپ کو مکرم عبدالقدوس صاحب مالاباری جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر نسبتی تھے، کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا۔ محترم عبدالقدوس صاحب مالاباری سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک احمدی دوست ہیں جو مالابار کے علاقہ سے ہجرت کر کے قادیان چلے آئے ہیں اور یہاں پر کوئی کاروبار کرنا چاہتے ہیں۔ چند ماہ بعد آپ نے کتابوں کی دوکان شروع کی اور ابتداء میں چونکہ ہر کاروبار میں خریدار ذرا کم ہوا کرتے ہیں آپ دوکان میں اکیلے بیٹھے ہوئے مطالعہ میں مصروف نظر آتے۔ آپ کا نام فخر الدین صاحب مالاباری تھا۔ ابتداء میں انہیں یہاں بول چال اور زبان کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ پنجابی بھی ٹوٹی پھوٹی سی بولنے لگے تھے۔

۱۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو جب تمام درویش صبح کی حاضری کے لئے لائینوں میں کھڑے ہوئے تو حلقہ مسجد مبارک میں مکرم فخر الدین صاحب مالاباری بھی لائین

میں کھڑے تھے۔ آپ نے بھی سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے فرمان پر اپنے آپ کو قادیان میں رہنے والے ۳۱۳ افراد میں پیش کر دیا تھا جو منظور کر لیا گیا اور آپ اس پر بہت خوش تھے۔

۱۹۴۷ء میں پناہ گزین ہو کر ہندو اور سکھ بھائی جنہیں قادیان میں مکان اور زمین اور دیگر جائیداد الاٹ ہوئی تھی بعض تو پاکستان سے زخم خوردہ یہاں آئے تھے اور ان کے دلوں میں ہمارے لئے بھی نفرت تھی مگر ان میں بعض وہ لوگ بھی آئے تھے جنہیں پاکستان سے احمدی احباب نے بعافیت ان کے سامان اور افراد سمیت بحفاظت کیمپ تک اور بعض کو ہندوستان کے بارڈر تک پہنچا دیا تھا۔ ان کے دل میں تشکر اور ممنونیت کے جذبات تھے۔ ایسے افراد نے یہاں احمدیہ ایریا میں آنا شروع کیا اور ان کے اس اظہار پر کہ جماعت احمدیہ کے افراد امن پسند ہیں اور عام مسلمانوں سے انکا کردار اعلیٰ اور ہمدردانہ ہے دیگر ہندو سکھ بھائیوں کا خوف اور نفرت کم ہونا شروع ہوا۔

جو لوگ اپنا سب کچھ گنوا کر یہاں آئے تھے انہیں جو مکان احمدی بھائیوں کے الاٹ ہوئے تھے ہر ایک مکان میں کتابوں اور اخباروں کا خاصہ سٹاک موجود تھا۔ چند ایک لوگوں نے تو یہ خیال کر کے کہ یہ ان کی مذہبی کتابیں ہیں بے ادبی نہ ہو، نظارت امور عامہ سے رابطہ کر کے سارا سٹاک جماعت احمدیہ کے حوالہ کر دیا۔ مگر بعض مجبور افراد نے اپنی ضروریات کے لئے اس سٹاک کو جو ان کے گھروں میں موجود تھا ردی میں بیچنا شروع کر دیا۔ اس صورت حال میں باہمی مشورہ سے یہ امر اس طرح حل پذیر ہوا کہ جماعت کی طرف سے بھی اور چند ایک وہ درویش جو کتابوں کی تجارت کا کاروبار کرتے تھے وہ غیر مسلم افراد سے سلسلہ کی کتابوں کا سٹاک بازار میں ردی کاغذ کی قیمت سے کچھ زیادہ دے کر خرید نا شروع کر دیں۔

اس طرح کتابوں کا سٹاک ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ اس سکیم کے تحت جن بھائیوں کو کتابیں ردّی میں خریدنے کی اجازت دی گئی ان میں فخر الدین صاحب مالاباری بھی تھے۔ آپ نے ایک بڑا ذخیرہ علم کا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محفوظ کرلیا۔

آپ کے دیگر خاندانی حالات اس طرح ہیں۔ آپ علاقہ مالابار کے ایک متمول تاجر گھرانہ کے چشم و چراغ تھے۔ عالم جوانی میں ہی احمدیت قبول کی۔ اور جیسا کہ مالابار کی تاریخ احمدیت میں مذکور حالات سے اندازہ ہوتا ہے ابتداء میں احمدی ہونے والوں کو بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور سب نے بڑی پامردی سے اس کو برداشت کیا۔

۱۹۰۹ء میں مالابار سے چند افراد جنہیں قادیان آکر خلافت اولیٰ میں فیض صحبت حاصل کرنے کا موقع ملا ان میں مکرم فخر الدین صاحب بھی شامل تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ قادیان میں گزار کر پھر واپس مالابار چلے گئے۔ آپ کو تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ بلکہ جنون کہنا چاہیئے۔ جہاں بھی رہے تبلیغ کرتے رہے۔ سفر میں ہوتے تو لٹریچر ساتھ رکھتے۔

۱۹۱۱ء میں آپ کا نکاح حضرت شیخ محی الدین صاحب کٹی کی بیٹی سے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا۔ آپ کا وسیع کاروبار آہستہ آہستہ مخالفت کی وجہ سے خسارے کا شکار ہوتا چلا گیا۔ تاہم آپ کمال صبر سے احمدیت پر قائم رہے۔ نہ صرف خود قائم رہے بلکہ تبلیغ بھی جاری رکھی اور مالابار میں جہاں کوئی اکیلا احمدی مخالفت کا شکار ہوتا اس کی مدد اور دلجوئی کے لئے وہاں پہنچتے اور حسب حال مدد کرتے۔ خود اپنی طرف سے خرچ کر کے مالابار کے دور دراز مقامات کا سفر کرتے اور تبلیغ کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر میں کنجا موصاحب

موگرال کو تبلیغ کرنے کا موقع ملا۔ گو کنجا موصاحب خود تو احمدی نہ ہوئے مگر کئی سال بعد اسی خاندان میں سے صدیق امیر علی صاحب موگرال کو قبول احمدیت کی سعادت ملی۔ مکرم صدیق امیر علی صاحب ایک عرصہ تک صوبہ کیرلہ کے صوبائی امیر رہ چکے ہیں۔ ساحل مالابار اور چند دیگر ریاستوں جیسے ٹراونکور کوچین وغیرہ کو ملا کر آزادی ملک کے بعد صوبہ کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اور اس صوبہ کا نام کیرلہ رکھا گیا ہے۔

آپ نے زندگی کا بڑا حصہ پینگاڈی میں گزارا۔ نماز جمعہ پڑھانا خطبہ جمعہ دینا آپ کی ہی ذمہ داری تھی۔ چندہ جات کی وصولی اور مرکز کو ترسیل کا کام بھی ایک عرصہ تک آپ کے ہی ذمہ رہا۔

آپ کی پہلی بیوی کی اولاد پانچ لڑکیاں تھیں جو سب مالابار میں ہی بیاہی ہوئی تھیں اور مخلص احمدی تھیں۔ ان کے اسماء حسب ذیل ہیں:

۱۔ بی فاطمہ صاحبہ ۲۔ بی زینب صاحبہ ۳۔ بی عائشہ صاحبہ ۴۔ بی سلیمہ صاحبہ ۵۔ بی خدیجہ صاحبہ

اول الذکر چار بیٹیاں وفات پاچکی ہیں۔ صرف بی خدیجہ صاحبہ حین حیات ہیں۔

درویشی زندگی میں کئی سال تجربہ میں گزارنے کے بعد آپ ایک بار مالابار گئے تو وہاں آپ نے مکرم فلاسفر محمد صاحب کی بیٹی محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ سے نکاح ثانی کیا۔ محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ بنت مکرم فلاسفر محمد صاحب کو ڈالی بھی پہلے بیوہ تھیں۔ اور ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ محترم فخر الدین صاحب مالاباری کو اللہ تعالیٰ نے اس دوسری بیوی سے بھی ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام منیر احمد ہے۔

۱۹۵۰ء میں ہندوستان سے کچھ خاندان قادیان بلوائے گئے تھے۔ اور

پاکستان سے بھی درویشان کے اہل وعیال منگوانے کا کام جاری تھا اور مزید درویشان کی شادیاں بھی ہندوستان کی جماعتوں میں ہوگئی تھیں۔ اور صدر انجمن احمدیہ پر اخراجات کا بار بڑھ گیا تھا۔ اور اس وقت کا بجٹ آمد ان سب اخراجات کا متحمل نہیں رہا تھا۔ اس لئے حضور انور کی اجازت سے درویشان میں یہ تحریک کی گئی تھی کہ جو افراد اپنا گزارہ خود کوئی کام کر کے چلا سکتے ہوں وہ اپنے گزارہ کا بار انجمن کے بجٹ سے ہلکا کر دیں۔ اس پر ۶۰-۵۰ درویش اس قربانی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ان میں مکرم فخر الدین صاحب بھی تھے۔ آپ ایک عرصہ تک خود محنت کر کے اپنا گزارہ چلاتے رہے تا آنکہ ایک حادثہ میں آپ کے کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا اور چلنے پھرنے سے آپ ایک حد تک معذور ہو گئے۔

حادثہ یوں ہوا کہ آپ نے دودھ دینے والی ایک گائے بھی پال رکھی تھے۔ ایک روز وہ گائے کو حسب معمول ایک لمبا رسہ باندھ کر چرا رہے تھے اور آپ کو مطالعہ کا بھی بہت شوق تھا۔ کوئی کتاب بھی ساتھ لے جاتے اور جب تک گائے چراتے ساتھ ساتھ کتاب بھی پڑھتے جاتے۔ آپ نے یہ خیال کر کے کہ ایسا نہ ہو کہ میں کتاب پڑھنے میں محو ہوں اور گائے کسی کھیت میں چلی جائے اور مجھے علم نہ ہو، گائے کے رسہ کو ایک درخت سے باندھ لیا تا گائے کسی اور جگہ جانے لگے تو رسہ کی وجہ سے نہ جا سکے اور میں اس کو کنٹرول کر لوں۔ آپ کھڑے ہو کر کتاب پڑھنے میں مصروف تھے گائے کسی چیز سے ڈر گئی اور ایک دم بھاگ نکلی اور آپ رسہ کی زد میں آ گئے اور آپ کے کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا۔

بتقاضائے عمر آپ کمزور تو تھے ہی حادثہ کے بعد کمزوری روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اور آپ بڑے صبر سے اس کو برداشت کرتے چلے گئے۔ آپ شگفتہ مزاج بھی تھے۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے پنجابی زبان پوری طرح تو نہیں سیکھی مگر اس کا اصول

ذہن نشین کر لیا ہے۔ چاقو کو قاچو کہہ دیں تو یہ پنجابی ہو جاتی ہے۔ وغیرہ

آہستہ آہستہ ۱۹۷ء کو آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں سے پیغام آنے لگے اور آپ کمال صبر اور اطمینان سے مؤرخہ یکم مئی ۱۹۷ء کو ایک ہی جست میں یہ طویل سفر طے کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی اور آپ صوبہ کیرلہ کے سب سے پہلے موصی تھے۔ مقبرہ بہشتی قادیان میں مدفون ہوئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے منیر احمد صاحب اور ربیب مولوی رفیق احمد صاحب نائب ناظر بیت المال آمد کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے

مکرم ومحترم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔صدر انجمن احمدیہ۔ انجمن تحریک جدید اور انجمن وقف جدید کی طرف سے آپ کی وفات پر جو تعزیتی ریزولیوشن پاس کیا گیا اس میں بڑی تفصیل سے آپ کی جماعتی خدمات کا ذکر آچکا ہے۔ میں جو کچھ لکھنے والا ہوں وہ صرف مشاہدات تک محدود ہے۔اور جو باتیں میرے حافظہ کی سکرین پر محفوظ رہ گئیں ان کا ہی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

درویشی دور کے حالات پیش کرنا مدنظر ہے اس لئے میں زمانہ قبل درویشی کے حالات کو چھوڑتا ہوں اور ابتداء زمانہ درویشی سے کرتا ہوں۔

ابتدائی دنوں میں جب کہ صدر انجمن احمدیہ کے ادارہ جات کی الگ الگ کارکردگی کا دور نہیں شروع ہوا تھا۔ تمام تر ڈاک امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کے نام ہی ہوا کرتی تھی۔اس وقت مکرم ملک صلاح الدین صاحب امارت مقامی کی ڈاک لکھنے کی خدمت پر مقرر تھے۔اور تمام ڈاک لکھ کر امیر صاحب مقامی کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور یہ تھکا دینے والا کام بڑی توجہ اور مستقل مزاجی سے کیا کرتے تھے۔عزم اور ارادہ کے پکے تھے اور محنت کرتے ہوئے خاص کر لکھنے کی محنت سے ہرگز نہ تھکتے تھے۔مہینوں یہ کام آپ نے کیا پھر ۱۹۴۸ء میں جب چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی قادیان آگئے تو یہ خدمت ان کے سپرد ہوگئی۔

ازاں بعد مکرم ملک صاحب کے سپرد ناظر ضیافت کی نگرانی کا کام ۔۔۔ہوا۔

آپ بحیثیت ناظر ضیافت بڑی توجہ سے یہ کام انجام دیتے تھے۔اور جملہ امور کھانا پکنے اور تقسیم ہونے کی خود نگرانی فرماتے تھے تاکسی مرحلہ پر بھی بدنظمی نہ ہونے پائے۔ایک شخص اللہ رکھا نامی جو قادیان میں فتنہ پردازی کے لئے ہی آیا تھا۔اور کسی موقعہ کی تلاش میں تھا۔ایک روز جب محترمی ملک صاحب خود تقسیم سالن کی نگرانی فرمارہے تھے۔اس نے شرارت شروع کی اور تنظیم میں بدانتظامی کا شور مچا کر محترم ملک صاحب سے جھگڑے کی بناڈال دی۔ موقعہ پر حاضر بعض دیگر درویشوں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ تو مخالفین کا آلہ کار تھا ان کی ہدایت پر ہی جماعت کے اندر انتشار کے لئے آیا ہوا تھا۔ جھگڑے کو طول دیتا چلا گیا اور گالی گلوچ اور ہاتھا پائی پر اتر آیا۔ جماعت کے مخالفین کا ایک گروہ اس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ وہ وہاں سے بظاہر گزرتے ہوئے چھڑانے والوں میں شامل ہوکر گواہ بن گئے۔اور اگلے روز اللہ رکھا کی طرف سے جماعت کے ۲۵ معززین کے خلاف استغاثہ دائر کردیا اور جماعت کے ازلی مخالف اس کے گواہ بن گئے اور مقدمہ شروع ہوگیا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے ایام میں ہی گورنمنٹ کی طرف سے ایک ریزیڈنٹ مجسٹریٹ یہاں متعین تھا اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی میں اس کی عدالت لگا کرتی تھی۔ تین چار پیشیاں یہاں پر ہوئیں۔اور پھر مقدمہ بٹالہ منتقل ہوگیا اور کئی ماہ تک چلتا رہا۔ جلدی جلدی تاریخیں پڑتی تھیں۔مخالفین کا پروگرام بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ جماعت کے ان سرکردہ افراد کو مقدمہ میں الجھائے رکھا جائے تاوہ جماعتی کاموں کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکیں۔ان ۲۵ افراد میں محترم حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹؓ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ،مکرم مولوی برکات احمد صاحب،مکرم ملک صلاح الدین صاحب،مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز،خاکسار حکیم بدرالدین عامل،مکرم میر رفیع احمد صاحب،مکرم مولوی برکت علی

صاحب، مکرم چوہدری مبارک علی صاحب، مکرم چوہدری سکندر خان صاحب، مکرم غلام قادر صاحب درویش اور چند افراد شامل تھے۔ جن کے نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہے۔ چونکہ مخالفین کا مقصد ہی جماعت کو کسی نہ کسی رنگ میں تکلیف دینا تھا۔ مجسٹریٹ کو بھی یہ تاثر دیا گیا تھا کہ ان لوگوں کی طرف سے اس شخص کو جان کا خطرہ ہے۔ اور نہایت سنگین صورت حال سے ہم نے اس کو اس روز نکالا ہے۔ لہذا مجسٹریٹ نے ان جملہ ۲۵ افراد کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے ان سب کو ایک سال کے لئے دس دس ہزار روپے کی ضمانتیں داخل کرنے کا حکم دیا۔ یہ ضمانتیں داخل کر دی گئیں اور اس طرح یہ فتنہ وقتی طور پر ختم ہوا۔ (اللہ رکھے کی داستاں الگ ہے کہ اس نے آگے کیا کیا گل کھلائے چونکہ اس کا تعلق درویشی دور سے نہیں میں اس حصہ کو چھوڑتا ہوں)

جائیدادوں کی واگزاری کے تعلق میں مجھے بہت سے سفر مکرم ملک صاحب کے ہمراہ کرنے پڑے ہیں۔ اس طرح مجھے ملک صاحب کے عمل و کردار کا بڑے نزدیک سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔

۱۔ سادگی ملک صاحب کی طبیعت ثانیہ تھی۔ لباس میں سادگی، گفتگو میں سادگی، خوراک میں سادگی، سفر میں سلسلہ کے روپے کو بڑی احتیاط اور کم سے کم خرچ کرنا آپ کے مدنظر ہوتا سفر میں عموماً کھانا گھر سے پکوا کر لے جایا کرتے تھے۔ اور کھانا نہایت سادہ بعض اوقات ساگ اور مکئی کی روٹی ہی ساتھ لے کر گئے ہوتے اور کھانے میں مجھے بھی شریک کر لیتے اور نہایت بے تکلفی سے کھاتے۔ بعض دفعہ صرف روٹیاں ہی پکوا کر ساتھ لے جاتے اور ہم دونوں مل کر بازار سے پکوڑے وغیرہ لے کر روٹیاں ان کے ساتھ کھالیا کرتے۔ اسی طرح ان ایام میں ابھی پکی سڑک بٹالہ تک نہیں بنی تھی اس لئے ریل پر ہی سفر کرنا ہوتا تھا۔ اس غرض سے کہ ریلوے سٹیشن

تک جانے کے لئے تانگہ کا خرچ بچایا جائے ہم ریلوے سٹیشن تک جو احمدیہ محلہ سے قریب ایک میل فاصلہ پر ہے پیدل ہی چل کر جایا کرتے اور واپسی پر بھی پیدل ہی آجایا کرتے تھے۔ اگر کوئی چھوٹا موٹا بوجھ بھی پاس ہوتا تو اس کو بھی خود اٹھا کر لے آتے اور اس میں ذرہ بھر بھی کوفت یا اپنی بے عزتی محسوس نہ کرتے۔

انہی ایام میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے ایک اشتہار اخبار الفضل میں چھپتا تھا۔ مجھے آپ کی تلاش ہے۔ اس میں کئی ایک شرائط حضور نے لکھی تھیں۔ ان شرائط پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔

۲۔ ملک صاحب بڑے مضبوط جسم عزم وارادہ کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ ملک صاحب جائیدادوں کے کیس میں پیشی سے فارغ ہو کر واپس قادیان آرہے تھے۔ بٹالہ سے قادیان آنے والی آخری گاڑی آپ نہیں پکڑ سکے۔ آپ نے اڈہ میں آکر دیکھا کہ کوئی اور ذریعہ قادیان پہنچنے کا مل جائے۔ یہاں دیکھا کہ چند مسافر اور بھی اس روٹ پر آنے والے موجود تھے۔ ان میں زیادہ تر ہرچووال جانے والے تھے اور قادیان آنے والے اکیلے ملک صاحب ہی تھے اور دو مسافر قریبی گاؤں میں جانے والے تھے۔ چنانچہ ہرچووال جانے والے مسافروں نے ایک گاڑی چارٹر کی۔ جس میں ملک صاحب اور دیگر دونوں مسافر بھی بیٹھ گئے۔ سڑک کچی تھی اور اس پر مستزاد خوب بارش بھی ہوئی تھی وہ گاڑی چونکہ سیدھی ہرچووال جانے والی تھی۔ اس نے ملک صاحب اور دیگر دو مسافروں کو ڈلہ موڑ پر ڈراپ کر دیا اور آگے روانہ ہوگئی۔ ڈلہ موڑ قادیان سے کم وبیش تین کلومیٹر پر ہے۔ ملک صاحب کے پاس کچھ سامان بھی تھا جس کا وزن ایک مَن کے قریب تھا۔ اندھیری رات رستہ بارش کی وجہ سے خراب مٹی میں پاؤں دھنس دھنس جاتے۔ تاہم گھر تو آنا ہی تھا ہرچہ بادا باد ملک صاحب یہ سامان اٹھا کر چل پڑے۔ آپ نے محسوس کیا کہ کوئی شخص اندھیرے

میں تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جوں جوں آپ اپنی رفتار تیز کرتے وہ بھی
مسلسل تیزی سے آپ کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ ملک صاحب نے یہ محسوس کیا کہ
میرے پاس جو سامان ہے اس کو یہ شخص چھیننا چاہتا ہے۔ آخر وہ شخص بالکل قریب پہنچ
گیا۔ وہ ملک صاحب پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ ملک صاحب نے خطرہ کو بھانپ لیا اور
پیچھے مڑ کر اس پر اپنے سونٹے سے وار کر دیا۔ جس سے وہ شخص بوکھلا کر اور زخمی حالت
میں بھاگ نکلا۔ ملک صاحب نے محسوس کیا کہ ہوسکتا ہے یہ شخص قریب میں کسی مقام
سے اپنے امدادی اور افراد کو لے کر مجھ پر حملہ کر دے یا اسلحہ لے کر آجائے اور مجھ پر
حملہ کرے۔ آپ حفاظت کی غرض سے نزدیک ایک کماد کے کھیت میں چھپ گئے اور
رات بھر سیلاب زدہ زمین مچھروں کی بہتات اور دن بھر کی تھکان اور بھوک پیاس
کی شدت برداشت کرتے ہوئے صبح کی اذان تک وہاں رہے اور فجر کی اذان کے
ساتھ ہی آپ اس کھیت سے نکل کھڑے ہوئے اور احمدیہ ایریا میں مع سامان پہنچ
گئے۔ آپ کے تمام کپڑے مٹی سے لت پت تھے۔ اور پورا جسم پسینہ سے شرابور تھا۔
نظارت امور عامہ کی طرف سے پولیس میں اطلاع دی گئی اور پولیس کو چونکہ اس قسم
کے لوگوں کا پتہ ہوتا ہے انہوں نے اسی روز اس شخص کو گرفتار کر لیا اور پتہ چلا کہ یہ
شخص راہگیروں کو لوٹنے کا عادی مجرم ہے۔

۳۔ ملک صاحب بیماروں کی بیمار پرسی کے لئے خاص طور پر جاتے۔ اپنے تو
اپنے ہی ہیں۔ آپ غیر مسلم ملنے والوں کی بھی بیمار پرسی کرنے جایا کرتے اور اس
میں کبھی تھکان محسوس نہ کرتے۔

ہومیوپیتھی کا بھی آپ خاصہ مطالعہ رکھتے تھے اور کچھ ادویہ بھی منگوا کر رکھا
کرتے تھے۔ بیمار پرسی بھی کرتے اور ہومیوپیتھک ادویات بھی اپنے پاس سے دے
دیتے تھے۔ اگر آپ کے سٹاک میں وہ دوائی نہ ہوتی تو لکھ دیتے۔

۴۔ تاریخ سلسلہ سے بڑی گہری واقفیت تھی۔ اپنی مجالس میں تاریخی واقعات
سنانا آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ خاص کر صحابہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے
حالات سناتے ہوئے نہ تھکتے تھے۔

لکھنے کا آپ کو بے حد شوق تھا میں نے دیکھا کہ آپ جب میرے ساتھ
جائیدادوں کے مقدمہ میں پیروی کے لئے گئے تو جب تک عدالت سے آواز نہ
پڑتی آپ لکھنے میں مصروف رہتے اور اردگرد کا ماحول اور شور وغل آپ کی توجہ کو
متاثر نہیں کرتا تھا۔ بعض اوقات میں نے دیکھا کہ کئی دستے کاغذ آپ ایک دن میں
لکھ چکے ہوتے۔

۵۔ جائیدادوں کے مقدمہ میں جملہ دستاویزات پیش ہو چکی ہوئی تھیں، اور
گواہیاں بھی ہو چکی ہوئی تھیں۔ اب بحث کا مرحلہ باقی تھا۔ اس کی تیاری کے لئے
معائنہ مسل ضروری تھا۔ لہذا ہم نے معائنہ مسل کی درخواست دی جو منظور ہوگئی اور
دن مقرر ہو گئے کیونکہ مخالف فریق نے بھی معائنہ کرنا تھا اور بحث تیار کرنا تھی۔ ملک
صاحب نے کہا کہ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب چونکہ ایک ماہر زود نویس ہیں۔ بہتر
ہو کہ انہیں ساتھ لیا جائے۔ اور جو حوالہ جات ضروری ہوں وہ نقل کر لئے جائیں۔
لہذا نظارت علیا کے ذریعہ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب کی خدمات مستعار مل
گئیں۔ اور ہم تینوں محترم ملک صاحب محترم چوہدری فیض احمد صاحب اور خاکسار
معائنہ مسل کے لئے گئے۔ مسل دے کر ہمیں الگ کمرہ میں بٹھا دیا گیا۔ اور متعلقہ
ریکارڈ کلرک کو پاس بٹھا دیا۔ مسل دیکھ کر چوہدری فیض صاحب کہنے لگے کہ اس قدر
مواد کو تو میں من وعن لکھ لوں گا۔ آپ پڑھتے جائیں میں لکھوں گا۔ چنانچہ مکرم ملک
صاحب پڑھتے جاتے اور چوہدری صاحب لکھتے جاتے اور جب ملک صاحب تھک
جاتے میں پڑھتا اور چوہدری صاحب لکھتے اور جب چوہدری صاحب کو آرام دینا مد

نظر ہوتا تو پھر محترم ملک صاحب لکھتے اور میں پڑھتا جاتا۔ اس طرح ہم نے تین روز میں پوری مسل نوٹ کر لی اور پھر ہمیں مقدمہ کے اختتام تک معائنہ مسل کی ضرورت نہیں پڑی۔

یہ غالباً آخری روز تھا۔ جب ہم نے مسل لکھنے کا کام ختم کر لیا۔ ٹائم دیکھا تو گاڑی کا وقت ہو چکا تھا۔ یہ طے کیا کہ بجائے اس کے کہ ہم پہلے بس پر بٹالہ جائیں اور پھر وہاں سے قادیان کی ٹرین پکڑیں کیوں نہ ہم گورداسپور سے ہی ریل میں جائیں اور وہاں بٹالہ میں گاڑی بدل کر قادیان چلے جائیں۔ اس لئے ہم گورداسپور ریلوے سٹیشن پر چلے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ گاڑی آنے میں ۲۰ منٹ باقی ہیں۔ لہذا یہ پروگرام بنا کر گاڑی آنے تک چائے پی لی جائے میں نے ٹی سٹال والے کو تین کپ چائے کا آرڈر دے دیا۔ ابھی چائے بن ہی رہی تھی کہ مخالف وکیل چوہدری محکم چند صاحب بھی وہاں آ گئے۔ ان کے ساتھ قادیان کے ایک پنڈت مسمی کنج لال بھی تھے۔ یہ جماعت کے سخت مخالف تھے۔ اور جائیدادوں کے کیس میں بھی مخالف پارٹی کے طور پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان کے آنے پر میں نے کہا چوہدری صاحب (چوہدری محکم چند) کیا آپ چائے پئیں گے۔ انہوں نے اثبات مین جواب دیا تو میں نے دو کپ مزید چائے کا آرڈر دے دیا۔ چائے آ گئی اور ہم سب پینے لگے چائے پیتے ہوئے پنڈت کنج لال صاحب نے کہا کہ اس سے پر ماتما نے روزی روٹی مرزا صاحب کے وجود سے وابستہ کر دی ہے۔ کوئی تو آپ کی موافقت کر کے روزی کھا رہا ہے اور کوئی مخالفت کر کے کھا رہا ہے۔ ہر صورت میں کھا مرزا صاحب کے وجود کے باعث ہی رہا ہے۔ یہ بات سن کر چوہدری محکم چند صاحب ایڈووکیٹ نے کہا کہ پنڈت جی جب آپ کو یہ نسخہ یاد ہے تو آپ موافقت کر کے کیوں نہیں عزت کی روٹی کھاتے۔ آپ نے مخالفت کر کے

کیوں روزی حاصل کرنے کا اصول اپنایا ہے اس کے جواب میں پنڈت کنج لال صاحب نے کہا۔ چوہدری صاحب اب جبکہ یہ نسخہ میرے دماغ میں آیا ہے میں مخالفت میں بہت آگے نکل چکا ہوں اب اگر میں ان کی طرف جاؤں بھی تو یہ مجھے قبول نہیں کریں گے۔

فروری ۲۰۰۲ء میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کی صفت رزاق پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں بھی اظہار فرمایا کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے مظہر تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ جب دستر خوان کا بچا ہوا کھانا میرے لئے ہوتا تھا اور اب اللہ تعالیٰ کا اس قدر فضل و کرم ہے کہ میرے دستر خوان پر بہت سے خاندان پل رہے ہیں۔ اس خطبہ کے بعد میں نے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پنڈت کنج لال والا واقعہ لکھ کر بھجوایا۔ اس کے جواب میں حضور نے میرے نام خط میں لکھا۔ (خلاصہ خط)

حضور انور نے فرمایا۔

"آپ نے بہت اچھا واقعہ لکھا ہے۔ دراصل بات اسی طرح ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں روزی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وجود سے وابستہ کر دی ہے"

سلسلہ احمدیہ کی خدمت کرنا اور کرتے چلے جانا آپ کا عمل تھا۔ آپ نے بطور پرائیویٹ سیکرٹری بھی کام کیا، بطور ناظر اعلیٰ بھی اور بطور ناظر بھی۔ بطور ناظم بھی بطور افسر صیغہ بھی اور بطور نائب ناظر و لائبریرین بھی۔ آپ نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میں تو فلاں اعلیٰ عہدہ پر تھا اور اب جو تقرر ہوا ہے وہ اس سے چھوٹے عہدہ پر ہے۔ گویا تنزل واقعہ ہو رہا ہے۔ ہر گز نہیں آپ نے کبھی اس خیال کو پاس نہیں آنے

دیا۔ بلکہ اس امر کو سینہ سے لگائے رکھا کہ میرا مقصد تو خدمت سلسلہ حقہ احمدیہ اسلامیہ ہے۔ جو مجھے میسر ہے اور اجر اللہ تعالیٰ نے عطا کرنا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق جزا دینے والا ہے۔ میں کیوں کسی خدمت سے پہلو تہی کروں۔ سبحان اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا عمل و کردار ہے۔

دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ اصحاب احمد کا کام بھی جاری رکھنا آپ کا بڑا عظیم کارنامہ ہے اور یہ شائع شدہ مواد آئندہ تاریخ لکھنے والوں کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔

آپ ایک عرصہ سے بیمار اور کمزور تھے اور بستر پر پڑے رہنے سے بیڈ سور ہو گیا تھا جو خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ اور اس کے بہتر علاج کی غرض سے لدھیانہ لے جایا گیا۔ اور وہاں گئے دوسرا روز تھا بلاوا آ گیا اور آپ نے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے، جس شہر کو بیعت اولیٰ کے لئے چنا تھا اسی شہر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کی اولاد کو بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مکرم مولانا محمد حفیظ صاحب بقاپوری سابق ایڈیٹر بدر کا ذکر خیر

اے تصور پھر دکھا دے اب وہ صبح شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

میں اپنی یاداشتوں کے نہاں خانوں میں جھانکتا ہوں تو آج سے ۶۰ سال قبل کا ایک منظر اجاگر ہو کر سکرین پر آ جاتا ہے۔ ۱۹۴۳ء کی بات ہے۔ جلسہ سالانہ کی آمد آمد ہے۔ ہماری رہائش ان دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے دیوان خانہ میں تھی (اس مکان میں آج کل مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی فیملی آباد ہے) رات کو نماز عشاء پڑھ کر جب میں گھر پہنچا تو چند منٹ بعد دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں نے جا کر دیکھا تو ایک خادم کاپی لئے کھڑا تھا۔ اس نے کاپی مجھے تھماتے ہوئے کہا اس پر اطلاعی دستخط کر دیں۔ میں نے کاپی لے کر پڑھی تو معلوم ہوا کہ جلسہ سالانہ ۱۹۴۳ء میں مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری کو منتظم مکانات مقرر کیا گیا ہے اور مجھے ان کے ساتھ بطور نائب منتظم مقرر کیا گیا ہے اور یہ کہ دو روز بعد جلسہ سالانہ کے انتظامات کے تعلق میں میٹنگ ہو گی۔ میں نے اطلاعی دستخط کر کے کاپی واپس کر دی۔

ان دنوں جلسہ سالانہ کی انتظامیہ کا ڈھانچہ اس طرح ہوتا تھا۔ بڑی بڑی رہائش گاہوں میں بورڈنگ، مدرسہ احمدیہ اور ہوسٹل کالج اور سکولوں کی عمارات ہوتی تھیں۔ مہمانوں کی خدمت کے لئے الگ الگ مہمان نواز مقرر ہوتے تھے۔ جو

مہمان مختلف افراد کے گھروں میں قیام کرتے تھے۔ ان کے لئے کھانا لنگر خانہ سے لانے کے لئے الگ ڈیوٹی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاحب خانہ عموماً کھانا لادیتے یا مہمان حضرات خود لے آیا کرتے تھے۔ البتہ جس مکان میں وہ قیام کرتے تھے وہاں روشنی اور پانی اور کسیر کا انتظام جلسہ سالانہ کی انتظامیہ کرتی تھی۔ سب مکانات میں بجلی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے مٹی کے تیل کے دیئے اور تیل فراہم کیا جاتا تھا اور پانی کی فراہمی بھی۔ ہر گھر میں نلکہ نہ ہونے کی وجہ سے ماشکی حضرات سے پانی فراہم کرنا ہوتا تھا۔

ایسی رہائش گاہوں میں استعمال کے لئے مٹی کے تیل کے دیئے۔ سالن کے لئے مٹی کے پیالے اور پانی پینے کے لئے آب خورے۔ اور لنگر سے سالن لانے کے لئے بالٹیاں، پانی رکھنے کے لئے مٹی کے گھڑے اور وضو کرنے کے لئے مٹی کے لوٹے فراہم کئے جاتے تھے۔

مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری سے یہ میرا پہلا تعارف تھا۔ مولوی صاحب غالباً ایک سال قبل مدرسہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ میں ہی استاد کے طور پر ملازم ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر اس سال خوب خدمت کی جس سے افسر صاحب جلسہ سالانہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔

۱۹۴۴ء میں میری شادی ہوئی اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد یعنی چند ماہ بعد مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب کی شادی ہوئی۔ ازاں بعد ۱۹۴۴ء کے آخر میں ہم نے محلّہ دارالفضل میں مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ اس لئے میری ڈیوٹی لنگر خانہ دارالفضل میں تقسیم سالن پر لگ گئی تھی۔ اس لنگر خانہ کے انچارج اس وقت مکرم و محترم حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ابن حضرت مرزا شریف احمد

صاحب رضی اللہ عنہ تھے۔ لنگر خانہ ریلوے روڈ پر اس احاطہ میں تھا۔ جو ابھی اسی سال سردار بڈھا سنگھ کرایہ دار سے خالی ہو کر قبضہ صدر انجمن احمدیہ کو ملا ہے۔

۱۹۴۷ء میں مکرم مولوی صاحب اس غلط فہمی میں کہ اب یہاں سے سب کو ہجرت کر جانا ہے۔ پاکستان چلے گئے وہاں دسمبر میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور انور رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ تو کارکن ہیں اور ان کارکنان میں سے جنہیں قادیان میں رکھا جانا تھا آپ کو واپس جانا چاہیئے۔ دسمبر میں قادیان آنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے کچھ انتظار کرنا پڑا۔ اور جنوری میں جو چند لوگ درویشوں کے تبادلہ کے طور پر قادیان آئے۔ مولوی صاحب ان میں واپس قادیان آگئے۔

اس جگہ یہ وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہی خیال تھا کہ ہر دو ماہ پر درویشان کا تبادلہ ہوتا رہے گا۔ مگر جنوری میں کوشش بسیار کے باوجود صرف دس افراد کا تبادلہ ممکن ہو سکا۔ پھر اگلے دو ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۴۸ء میں بھی صرف ۱۵ افراد کا تبادلہ ممکن ہو سکا۔ اگلے دو ماہ بعد یعنی مئی ۱۹۴۸ء کو ۳۰ افراد کا تبادلہ ممکن ہو سکا۔ تب حضور انور رضی اللہ عنہ کی طرف سے تبادلہ کا سسٹم بند کر کے قادیان میں موجود افراد کو قادیان میں مستقل رہائش کی تحریک کی گئی جس پر اکثر درویشوں نے لبیک کہا۔ صرف چند وہ لوگ جو اپنی حالت کی وجہ سے سخت مجبور تھے وہ اس تحریک میں شامل نہ ہو سکے۔ ان کی جگہ پر ہندوستان کی جماعتوں میں تحریک کی گئی۔ اور ۱۹۵۰ء میں ہندوستان کی جماعتوں سے کئی خاندان ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ اور یہ سخت مجبور افراد واپس جا سکے۔

مولوی محمد حفیظ صاحب کو قادیان آنے پر ناظر ضیافت مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۹ء کے جلسہ سالانہ پر حضور انور رضی اللہ عنہ کی طرف سے ارشاد آیا کہ اب دفاتر کو

باقاعدہ سیٹ کیا جائے اور ہندوستان کی جماعتوں کو پھر سے منظم اور بیدار کیا جائے۔ اس پر ۱۹۵۰ء میں دفاتر نے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ مدرسہ احمدیہ کا بھی اجراء عمل میں آیا۔ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی ہیڈ ماسٹر اور مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری بطور استاد مقرر ہوئے۔ پہلے سال صرف چار طالب علم حیدرآباد (آندھرا) کے علاقہ سے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ پھر یہ تعداد بڑھتی چلی گئی اور آج کل خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوسو سے تجاوز کر چلی ہے۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ ۱۹۴۹ء میں کچھ عرصہ کے لئے مکرم مولوی صاحب کو معاون ناظر اعلیٰ کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔

قادیان سے اخبار بدر جاری ہوا تو اس کے پہلے ایڈیٹر مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی نظارت امور عامہ کی خدمات کے ساتھ ساتھ مقرر ہوئے پہلے پرنٹر پبلشر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ تھے۔ کچھ عرصہ بعد مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی کی علالت کے باعث ان کو ایڈیٹر کی خدمت سے سبکدوش کر کے پہلے تو مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے کو ایڈیٹر بدر مقرر کیا گیا پھر مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری کو استاد جامعہ کی خدمت کے ساتھ ساتھ ایڈیٹر بدر کی خدمت بھی سپرد ہوئی۔ جسے آپ بڑی عمدگی سے قریباً ۳۰ سال تک بجالاتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے آپ کی ایڈیٹوریل نوٹس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

۱۹۵۰ء میں دفاتر کی تنظیم نو ہونے پر قادیان کی لوکل جماعت کو بھی پھر سے منظم کیا گیا۔ شروع درویشی میں چار حلقوں میں درویش مقیم تھے۔ حلقہ مسجد مبارک، حلقہ مسجد اقصیٰ، حلقہ مسجد ناصر آباد، اور حلقہ مسجد فضل ان کے انچارج نگران کہلاتے تھے۔ اور وہ اپنی مدد کے لئے درویشوں میں سے جس کو چاہتے نامزد کر لیا کرتے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں حلقہ جات کے نام تو وہی رہے مگر ہر حلقہ میں انتخابات کروا

کر صدر حلقہ اور دیگر سیکرٹریان مقرر کئے گئے۔ دو سال تک انتظام اسی طرح چلتا رہا۔ اس میں مکرم مولوی برکت علی صاحب جنرل پریزیڈنٹ، مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری پریزیڈنٹ حلقہ مسجد فضل، مکرم چوہدری سکندر خان صاحب پریزیڈنٹ حلقہ ناصر آباد، مکرم میر رفیع احمد صاحب پریزیڈنٹ حلقہ مسجد اقصیٰ اور خاکسار حکیم بدر الدین عامل پریزیڈنٹ حلقہ مسجد مبارک منتخب ہوئے۔ ایک سال بعد صدر انجمن احمدیہ قادیان کے فیصلہ کے مطابق قادیان میں الگ الگ حلقہ جات کا نظام ختم کر کے پوری جماعت احمدیہ قادیان کو ایک حلقہ بنا کر امارت مقامی کے تحت سیکرٹریان کا انتخاب کرایا گیا۔ اس انتخاب میں خاکسار حکیم بدر الدین عامل بھٹہ جنرل سیکرٹری، مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری سیکرٹری تعلیم و تربیت، مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب سیکرٹری مال اور مکرم چوہدری عبدالسلام صاحب سیکرٹری امور عامہ منتخب ہوئے۔ اسی طرح مولوی صاحب کو استاد مدرسہ احمدیہ، ایڈیٹر بدر اور سیکرٹری تعلیم و تربیت کے عہدوں پر خدمت کی سعادت ملی۔ مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری کو امین بھی مقرر کیا گیا۔ ان ذمہ داریوں کے بوجھ کے تحت مکرم مولوی صاحب نے سیکرٹری تعلیم و تربیت کی خدمت سے معذرت کر دی۔

درمیان میں مولوی صاحب کو بطور نائب ناظر دعوۃ و تبلیغ اور آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کے عہدوں پر بھی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی کی ریٹائرمنٹ پر آپ کو ایڈیٹر بدر اور امین کی خدمات کے ساتھ ساتھ ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ بھی مقرر کیا گیا۔ جس پر اپنی سروس کی مدت کے اختتام تک فائز رہے۔

۱۹۵۹ء کے شروع میں پنجاب میں ایک دم قحط کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ سردار پرتاپ سنگھ کیروں وزیر اعلیٰ پنجاب کا دور تھا۔ انہوں نے ایک دم گورنمنٹ کے

گوداموں کے منہ کھول دیئے۔ قادیان میں بھی اس کا اثر ہوا۔ درویشوں کی اقتصادی حالت تو پہلے ہی خراب تھی۔ قادیان گورنمنٹ کی طرف سے تین آٹے کے ڈپو کھولے گئے۔ مگر یہ ناکافی تھے۔ اور درویش لائینوں میں کھڑے کھڑے آخر ڈپو بند ہو جانے پر خالی ہاتھوں واپس آتے۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے بذریعہ نظارت امور عامہ کوشش کی گئی کہ ایک ڈپو کسی احمدی کے نام ہو جس کو جماعت نامزد کرے اس پر صدر انجمن احمدیہ نے ایک سب کمیٹی تجویز فرمائی جس میں مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی مرحوم، مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری مرحوم اور خاکسار تھے۔ طے یہ ہوا کہ ڈپو حکیم بدرالدین صاحب عامل بھٹہ کے نام پر حاصل کیا جائے۔ آٹے کی خرید کے لئے صدر انجمن احمدیہ نے ایک امانت راشن ڈپو کے نام کھول کر اس میں ۵۰ ہزار روپیہ جمع کرایا۔ اس امانت سے حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے چیک کے ذریعہ رقم نکلوائی جا سکتی تھی۔ جس روز آٹا لانا ہوتا صاحبزادہ صاحب میرے نام چیک دے دیتے۔ پھر ہم دو افراد آٹا لانے جاتے کبھی میرے ہمراہ مولوی صاحب اور کبھی مکرم چوہدری فیض احمد صاحب ہوتے۔ آٹا آجانے کے بعد مکرم چوہدری فیض احمد صاحب خریدار کو پرچی ایشوء کرتے پرچی پر خریدار کا نام گھر کے افراد کی تعداد اور آٹے کی مقدار لکھ دیتے پرچی میرے پاس آتی تو میں اتنے آٹے کی قیمت وصول کر کے اس پر دستخط کر دیتا پھر وہ پرچی مولوی صاحب کے پاس جاتی مولوی صاحب پرچی رکھ کر اتنا آٹا تلوا دیتے۔ شام کو حساب بند ہوتا تو مولوی صاحب پرچیوں کے برابر رقم مجھ سے گن کر لے لیتے اور اگلے روز محاسب میں جمع کرا دیتے۔ مکرم محمد شفیع صاحب دوکاندار مرحوم آٹا تولنے کی خدمت کرتے تھے۔ جنوری ۱۹۵۹ء سے مئی ۱۹۵۹ء تک آٹھ لاکھ چھپن ہزار روپے کا آٹا لاکر تقسیم کیا گیا۔

۱۹۶۰ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ نے مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب کو بھی نائب افسر جلسہ سالانہ مقرر کر دیا۔ خاکسار اور مکرم چوہدری عبد القدیر صاحب پہلے ہی نائب افسر جلسہ کے طور پر مقرر تھے۔ اس عہدہ پر بھی مولوی صاحب کو قریباً ۲۰ سال خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

قادیان میں اقتصادی لحاظ سے درویشوں کی حالت کا اندازہ کر کے مکرم سیٹھ محمد صدیق صاحب مرحوم نے چار ماہ کی گندم قادیان میں موجود درویشان و کارکنان صدر انجمن احمدیہ کو اپنی طرف سے بطور تحفہ دینے کی پیشکش کی تھی۔ جو حضور انور رضی اللہ عنہ نے منظور فرمالی اور ۱۹۶۲ء سے یہ تحفہ ملنا شروع ہوا۔ گندم کی خرید اور پھر ہر ایک کے گھر تک پہنچانا ہوتی تھی۔ اس انتظام کے لئے بھی امارت مقامی کی طرف سے ایک سب کمیٹی تجویز کی گئی تھی اس کے ممبران بھی مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی، مکرم چوہدری عبد القدیر صاحب، مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب اور خاکسار حکیم بدرالدین عامل بھٹہ تھے۔ قادیان کی منڈی ایک چھوٹی منڈی تھی یہاں سے ایک دم ہزار بارہ سو بوری گندم مل سکنا ممکن نہ ہو سکا بٹالہ سے بھی پتہ کیا گیا وہاں سے بھی حسب پسند عمدہ گندم نہ مل سکی اس لئے جگراؤں ضلع لدھیانہ سے گندم خرید کر لائی گئی چار ٹرک گندم خرید کر لائی گئی تھی ہم گندم کمیٹی کے ممبر ہر ٹرک میں ایک ایک ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ کر آئے تھے۔ رات ۱۰ بجے جگراؤں سے روانہ ہو کر فجر کی نماز کے وقت قادیان پہنچے تھے۔ اس سے اگلے سال بٹالہ منڈی سے سیزن پر گندم خرید کر لی گئی تھی۔ جلسہ سالانہ کے لئے اور لنگر خانہ کے معمول کے دنوں کے لئے بھی گندم یہی سب کمیٹی خرید کرتی رہی۔ قریباً ۲۰ سال تک اس سب کمیٹی کو اس خدمت کی سعادت نصیب ہوئی تحفہ کی گندم کی خرید کا جملہ حساب مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب رکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ اور لنگر خانہ کے لئے خریدی ہوئی گندم کا حساب افسر لنگر خانہ

مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب رکھتے تھے۔

مکرم سیٹھ محمد صدیق صاحب مرحوم کے دل کو اللہ تعالیٰ نے درویشوں کی خدمت کے لئے کھول دیا تھا۔ وہ کوئی بھی تحفہ دے کر نہایت خوشی محسوس کرتے تھے۔ بعض اوقات عید پر تمام ساکنین قادیان کو باٹا کمپنی کے نئے جوتے پہنانے کا خیال آجاتا۔ بعض دفعہ سکول کے تمام بچوں اور بچیوں کی یونیفارم فراہم کرنے کا خیال آتا تو اس کی بھی تکمیل اسی سب کمیٹی کے ذریعہ ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ تمام درویشوں کو رضائیاں اور گدے فراہم کرنے کی ضرورت تھی۔ چھ۔ سات سو رضائیاں اور گدے تیار کرنے کے لئے بہت روئی درکار تھی جو قادیان سے نہ مل سکی۔ اس کی خرید کے لئے خاکسار اور محترم مولوی صاحب جگراؤں اور موگا گئے۔ جگراؤں سے یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا اس لئے ہم موگا گئے۔ موگا ہم دن کے آخری حصہ میں پہنچے تھے۔ ایک دو فرموں سے بات چیت ہوئی مگر سودا طے نہ ہو سکا۔ ایک فرم جن کے پاس اچھا سٹاک تھا وہ تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کر رہے تھے۔ ہم اٹھ کر آنے لگے تو مینجر نے کہا آپ کے لئے چائے آگئی ہے پی کر جائیں ہم یہ کہہ کر چل پڑے کہ جب اصل مقصد پر آپ بات ہی نہیں کر رہے صرف چائے پینا تو ہمارے سفر کی غرض نہیں ہے۔ اور ہم چلے آئے کہ کل صبح پھر ٹرائی کریں گے۔ اب سوال یہ سامنے تھا کہ رات کہاں گزاری جائے۔ یہ سوچتے ہوئے بازار میں سے چلتے جا رہے تھے کہ کوئی مناسب ہوٹل مل جائے تو وہاں قیام کیا جائے۔ اچھی خاصی رقم بھی ہمارے پاس تھی۔ اس لئے فکر بھی زیادہ تھی کہ کوئی محفوظ جگہ ملے۔ ہم جا رہے تھے کہ ایک لڑکا پیچھے سے بھاگتا ہوا آیا اور ہمیں کہنے لگا کہ میرے چاچا جی آپ کو بلا رہے ہیں۔ اس سے قبل ہم کبھی موگا گئے ہی نہیں تھے تعجب ہوا کہ ہمیں یہاں کون بلا سکتا ہے۔ تاہم واپس آئے وہ لڑکا ہمیں ایک کپڑے کی دوکان پر لے گیا۔ وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ ایک

دوست سردار نرمل سنگھ بھاٹیہ صاحب بیٹھے ہیں۔ ان سے سلام دعا ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میں نے قادیان سے اپنا کاروبار موگا منتقل کر لیا ہوا ہے۔ آپ کو جاتے دیکھ کر میں نے لڑکے کو پیچھے دوڑایا کہ ہمارے احمدی بھائی جا رہے ہیں۔ رات ہو چکی ہے انہیں بلا لاؤ سو اچھا ہوا کہ آپ آگئے۔ آج رات آپ اپنی مہمان داری کی اجازت دیں۔ ادھر وہ یہ فقرے ادا کر رہے تھے۔ ادھر ہم خدا تعالیٰ کا دل ہی دل میں شکر ادا کر رہے تھے کہ وہ کیسا مسبّب الاسباب ہے کہ دلوں کی بات سن کر اپنی صفت رحمانیت کے تحت سامان فراہم کر دیتا ہے۔

رات کو سردار نرمل سنگھ صاحب بھاٹیہ کے پوچھنے پر ہم نے موگا آنے کی غرض و غائیت بیان کی۔ سردار نرمل سنگھ صاحب نے بتایا کہ یہ فرم بڑی مال دار ہے۔ اس لئے ان کا مزاج ہی خراب ہو گیا ہے۔ دوسرے دن صبح ہم مع سردار نرمل سنگھ صاحب جا رہے تھے۔ جب اس فرم کے دفتر کے سامنے سے گزرے تو ان کا آدمی باہر کھڑا تھا۔ اس نے ہمیں نہایت محبت سے روکا اور دفتر میں آنے کے لئے کہا۔ ہم اندر گئے تو سارے عملہ کا مزاج ہی بدلا ہوا تھا۔ ہم حیران ہو رہے تھے کہ آخر کیا معاملہ ہے۔ ان میں سے ایک نے جو عمر میں بڑا تھا بتایا کہ کل شام جب آپ گئے تو آپ کے جاتے ہی وہ چائے مینجر صاحب پر گر گئی اور چائے چونکہ سخت گرم تھی وہ زخمی ہو گئے اور ہم نے خیال کیا کہ یہ لوگ جو گئے ہیں یہ تو کوئی بزرگ شخصیتیں تھیں ہم نے ان سے اچھا سلوک نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ سزا ملی ہے۔ ہم اسی وقت سے اس انتظار میں تھے کہ آپ ہمیں مل جائیں تو ہم اپنے قصور کا ازالہ کریں ان لوگوں نے ہمیں حسب پسند روئی نہایت واجبی داموں پر فراہم کی۔ دوپہر کا کھانا پیش کیا اور روئی دو ٹرکوں پر لوڈ کروا کر بڑی عزت سے روانہ کیا۔ سردار نرمل سنگھ صاحب بھی اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے۔

مولوی صاحب کو کمر میں درد کا عارضہ خاصی دیر سے تھا مگر آپ اس کو برداشت کرتے ہوئے کام کرتے چلے جارہے تھے۔ جن دنوں آپ کے بیٹے ڈاکٹر عبدالرشید صاحب لدھیانہ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔ آپ کو تکلیف بڑھ گئی۔ ڈاکٹر عبدالرشید صاحب بدر نے تجویز کیا کہ آپ لدھیانہ میں چیک کرائیں۔ لدھیانہ میں چیک کرانے پر آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں نقص معلوم ہوا اور ڈاکٹروں نے اپریشن کا مشورہ دیا۔ اپریشن تو امرتسر میں بھی ہوسکتا تھا۔ مگر اس خیال سے کہ ڈاکٹر عبدالرشید صاحب کے لدھیانہ ہونے کی وجہ سے وہاں سہولت رہے گی۔ یہ پروگرام بنا کہ لدھیانہ میں ہی اپریشن کرایا جائے وہاں ہی اپریشن کرایا گیا جو خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب رہا اور آپ بخیریت گھر واپس آگئے۔

میں یہ بات کہنا بھول گیا کہ اپریشن سے کئی ماہ قبل ہی مولوی صاحب یہ کہنے لگ گئے ہوئے تھے کہ ۱۹۸۰ء میں میرا ریٹائرمنٹ ڈیو ہے۔ بس میرا یہ خیال ہے کہ ۱۹۸۲ء کے بعد میں سرگرمی سے کام کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ میں مولوی صاحب کے اس خیال سے متفق نہ تھا میں کہتا مولوی صاحب آپ کیوں ایسا خیال کرتے ہیں۔ پنجابی میں مثل مشہور ہے کہ چھوٹی مٹی کا آدمی بڑی دیر تک صحت مند رہتا ہے۔ مگر مولوی صاحب اس سے انکار کرتے۔ آخر مولوی صاحب واقعی ۱۹۸۰ء سے قبل ہی اپریشن کرا لینے کی وجہ سے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے کے قابل نہ رہے۔ آپ کی علالت کے باعث مدرسہ احمدیہ کی ہیڈ ماسٹری کی پوسٹ پر بھی دوسرا تقرر عمل میں آگیا۔ اور اخبار بدر کی ایڈیٹر کی پوسٹ سے محترم مولوی صاحب کو سبکدوش کر دیا گیا۔

اپریشن کے بعد علاج جاری رہا مگر مولوی صاحب کی صحت آہستہ آہستہ کمزور ہی ہوتی چلی گئی مولوی صاحب کو ہائی بلڈ پریشر کا عارضہ بھی لاحق تھا۔ علاج ہوتا رہا

کمزوری بڑھتی گئی اور تقدیر الٰہی کے پورا ہونے کا وقت آن پہنچا اور مؤرخہ ۸۷-۱۱-۵ کو آپ ایک ہی جست میں لامتناہی فاصلہ طے کر کے اپنے پیارے محبوب خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور اعلیٰ علیین میں بلند درجہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد بھی اچھی دی آپ کی یادگار پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ ان میں سے دو قادیان میں مکرم ڈاکٹر عبدالرشید صاحب بدر و عزیزہ بشریٰ اہلیہ مکرم چوہدری محمد اکبر صاحب ناظر امور عامہ ہیں۔ باقی بچے بیرون ہند اپنے گھر میں خوشحال ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم ملک خیر الدین صاحب درویش

مکرم ملک خیر الدین صاحب ولد ملک کرم دین صاحب۔ آپ پیدائش کے لحاظ سے موضع لودی ننگل کے رہنے والے تھے۔ آخری عمر قادیان میں گزارنے کے ارادہ سے ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ گاؤں سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے۔ کچھ عرصہ کرایہ کے مکانات میں گزارا۔ پھر جب قادیان کے محلہ جات میں توسیع ہوئی اور دارالرحمت کے شمال میں محلّہ دارالیسر آباد کرنے کا منصوبہ بنا تو محترم ملک خیر الدین صاحب نے بھی اس میں پانچ مرلہ کا پلاٹ خرید لیا اور اس میں ایک سادہ سا مکان ایک کمرہ ایک باورچی خانہ سٹور اور غسل خانہ وغیرہ سہولیات فراہم کر کے اس میں آباد ہو گئے۔ مسجد محلّہ دارالیسر جو ابتدائی تعمیری مراحل میں تھی اس میں آپ پانچوں وقت نظر آتے۔ گویا آپ کے دم سے مسجد آباد اور پر رونق تھی۔ اذان دینے کا فریضہ بھی اکثر آپ ہی ادا کرتے۔ مسجد کی صفائی رکھنا مسجد کی تعمیر کے لئے پڑے ہوئے سامان کی نگرانی رکھنا یہ آپ کا معمول تھا۔ آپ یہ سب کچھ کسی معاوضہ کے شوق میں نہیں کرتے تھے بلکہ مسجد کی صفائی اور سامان کی نگرانی کو ذریعہ نجات جانتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں جب حالات قابو سے باہر ہو گئے اور قادیان کی آبادی کو مجبوراً ہجرت کرنا پڑی تو ان ایام میں بوڑھوں بچوں اور خواتین کو ترجیحی بنیاد پر ٹرکوں پر بھجوانے کا سلسلہ جاری تھا۔ ملک صاحب بھی ایک کنوائے میں پاکستان چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب حضور انور رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضور نے پوچھا

کہ آپ تو زندگی کے آخری دن قادیان میں گزارنے کے لئے وہاں گئے تھے۔ آپ یہاں کیوں چلے آئے تو عرض کیا حضور مجھ سے غلطی ہوگئی۔ انتظام کرنے والوں نے مجھے بوڑھا سمجھ کر ٹرک میں بٹھا دیا میں یہاں چلا آیا۔ اب پچھتا رہا ہوں کہ میں کیوں آیا اور اب کس طرح واپس جاؤں۔ حضور نے فرمایا دفتر میں واپس قادیان جانے والوں میں اپنا نام لکھوا دو۔ میں نے دفتر میں آ کر اپنا نام قادیان جانے والوں کی فہرست میں لکھوا دیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں پھر قادیان پہنچ گیا۔

دارالمسیح کے نچلے حصہ میں چار پانچ کمرے خالی کر کے ان میں معمر بزرگوں کو رکھا گیا تھا تا سب آسانی سے مسجد مبارک میں نمازوں کے لئے جا سکیں۔ اور ان کی خدمت کے لئے چند نوجوان درویشوں کی ڈیوٹی رہتی تھی۔ جو انہیں لنگر خانہ سے کھانا لا کر کھلاتے اور اگر کوئی بزرگ بیمار ہوتا تو انہیں احمدیہ شفا خانہ سے دوا بھی لا کر دیتے۔ ملک صاحب سے جب بھی پوچھا جاتا کہ آپ کا کیا حال ہے کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ تو کہتے شکر الحمد للہ ہمیں یہاں بہت آرام اور سکون ہے۔

کھانسی کا عارضہ آپ کو لاحق تھا جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا اور اس وجہ سے بعض اوقات تو سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا۔ جو وسائل میسر تھے ان سے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی مگر مرض بڑھتا ہی چلا گیا آپ کی عمر بھی اسّی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ آخر تقدیر الٰہی غالب آئی اور ہنستا ہنستا مہکتا گلشن چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کی طرف پرواز کر گئے۔ مؤرخہ ۶۹-۶-۲۳ کو رات قریب ۹ بجے آپ نے وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مؤرخہ ۶۹-۶-۲۴ کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین

مکرم بابا فضل احمد صاحب درویش

ولد میر داد صاحب ساکن گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ

۱۹۴۷ء میں ۱۵ نومبر کو آخری قافلہ پاکستان جانے کے بعد جو درویشان قادیان میں رہ پڑے تھے وہ سوائے ۱۰-۱۲ افراد کے جو انصار اللہ کی عمر میں تھے باقی تمام درویش نوجوان تھے اس لئے سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے ۱۹۴۸ء میں جن درویشوں کا تبادلہ ناگزیر تھا ان کی جگہ تبادلہ میں معمر افراد کو بھجوایا۔ ۱۳ مئی ۱۹۴۸ء میں جو قافلہ آیا وہ سب بزرگ افراد پر مشتمل تھا۔ اسی قافلہ میں مکرم چوہدری (بابا) فضل احمد صاحب آف گھٹیالیاں قادیان آکر درویشان میں شامل ہوئے تھے۔ زبان ٹھیٹھ پنجابی۔ لباس ٹھیٹھ پنجابی۔ آواز بلند رعب دار، قد لمبا، جسم بھرا ہوا۔ گاؤں میں آپ نمبردار تھے۔ چال ڈھال، بول چال اور رکھ رکھاؤ میں خالص نمبردار سوال کرنے کی عادت نہیں تھی۔ اپنا چھوٹا موٹا جو بھی کام درپیش ہو خود کرتے تھے۔ بزرگوں کی روٹی لنگر خانہ سے لا کر دینے اور احمدیہ شفاخانہ سے بوقتِ ضرورت دوائی لا کر دینے کے لئے خدام ڈیوٹی پر موجود تھے مگر باباجی جب تک چلنے پھرنے کے قابل تھے یہ جملہ کام خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ اپنے کپڑے بھی خود دھو لیا کرتے۔

عمر کی کوئی پختہ تاریخ یاد نہیں تھی۔ اس بارہ میں پوچھنے پر بتایا کرتے کہ گھونا بادشاہ جب تخت پر تھا۔ میں اس وقت ۲۰-۲۵ سال کا گبرو جوان تھا۔

ایڈورڈ ہفتم گھونا بادشاہ کے نام سے مشہور ہے۔ سبب اس کا یہ تھا کہ ملکہ وکٹوریا کا انتقال ۱۹۰۵ء میں ہوا تو اس کی جگہ ایڈورڈ ہفتم جو ملکہ وکٹوریہ کا بڑا بیٹا تھا۔ سلطنت انگلشیہ کا حکمران ہوا۔ اس زمانہ میں وہاں ایک طبقہ ان کی حکومت کے خلاف تھا تاج پوشی کے لئے جو بھی پروگرام طے ہوتا اس کو بعض سازش پسند تارپیڈو کر دیتے اور بات بھی ملتوی ہو کر کسی اگلے وقت پر ڈال دی جاتی۔ دو تین دفعہ ایسا ہوا آخر ۱۹۱۱ء میں ان کی وفات ہو گئی اس طرح یہ شخص برطانیہ کا بے تاج بادشاہ رہا چونکہ تاج سر پر نہیں تھا۔ برطانوی سکہ پر جو انڈیا میں بھی چلتا تھا بے تاج فوٹو ہوتی تھی اسی وجہ سے ان کو عوام الناس گھونا بادشاہ کے نام سے جانتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا جارج پنجم حکمران ہوا۔ چونکہ برطانیہ میں بعض سازشوں کے باعث ان کے والد کی تاج پوشی نہ ہو سکی تھی اس لئے جارج پنجم کی تاج پوشی دہلی میں ہونا قرار پائی۔ اور جارج پنجم واحد برطانوی حکمران ہے جس کی تاج پوشی ہندوستان میں ہوئی۔

باباجی کی عمر کا اندازہ اگر ایڈورڈ ہفتم کے دور حکومت کے وسط سے لگایا جائے تو قادیان آنے کے وقت باباجی کی عمر ۶۷ سال ہوتی ہے اور اس میں زمانہ درویشی کا عرصہ ۲۲ سال جمع کیا جائے تو ۸۹ سال ہوتے ہیں۔ بلا شبہ باباجی وفات کے وقت ۹۰ سال کے قریب تھے۔

گھٹنوں اور جوڑوں میں درد کے باعث اور چونکہ جسم بھی خاصا بھاری تھا، آپ صاحب فراش ہو گئے۔ علاج جاری رہا مگر آپ اٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو سکے۔ کئی سالوں تک آپ چارپائی پر رہے نظر بھی جواب دے گئی تھی۔ اور سماعت بھی کمزور تھی۔ لیٹے لیٹے بیڈسور بھی ہو گیا تھا۔ ان سب تکالیف کو باباجی نے نہایت صبر وسکون سے برداشت کیا۔ جب بھی کوئی حال پوچھنے جاتا باباجی نہایت

بلند آواز سے کہتے وعلیکم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھا ہوں آرام سے ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ہر ایک جانے والے کے سامنے یہ الفاظ دہراتے۔ وقت گزرتا گیا کمزوری غالب آتی چلی گئی۔ اور آخر ۱۷-۱۱-۶۹ کی رات کو ساڑھے گیارہ بجے باباجی کو اللہ تعالیٰ کے حضور سے دعوۃ کا پیغام آ گیا اور آپ یہ پیغام پانے کے بعد دار فانی کی تمام تر مصروفیات اور دلچسپیوں سے بے نیاز اس آواز پر لبیک لبیک کہتے ہوئے دارالقرار کی جانب پرواز کر گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جس طرح وہ دراز قد بلند حوصلہ تھے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسی کے مطابق آپ کو اپنے قرب میں مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مکرم مرزا بشیر احمد درویش

ولد مرزا بہادر بیگ صاحب موضع نسووالی سوہل خورد ضلع گجرات

آپ بھی ان خدام میں سے تھے جنہیں مستقل خدمت کے لئے قادیان بلوایا گیا تھا اور انہیں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے کچھ گزارا بھی دیا جاتا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں جب دیگر درویشان کے بال بچے قادیان آئے تھے تو ان کی فیملی بھی قادیان آ گئی تھی کثیر العیال تھے اور گزارا تنگی سے ہوتا تھا۔ نہایت سادہ طبیعت پائی تھی۔ کئی دفاتر میں بطور مددگار کارکن خدمت کی توفیق پائی۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۴ء تک جب خاکسار افسر لنگر خانہ تھا مکرم مرزا بشیر احمد صاحب مہمانوں کو کھانا کھلانے کی ڈیوٹی پر متعین تھے۔ تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی اپنے دستخط کر لیتے تھے۔ ٹھیٹھ پنجابی بولتے تھے مگر یہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر اردو پنجابی ملی جلی گفتگو بھی کر لیتے تھے جو نہایت پیاری لگتی تھی۔ جس ڈیوٹی پر بھی لگایا جاتا بڑی توجہ اور فرمانبرداری سے اسے بجا لاتے۔ خاموش طبع تھے اور کچھ اونچا بھی سنتے تھے۔ آپ کی سادگی کا ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے۔ جب متاہل زندگی کا آغاز ہوا تو ہر ایک کو اشیاء خورد و نوش خریدنے میں بڑی احتیاط کرنا پڑتی تھی۔ تا محدود تنخواہ میں سب ضروریات پوری ہو سکیں۔ ایک شخص یہاں بکریوں کا دودھ چار آنے فی گڑوی کے حساب سے بیچا کرتا تھا۔ مرزا صاحب نے بھی اس سے روزانہ ایک گڑوی دودھ لینا طے کر لیا۔ کئی ماہ گزر گئے ایک روز ایک دوسرے درویش نے پوچھا مرزا صاحب آپ

بکریوں کا دودھ کس ریٹ پر لے رہے ہیں میری بھی مرضی ہے کہ اس سے بکریوں
کا دودھ لگالوں۔ بھینس کا مہنگا پڑتا ہے مرزا صاحب نے کہا ہم تو بکریوں کا دودھ
نہیں لیتے بھینس کا لیتے ہیں۔ اس نے دوبارہ کہا کہ جو دودھ آپ لے رہے ہیں
بکریوں کا ہی ہے۔ مرزا صاحب نے کہا میری اہلیہ جٹی ہے اور وہ دودھ کی بہت
اچھی پہچان رکھتی ہے حتیٰ کہ وہ یہاں تک جانکاری رکھتی ہے کہ دودھ سونگھ کر بتا سکتی
ہے کہ بھینس نے چارا کونسا کھایا ہے چند روز بعد مرزا صاحب آرہے تھے کہ دیکھا
دودھ دینے والا سکھ بھائی ایک جگہ بکریوں کا دودھ نکال رہا ہے۔ مرزا صاحب کو
شک ہوا مگر خاموش رہے اور جب دودھ لے کر چلا تو اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ وہ
سیدھا مرزا صاحب کے مکان پر اور دودھ دے کر چلنے لگا تو مرزا صاحب نے
پوچھا بھائی صاحب آپ دودھ کس کا لاتے ہیں اس نے جواباً کہا بکری کا۔ مرزا
صاحب خاموش ہو گئے اور گھر جا کر اہلیہ سے کہنے لگے تو بڑی جٹی بنی پھردی سیں اوہ
سانوں چھ مہینے توں بکریاں دا دودھ دے رہا ہے اور تم نے ایک دن نہیں سونگھ کر
دیکھا۔ ہن پینڈی رہ بکریاں دا ہی۔

ایک مرتبہ آپ ویزا پر پاکستان جارہے تھے۔ آپ کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔
ایک بزرگ حضرت حاجی محمد الدین صاحب درویش نے کہا کہ میری بھی اہلیہ اور
بیٹیاں وہاں ہیں اگر میں ان کے لئے دو چار دوپٹے خریدوں تو آپ جا کر انہیں
دے دینا۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے انہیں آٹھ دوپٹے
لے کر دے دیئے کہ عید کا موقعہ ہے دو پوتیوں اور نواسی کو بھی مل جائے گا۔ مرزا
صاحب نے رکھ لیا۔ پھر محترم ملک صلاح الدین صاحب سے ملاقات ہوئی تو مرزا
صاحب نے کہا کل پاکستان جارہا ہوں دعا کریں سفر خیریت سے گزرے۔ ملک
صاحب نے کہا میں دعا کروں گا اور ساتھ ہی کہا ہفتہ بعد عید آنے والی ہے اگر میں

چند دوپٹے دوں تو آپ ساتھ لے جائیں گے؟ میں اپنے بیٹے کو لکھ دوں گا۔ کہ وہ
آکر آپ سے لے جائے مرزا صاحب نے ہاں کہہ دی۔ اس پر محترم ملک صاحب
نے بھی ۷-۸ دوپٹے دے دیئے چند اور درویشوں نے بھی بوجہ عید اپنے عزیزوں
کے لئے دوپٹے دے دیئے (دراصل ان دنوں ایک خاص قسم کا دوپٹہ چلا تھا جو اچھا
بھی تھا اور مضبوط بھی اس وجہ سے خاص طور پر احباب کی توجہ ہوئی) ۱۹۶۵ء کی ہند
پاک جنگ کی وجہ سے بارڈر کئی سال بند رہ کر کھلا تھا اور خال خال ویزا ملتا تھا اور
مرزا صاحب نہایت سادہ تھے ایماندار تھے وفادار تھے سچ بولنے والے تھے۔ جب
وہ بارڈر پر پہنچے اور کسٹم میں سامان چیک کرانے لگے تو اتفاق سے سب سے پہلے
وہی سوٹ کیس سامنے آیا جس میں احباب کے دیئے ہوئے دوپٹے انہوں نے
خاص طور پر الگ رکھ لئے تھے تا اپنے سامان میں مل نہ جائیں۔ اور مالکان کو دیتے
ہوئے کوئی الجھن نہ پیش آئے۔ انسپکٹر کسٹم نے دیکھتے ہی کہا کہ آپ کپڑے کا بیوپار
کرتے ہیں۔ جو اتنے دوپٹے لئے جارہے ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا نہیں۔ دوسرا
بکس سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ میرا سامان تو یہ ہے۔ جس میں چند سوٹ زنانہ اور
چار پانچ دودوپٹے تھے۔ انہوں نے پوچھا تو پھر یہ کیا ہے۔ کہنے لگے یہ مختلف لوگوں
نے اپنے رشتہ داروں کو دینے کے لئے دیئے ہیں۔ میں نے الگ ہی رکھ لئے ہیں۔
اس پر کسٹم والوں نے ان کی سادگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ جن جن کے ہیں
ان کا نام لکھوادیں ان کا سامان ان کو واپس مل جائے گا اور جو آپ کا اپنا ہے وہ آپ
بخوشی لے جائیں۔ مرزا صاحب وہ بکس وہیں چھوڑ کر اپنا سامان لے کر چلے گئے دو
ماہ بعد جب واپس آئے تو سب نے پوچھا کہ ہمارے دوپٹے کسی کو بھی نہیں ملے وہ کیا
ہوئے مرزا صاحب نے کمال سادگی سے جواب دیا کہ وہ آپ کو نہیں ملے۔ میں نے
تو آپ کا نام وہاں لکھا دیا تھا۔

وفا کا مادہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ افسران کی اطاعت دل وجان سے کرتے تھے۔ اپنی اولاد کو یہی نصیحت کرتے تھے۔ نہایت درجہ کے صابر تھے۔ اپنے معاملہ میں کسی غرض سے شور مچانے والے نہ تھے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے نتیجہ میں ایک دم قیمتیں بڑھ گئی تھیں اور مہنگائی نے اوسط درجہ کے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اور درویش تو پہلے ہی ہینڈ ٹو ماؤتھ تھے اس وقت بعض بعض گھروں میں چولہا تک نہ جلتا تھا اور سالن تو اکثر گھروں میں روزانہ نہیں پکتا تھا۔ نمک مرچ اچار سے کام چلتا تھا۔ جن درویشان کے کسی روز چولہا نہ جلنے کی خبر ملتی فوراً لنگر خانہ سے ان کے طعام کا انتظام کیا جاتا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یہ حکم تھا کہ کوئی بھوکا نہ رہے۔ مرزا صاحب بھی کثیر العیال تھے اور آمد بہت کم۔ آپ کے ہاں بھی چولہا نہیں جلا اور آپ نے اپنے صبر اور وفاء پر عمل کرتے ہوئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی دوسرے روز یہ بات معلوم ہوگئی تو فوراً کھانے کا انتظام کیا گیا۔ آپ وضو کر کے نماز کے لئے تیار تھے۔ اہلیہ نے کہا کھانا آ گیا ہے کھالیں کہنے لگے تم سالن گرم کرو میں اتنی دیر میں نماز پڑھ لیتا ہوں اہلیہ سالن گرم کر کے تیار ہوگئیں کہ مرزا سجدہ سے سر اٹھائیں تو کھانا پیش کر دیں مرزا صاحب ہیں کہ سجدہ سے سر ہی نہیں اٹھا رہے۔ آخر قریب آ کر دیکھا تو مرزا صاحب ورلی زندگی کی مصنوعی لذات کو دھکا دے کر ایک ہی جست میں حقیقی دنیا میں جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں پہنچ چکے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اس وفادار بندے پر۔ اور ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے اور مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ اپنے قرب خاص میں مقام عطا فرمائے۔ آپ نے ۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء کو اس دنیا کو چھوڑا اور ۲۷ نومبر ۶۹ء کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

محترم چوہدری عبد القدیر صاحب درویش کا ذکر خیر

۱۹۴۵ء کی ماہ مئی کی ایک سہانی چاندنی رات تھی اور میں کاروباری جھمیلوں سے فارغ ہو کر ابھی لیٹا ہی تھا کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں نے باہر جا کر دیکھا ایک دبلا پتلا متین وسنجیدہ نوجوان ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑا ہے۔ السلام علیکم کے بعد میں نے آنے کا سبب پوچھا تو گویا ہوا کہ ملک نور محمد زعیم صاحب نے بلایا ہے۔ میں اندر گیا اور قمیص پہن کر لاٹھی ہاتھ میں لے کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ ان دنوں میرا مکان محلّہ دارالبرکات میں مہاشہ محمد عمر صاحب مرحوم کے مکان کے شمال میں لگتا ہوا تھا۔ اور ملک نور محمد صاحب محلّہ دارالبرکات غربی کے زعیم تھے۔ مکرم ملک نور محمد صاحب ایم۔ اے سنڈیکیٹ میں انچارج تھے اور چوہدری عبد القدیر اس ادارہ میں بطور کلرک نئے نئے ملازم ہوئے تھے اور مجھے گھر سے بلانے کے لئے ملک صاحب نے انہیں بھجوایا تھا۔ یہ میری چوہدری عبد القدیر صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔

جب ہم دونوں ملک نور محمد صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں ایک اور نوجوان چوہدری صلاح الدین صاحب بھی موجود تھے۔ جو اس وقت نائب ناظم جائیداد صدر انجمن احمدیہ تھے۔ بعد میں ربوہ جا کر بطور ناظر جائیداد ایک لمبے عرصہ تک کام کرتے رہے۔ مکرم ملک نور محمد صاحب نے بتایا کہ ان کے پڑوس میں ایک نوجوان ہے۔ جسے بعض اوقات دماغی دورہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کے بوڑھے والدین ہیں وہ اس کو کنٹرول نہیں کر پاتے اور وہ انہیں سخت پریشان کرتا ہے۔ ان کی درخواست پر میں نے آپ تینوں کو بلایا ہے۔ اس نوجوان کو اپنے ہمراہ نور ہسپتال

لے جائیں۔ اور بعد معائنہ واپس لے آئیں۔

مکرم ملک نور محمد صاحب زعیم خدام الاحمدیہ محلہ دارلبرکات کے پڑوس میں ایک بزرگ بابا عبدالسبحان صاحب رہتے تھے۔ جوانی میں آپ معماری کا کام کرتے تھے۔ بڑھاپے میں یہ بھاری کام آپ سے ہو نہیں پاتا تھا۔ اس لئے آپ نے گھروں میں سفیدی کرنے دروازوں الماریوں کو رنگ روغن کرنے کا کام شروع کیا ہوا تھا۔ ان کا لڑکا معماری کا کام کرتا تھا۔ اس لڑکے کو گاہ بگاہ دماغی ٹینشن ہو جاتی تھی اور یہ والدین کو سخت پریشان کیا کرتا تھا۔ ملک صاحب کی ہدایت پر ہم تینوں ان کے ہاں گئے۔ اوّل تو وہ تین لاٹھی والے خدام کو دیکھ کر ہی سنبھل گیا۔ ہم نے اس کو اپنے ساتھ نور ہسپتال تک چلنے کے لئے کہا تو وہ ساتھ چل پڑا۔ ہسپتال میں اس روز محترم ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی رات کی ڈیوٹی تھی۔ ان کے سامنے کیس پیش کیا گیا۔ انہوں نے بعد معائنہ اس کو ایک انجکشن لگا دیا اور کچھ گولیاں اگلے سات روز کے لئے دے کر فارغ کر دیا۔ ہم اس کو واپس لا کر اس کے گھر چھوڑ آئے۔ وہ گھر جاتے ہی سو گیا۔

چوہدری عبدالقدیر صاحب کی رہائش بھی اسی محلہ میں تھی اور اب ان سے مسجد میں اکثر ملاقات ہو جایا کرتی۔ رات کو محلہ جات میں ٹھیکری پہرہ لگا کرتا تھا۔ محلّہ دارلبرکات کے سیکرٹری امور عامہ ملک شیر بہادر صاحب ہوا کرتے تھے۔ ہم نے انہیں کہہ کر اپنی پہرہ کی ڈیوٹی بھی اکٹھی کرا لی۔ اس طرح دوستی اور مضبوط ہوتی چلی گئی۔ پہرہ کی ڈیوٹی کی دو شفٹیں ہوا کرتی تھیں۔ پہلی ۹ بجے سے ایک بجے رات تک دوسری ایک سے پانچ بجے صبح تک۔ جس روز ہماری ڈیوٹی ایک بجے سے پانچ بجے صبح تک ہوتی ہم ڈیوٹی سے فارغ ہو کر سیدھے مسجد اقصیٰ آجاتے اور وضو کر کے فجر کی نماز با جماعت ادا کر کے درسِ حدیث سنتے۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مسجد

اقصیٰ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد محترم سید ولی اللہ شاہ صاحب نے یہ خدمت سنبھال لی تھی۔ آپ عربی زبان کے نہایت فاضل عالم تھے اور جامعہ ازہر میں استاد رہ چکے تھے۔ اور آپ نے خاصی حد تک حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات سے پیدا ہونے والے خلا کو درس حدیث کی حد تک پُر کر دیا تھا۔ درس سن کر ہم اپنی معاشی مصروفیات میں لگ جاتے۔

یوں تو ۱۹۴۵ء میں جنگ عظیم ثانی کے اختتام کے ساتھ ہی آزادئ ہند کی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں اور آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے ۱۹۴۷ء کے آغاز میں پورے عروج پر تھیں۔ لارڈ ویول وائسرائے ہند کی کوشش سے ماہ جون ۱۹۴۷ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کی کولیشن انٹرم سرکار بنائی گئی جو ایک ماہ تک بھی نہ چل سکی۔ پھر برطانوی حکومت نے جو مرکز میں لیبر پارٹی برسراقتدار تھی۔ لارڈ ویول کو تبدیل کر کے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آتے ہی ہندوستان کی تقسیم کا فارمولا مرکز کو بھجوایا جو پارلیمنٹ نے منظور کر لیا اور ایک کمیشن مقرر کر دیا جو تقسیم کے فارمولا پر عمل درآمد کا معین فیصلہ کر لے۔ اس کمیشن میں دو جج مسلمان تھے۔ اور دو کانگرس کی طرف سے ہندو تھے اور ان کا صدر انگریز سر ریڈ کلف ماہر جغرافیہ دان تھا۔ اس کمیشن نے ضروری انتظامات کے بعد ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ مسلم اکثریت والے علاقے میں پاکستان نام کے تحت مسلم لیگ کی حکومت قائم کر دی گئی۔

آزاد حکومتوں کا اعلان چودہ اور پندرہ اگست کی رات بارہ بجے ہونا قرار پایا تھا۔ مگر پنجاب میں فسادات اور انخلاء آبادی جولائی سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بورڈنگ میں رہ کر میٹرک تک تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اور میٹرک کرتے ہی ایم این سنڈیکیٹ میں ملازم

ہو گئے تھے۔ بورڈنگ میں قیام کے دوران آپ کا یہ معمول تھا کہ جون جولائی میں موسمی تعطیلات میں اپنے گھر موضع موہلنکی جایا کرتے تھے اس طرح علاوہ ملاقات کے والدین سے مالی امداد بھی مل جاتی جو اگلا سال گزارنے میں ممدح ہوتی۔ ماہ جون میں فصل خریف برداشت کر لی جاتی ہے اور ماہ جولائی میں اس کی فروخت کی رقم زمینداروں کو مل جاتی ہے۔ اسی لئے زمیندار برادری کی شادیاں زیادہ تر ماہ جولائی میں ہوتی ہیں۔ زمانہ طالب علمی سے ہی مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب کا ماہ جولائی میں اپنے گاؤں میں جو ضلع گوجرانوالہ میں تھا جانے کی عادت بنی ہوئی تھی آپ جولائی میں گھر گئے ہوئے تھے کہ اس عرصہ میں فسادات تیز ہو گئے۔ اکثر لائینوں پر ریلوے آمدرفت معطل ہو گئی۔ اور پھر تقسیم وطن ہو کر سوائے ترک وطن کرنے والوں کے کہ انہیں ہر حالت میں جان کی بازی لگا کر بھی جانا ہی تھا باقی افراد گھروں میں مقید ہو کر رہ گئے۔ بدیں وجہ چوہدری عبدالقدیر صاحب بھی قادیان واپس نہیں آئے۔ حضور انور کے علم میں یہ امر آنے پر کہ آپ سروس کے دوران رخصت پر آئے ہوئے تھے اور واپس نہیں جا سکے۔ آپ کے لئے حکم ہوا کہ آپ قادیان چلے جائیں۔ اس پر آپ ۱۹۴۸ء میں قادیان آنے والے قافلہ میں مؤرخہ ۵ مارچ کو آپ قادیان پہنچ گئے۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی کوشش کر کے ان کو حلقہ مسجد مبارک میں خاص طور پر اپنے ہی قریب ٹیں ایڈجسٹ کروالیا۔

مرزا محمد حیات صاحب پہلے ہی سے نظارت امور عامہ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ مکرم حکیم بدرالدین صاحب عامل کو واپس حلقہ مسجد مبارک کی انتظامیہ میں دے دیا جائے۔ چوہدری عبدالقدیر صاحب کی آمد سے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب انچارج سٹور بنا کر مجھے حلقہ مسجد مبارک میں واپس بھجوا دیا گیا۔ مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب نیاز جو کہ میرے برادر عم زاد بھی تھے اور میرے

ساتھ نائب انچارج سٹور تھے بدستور چوہدری عبدالقدیر صاحب کے ساتھ بھی نائب انچارج سٹور بنے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب دفاتر کی تنظیم نو ہوئی تو مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب کو دفتر نظارت امور عامہ میں بطور کلرک تبدیل کر دیا گیا اور رشتہ ناطہ کا کام سپرد ہوا۔ اور لگ بھگ دس سال تک اس خدمت پر رہے۔ ازاں بعد آپ کو بطور محاسب صدر انجمن احمدیہ مقرر کیا گیا۔ محاسب صدر انجمن احمدیہ ہونے کے عرصہ میں آپ کو افسر لنگر خانہ بھی مقرر کیا گیا۔ ہر دو عہدوں پر آپ ۱۹۷۷ء کے آخر تک خدمات بجالاتے رہے۔ مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب کی وفات پر آپ کو ناظر بیت المال خرچ مقرر کیا گیا اس عہدہ پر آپ آخر دم تک خدمت بجالاتے رہے۔

اس تمام عرصہ میں ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۸۷ء تک میرے اور چوہدری صاحب کے درمیان نہایت محبت بھرے تعلقات رہے۔ روزانہ ایک دو بار ضرور آپس میں مل لیا کرتے اور میں اپنے معاملات میں آپ سے مشورہ کر لیتا اور آپ اپنے معاملات میں مجھ سے مشورہ کر لیا کرتے۔ ۱۹۵۵ء شدید بارشوں کی وجہ سے علاقہ کی گندم خراب ہو گئی تھی اکثر گندم کنگی زدہ تھی۔ تب میں افسر لنگر خانہ تھا اور اگلے پورے سال کے لئے اور جلسہ سالانہ کے لئے گندم خرید کر سٹاک کرنا تھی۔ ہم دونوں نے باہم مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ لدھیانہ۔ جگراؤں، موگہ، زیرہ اور فیروز پور منڈیوں میں جا کر جائزہ لیا جائے۔ جہاں سے بہتر گندم مل سکے لائی جائے۔ چنانچہ ہم دونوں اس سفر میں گئے اور ایک ہفتہ کے سفر میں جائزہ لیا اور یہ طے کیا کہ جگراؤں کا علاقہ اس بیماری سے بچا ہوا ہے۔ ہم وہاں سے لنگر خانہ اور جلسہ کی ضروریات کے لئے گندم خرید کر لے آئے۔ یہ گندم اس قدر عمدہ تھی کہ جس نے دیکھی وہی خواہش مند ہوا کہ ہمیں بھی ایسی گندم مل سکے تو اچھا ہے۔

۱۹۵۲ء میں ہم نے باہم پروگرام بنایا کہ کیوں نہ ہم ادیب فاضل کا امتحان دے دیں۔ اس خیال کے آتے ہی ہم نے لائبریری کا رخ کیا اور اکثر کتابیں ہمیں مل گئیں۔ جو باقی رہ گئی تھیں۔ ان کے بارہ میں مکرم مولوی بشیر احمد صاحب دہلوی کو لکھا آپ نے دہلی سے خرید کر بھجوا دیں۔ ہم نے ایک ہی سال میں تیاری کر کے امتحان دیا۔ حالانکہ تین سال کا کورس تھا۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ہی سال میں کامیابی ہوگئی۔ سب سے زیادہ مشکل ہمیں علم عروض کے پرچہ میں پیش آئی۔ اپنے درویشان میں سے کوئی بھی اس بارہ میں نہ جانتا تھا۔ یہ مشکل اس طرح حل ہوئی کہ امرتسر میں کپور سنز اینڈ سنز آپٹیکل ٹریڈر ہال بازار میں تھے جن سے میری ۱۹۴۴ء سے عینکوں کے کاروبار کی وجہ سے ملاقات تھی۔ ان کے پڑوس میں سردار کھیم سنگھ ہارمونیم میکر کی دوکان تھی۔ میں نے کپور سنز اینڈ سنز کے ذریعہ سے کھیم سنگھ ہارمونیم میکر سے رابطہ کیا تو وہ مان گئے کہ آپ جب فرصت ملے جایا کریں میں اس میں آپ کی مدد کر دوں گا۔ سو ہم دونوں چھٹیوں کے دنوں میں وہاں چلے جایا کرتے۔ ان دنوں مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب کا بھی پاکستان کے ساتھ ایمپورٹ۔ ایکسپورٹ کا کاروبار تھا اور ان کا آفس امرتسر میں تھا۔ بعض اوقات ہم دفاتر میں رخصت کے بعد امرتسر چلے جاتے اور کھیم سنگھ صاحب سے ٹیوشن پڑھنے کے بعد رات کو مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب و خالد صاحب کے ہاں چلے جاتے رات وہاں گزار کر صبح منہ اندھیرے ایک گاڑی ان ایام میں قادیان کے لئے چلا کرتی تھی اس میں سوار ہو کر دفاتر ٹائم پر قادیان پہنچ جایا کرتے۔

بہت لمبی داستان ہے۔ ۱۹۵۲ء میں ۲۲ دسمبر کو جب جلسہ سالانہ کے انعقاد میں صرف چار دن باقی تھے افسر لنگر خانہ اور نائب افسر جلسہ سالانہ مقرر کیا گیا تھا پھر ۱۹۵۶ء میں مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی اور مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب

بقاپوری کو بھی نائب افسر جلسہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب کو بھی نائب افسر جلسہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ کیونکہ چوہدری فیض احمد صاحب سیکرٹری بہشتی مقبرہ تھے اور اس طرف توجہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ وقت جلسہ سالانہ کے کاموں کی طرف نہیں دے سکتے تھے۔ اس طرح چوہدری عبدالقدیر صاحب ۶۲ء سے تاحیات نائب افسر جلسہ سالانہ بھی رہے۔

مکرم سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی سلسلہ کی خاطر خاص طور پر بڑے مالی قربانی کرنے والے وجود تھے اور آئے دن کوئی نہ کوئی خدمت کی راہ تلاش کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں اچانک ملک میں گندم کی کمی سے قحط جیسی حالت پیدا ہوگئی۔ گورنمنٹ نے فوراً اپنے ریزروسٹوروں کے منہ کھول دئے اور آٹے کے سستے ڈپو کھول دیئے اس کے باوجود حالت بڑی نازک صورت اختیار کر گئی۔ محترم بانی صاحب کو خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس موقعہ پر اپنے درویش بھائیوں کی راحت کے لئے چار ماہ کی گندم جہاں سے بھی اور جس ریٹ پر بھی مل سکے لے کر بطور تحفہ پیش کروں۔ یہ خیال آتے ہی آپ نے قادیان میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھ دیا اور رقم بھی ارسال کر دی۔ محترم حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس کام کے لئے ایک سب کمیٹی جس کے تین ممبر تھے۔ خاکسار، مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب اور مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب ہم تینوں نے ضلع فیروز پور اور لدھیانہ کی منڈیوں کا دورہ کیا اور جگراؤں منڈی سے ہمیں مطلوبہ گندم مل گئی جسے تین ٹرکوں میں لاد کر ہم تینوں ایک ایک ٹرک پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ کر قادیان لائے اور پھر یہاں ہر ایک درویش بھائی کے حصہ کی گندم ان کے گھروں تک پہنچائی۔ اس تجویز سے قادیان کی احمدی آبادی کو بڑی راحت ملی۔ مکرم و محترم سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی کو یہ سکیم بہت پسند آئی اور آپ نے آئندہ

بھی اسے جاری رکھنے کا ارادہ کیا اور تا حیات جاری رکھا۔ اور بعد میں آپ کی اولاد نے بھی آپ کی زندگی کے آخری سال جس قدر خرچ ہوا تھا اتنی رقم اس غرض کے لئے صدر انجمن احمدیہ میں پیش کرنے کی پیشکش کی۔ نیز یہ سب کمیٹی بھی ۱۹۸۷ء تک قائم رہی۔ ۱۹۸۷ء اپریل میں مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب وفات پا گئے اور نومبر ۱۹۸۷ء کو مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بھی وفات پا گئے۔ اس طرح میں اکیلا رہ گیا تھا محترم صاحبزادہ صاحب نے اس بارہ میں مشورہ طلب فرمایا تو لوکل انتظامیہ نے مشورہ دیا کہ ہر ایک کو اس کی فیملی کے حصہ کی گندم کی رقم نقد ادا کر دی جائے اور خود اپنی حسب پسند گندم خرید لیا کریں۔ سو ۸۸ء سے ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یادوں کا ایک ہجوم ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا کیا لکھوں کیا چھوڑوں۔ بیسیوں سفر اکٹھے کئے۔ دہلی کی سیر کی، پنجاب میں بہت سے مقامات تک گئے آئے۔ ہر سفر کی الگ الگ یادیں ذہن میں گھومتی رہتی ہیں۔

۱۹۸۲ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر درویشان سے ملاقات کے دوران سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ پنجاب میں تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ اب واپس جا کر آپ لوگ قادیان کے مضافات کا سروے کریں اور تبلیغی پروگرام بنا کر مجھے اطلاع دیں۔ حضور انور کے ارشاد مبارک پر ماہ فروری ۸۳ء کے پہلے ہفتہ میں لوکل انجمن احمدیہ قادیان کا اجلاس امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کی صدارت میں ہوا۔ اس میں ابتدائی مرحلہ میں ۳۰ میل کے سرکل میں سروے کرنے کی تجویز ہوئی اور خاکسار کو اس کا انچارج مقرر کیا گیا۔ اگلے روز پھر میٹنگ کر کے وفد مقرر کئے گئے اور خدام کو سائیکل فراہم کر کے ایریا تقسیم کیا گیا۔ اور طے پایا کہ اگلے روز صبح ہی وفد روانہ ہو جائیں۔ محترم چوہدری عبدالقدیر صاحب کو حضرت امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان نے اس مہم کے

اخراجات کا آڈیٹر مقرر کیا تھا۔ ابتدائی طور پر تو کوئی بجٹ ہی نہیں تھا۔ سب کام رضا کارانہ طور پر شروع کیا گیا تھا۔ سائیکل بھی مختلف افراد سے مستعار ہی لئے گئے تھے۔ وفود کو ہدایت تھی کہ کھانا اپنے گھر سے ساتھ لے چلیں۔ بس اس قدر اجازت تھی کہ اگر کوئی سائیکل پنکچر ہو جائے تو اس کو پنکچر لگوائیں یا چھوٹی موٹی مرمت جس سے سائیکل واپس قادیان تک آ سکے کرالیں۔ ایسے اخراجات قادیان کے لوکل فنڈ سے ادا ہوں۔

خدا تعالیٰ کا بے حد فضل و کرم ہے کہ حضور انور کی توجہ اور دعا کا اثر اوّل روز سے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔ بھام ایک گاؤں قادیان سے جانب جنوب مشرق آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر موجود ہے۔ ۴۷ء میں یہاں کی تمام مسلم آبادی ہجرت کر کے پاکستان چلی گئی تھی صرف دو بھائی اللہ بخش اور منگت علی وہاں کے غیر مسلم افراد نے اپنی حفاظت میں رکھ لئے تھے ان کا تعلق کفش دوز برادری سے تھا۔ یہ لوگ ۱۹۵۲-۵۳ء سے قادیان آنا شروع ہو گئے تھے۔ مل بھی جاتے تھے اور عیدین کی نمازیں بھی ہمارے ساتھ پڑھ جاتے تھے۔ مگر احمدی نہیں ہوتے تھے ان کے جملہ رشتہ دار پاکستان میں تھے اور وہ سب غیر احمدی تھے۔ یہ لوگ بھی پاسپورٹ پر انہیں ملنے جاتے رہتے تھے۔ اس لئے احمدیت سے دور رہے۔ جس روز ہمارا وفد پہلے دن سروے کے لئے نکلا اسی روز صبح ہی یہ لوگ قادیان آئے اور خود یہ اظہار کیا کہ ہماری بیعت لے لیں ہم پر حق کھل گیا ہے کہ جماعت احمدیہ ہی سچی ہے اور اصلی اسلام پر قائم ہے۔ ہم نے لمبا عرصہ سوچ بچار کی ہے۔ اور اب ہم پختہ طور پر اس کو جان گئے ہیں اور سچائی کو پہچان گئے ہیں۔ ان لوگوں کی بیعتیں کرالی گئیں یہ پہلا پھل تھا جو تبلیغی مساعی کو لگا۔ روز بروز تبلیغی مہم بڑھتی گئی اور نت نئے پھل لگتے گئے۔ مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب اس مہم میں بھی میرے مددگار اور شریک کار رہے آپ نے میرے

ساتھ موضع منوال، بھام، ڈریوالی، بیاس، ڈھلواں، مکھن کے بڈے، جالندھر، لدھیانہ، مقامات تک تبلیغی سفر کئے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ہم دونوں ایک میٹنگ سے نکل رہے تھے رات دس بجے کا عمل ہوگا مینار پر دس بجے کی آواز آئی چوہدری صاحب کہنے لگے لو جی میں اب سے ریٹائرڈ ہوگیا۔ میری عمر ۶۰ سال ہوگئی ہے۔ میں نے مبارک باد دی۔ کہنے لگے میرا یہ ارادہ ہے کہ میں لکھ کر دے دوں کہ میں نے مزید سروس نہیں کرنی۔ میں نے کہا آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہنے لگے میرا دل یہی چاہتا ہے کہ مزید سروس نہ کروں میں نے کہا ابھی تو آپ بیٹے کی شادی کے لئے پاکستان جارہے ہیں۔ وہاں آپ کے تین ماہ لگ جانے ہیں۔ واپس آکر جو بھی کرنا ہو کریں ابھی جلد بازی میں کچھ نہ لکھیں۔ کہنے لگے آپ کا مشورہ ٹھیک ہے۔ ازاں بعد آپ عزیز عبدالواسع صاحب کی شادی کے لئے پاکستان روانہ ہو گئے۔ وہاں سے آپ کی واپسی ۱۴ اپریل ۸۷ء کو متوقع تھی۔ ۱۳ اپریل کو آپ لاہور میں ہی تھے کہ اچانک ہارٹ اٹیک ہوا۔ میڈیکل ایڈ دی گئی مگر حملہ سخت تھا اسی رات آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور ہنستی بستی دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کی یادگار ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

شہر خاموشاں کی ویرانی بسانا تھی مجھے
اپنی تنہائی پہ کچھ تو مہرباں ہونا ہی تھا

بابا مستری محمد اسمٰعیل صاحب (عرف بابا سر پیڑ)

آپ کے بیٹے مستری محمد احمد صاحب ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو قادیان میں درویشوں میں ٹھہرے تھے ابتدائی طور پر یہ پروگرام تھا کہ ہر دو ماہ بعد افراد بدل جایا کریں گے مگر بعد میں دونوں حکومتوں کے درمیان بعض قانونی الجھنوں کے باعث ایسا کرنا ممکن نہ رہا تھا اور قادیان میں رہ رہے افراد میں سے اکثریت کو تاحیات قادیان میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی اور اشد مجبور افراد کے متبادل کچھ پاکستان سے تین قافلوں میں آگئے جن کی تعداد ۶ تھی اور کچھ ہندوستان کی جماعتوں سے متبادل تعداد میسر آجانے کے باعث قریباً ۳۸ افراد کو واپس بھجوا دینا پڑا۔ مستری محمد احمد صاحب بھی واپس جانے والوں کی فہرست میں تھے۔ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ کے والد صاحب بابا مستری محمد اسمٰعیل صاحب آپ کے متبادل کے طور پر قادیان پہنچ گئے۔ اس لئے اسی کنوائے میں انہیں واپس بھجوا دیا گیا۔

بابا مستری محمد اسمٰعیل صاحب کو میں نے پہلی دفعہ ۱۹۴۵ء کے اجتماع خدام الاحمدیہ کے موقعہ پر دیکھا تھا۔ اس اجتماع پر ایک نوجوان جو غالباً ضلع لائل پور (حال فیصل آباد) سے آئے ہوئے تھے اس نوجون نے کلائی پکڑنے میں اوّل انعام حاصل کیا تھا۔ اس نوجوان سے محترم حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد

صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر خدام الاحمدیہ نے بھی شوقیہ کلائی پکڑائی تھی۔ بابا مستری محمد اسمٰعیل صاحب بھی اس اجتماع میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس نوجوان کو کہا کہ میں آپ کے ساتھ ڈنڈا پکڑنے کا شوقیہ مقابلہ کرنے کو تیار ہوں (ڈنڈا پکڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں فریق ایک لاٹھی کو اپنے پاؤں میں دبا کر آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک فریق لاٹھی کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے اور دوسرا فریق چھڑاتا ہے) اس نوجوان نے ہاں کر دی مقابلہ شروع ہوا سب دیکھنے والے حیران تھے کہ ایک مضبوط پہلوان نما نوجوان اور دوسری طرف ایک نحیف جسم کا معمر بزرگ بھلا دیکھیں مقابلہ کیسے ہوتا ہے۔ مقابلہ کی جگہ پر ایک ہجوم ہو گیا۔ نوجوان نے کہا بزرگو آپ پہلے پکڑیں باباجی نے لاٹھی کو درمیان سے پکڑ لیا نوجوان نے چھڑانے کی کوشش کی نہ چھڑا سکا باباجی نے کہا پھر کوشش کر دیکھو جب اس نے دوبارہ باباجی کی کلائی پکڑی تو باباجی نے بلند آواز سے کہا کہ یہ کہاں چھوٹے گی اس کو تالے لگ گئے ہیں۔ واقعی کوشش بسیار کے باوجود وہ نوجوان باباجی کا ہاتھ نہ چھڑا سکا۔ سب حاضرین بڑے محظوظ ہوئے۔

باباجی ایک ماہر حداد (لوہار) تھے۔ اور گرم کام کرتے کرتے انہیں دوران سر کا عارضہ لاحق ہو گیا ہوا تھا۔ سر پر ایک پٹکا ہر وقت مضبوطی سے باندھتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے عرف عام میں آپ کو بابا سر پیڑ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس عمر کے جو بزرگ قادیان آئے تھے ان کے سپرد کوئی معین ڈیوٹی نہیں تھی۔ انہیں سلسلہ کے لئے دعائیں کرتے رہنے کے لئے فارغ چھوڑ دیا گیا تھا۔ اپنی مرضی سے بعض بزرگ کوئی کام اپنے لئے پسند کر لیتے تھے اور وہ کرتے رہتے تھے۔ بابا مستری محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے لئے خود بہشتی مقبرہ میں قبور کی صفائی کا کام پسند کیا تھا اور بڑی باقاعدگی سے اس کام میں لگے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے

بہشتی مقبرہ میں ہی پہرہ داران والے کمرہ میں رہائش رکھ لی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں آپ بہشتی مقبرہ میں ہی رات کو رہتے تھے۔ صبح شام تھوڑی دیر کے لئے شہر آتے اور لنگر خانہ سے کھانا کھا کر پھر بہشتی مقبرہ چلے جاتے۔ انہی ایام میں مکرم چوہدری محمد احمد صاحب کی ڈیوٹی بہشتی مقبرہ کے پمپ پر لگ گئی اور آپ راتوں کو اکثر پمپ چالو یا بند کرنے بہشتی مقبرہ جاتے رہتے تھے۔ ایک روز مکرم چوہدری محمد احمد صاحب صبح فجر کی نماز کے بعد چائے کی دوکان پر مجھے ملے اور کہنے لگے عامل صاحب آج تو میں بمشکل بچا ہوں قریب تھا کہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے۔ میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ مجھ پتہ نہیں تھا کہ آج کل بابا محمد اسمٰعیل صاحب بہشتی مقبرہ میں رات کو رہتے ہیں۔ میں حسب معمول رات ساڑھے تین بجے پمپ چالو کرنے گیا۔ اس وقت چاند غروب کے قریب تھا اور روشنی مدھم پڑ چکی تھی۔ میں اپنے دھیان سے جا رہا تھا کہ اچانک قبروں کے درمیان سے کوئی شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا بال بکھرے ہوئے۔ میں ایک دم ڈرا اور سہم کر کھڑا ہو گیا اور میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا قریب تھا کہ میں گر جاؤں میرا جسم پسینہ سے شرابور تھا۔ (یوں بھی گرمیوں کے دن تھا) اچانک باباجی کی آواز آئی محمد احمد۔ یہ مانوس آواز سن کر میری جان میں جان آئی اور میں پمپ پر جا کر نماز پڑھنے والے چبوترہ پر ہی فجر کی اذان تک لیٹا رہا۔

باباجی عزم اور ارادہ کے پکّے تھے اور اپنے کاموں میں مستعد۔ بیمار تو آپ شروع ہی سے تھے دوران سر تھا۔ پھر بڑھاپے سے مزید کمزوری ہو گئی اور آپ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ اس لئے آپ کو بہشتی مقبرہ سے لا کر حضرت نواب صاحب والے شہر والے مکان کی نچلی منزل میں رکھا گیا جہاں اور بھی تین چار بزرگ رہتے تھے اس جگہ دو درویش بھی ڈیوٹی پر حاضر رہتے تھے۔ ایک دن کو ایک

رات کو جوان بزرگوں کو لنگر سے کھانا اور ہسپتال سے دوائی لا کر دیتے رہتے تھے۔
علاج ہوتا رہا بیماری اور کمزوری روز بروز بڑھتی چلی گئی اور آخر وہ دن آن پہنچا جس
دن بابا جی کا سفر آخرت مقرر اور طے شدہ تھا۔ آپ ۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو سرائے فانی کو
چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی جنتوں کی طرف پرواز کر گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون
دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضا کی جنت میں بلند مقام عطا فرمائے۔ مؤرخہ
۹ دسمبر کو آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔

محترم بابا محمد اسمٰعیل صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب

ریٹائر مددگار کارکن دفتر بیت المال صدر انجمن احمدیہ قادیان

آپ ان کارکنان میں سے تھے جنہیں قادیان میں رکھے جانے کا فیصلہ تھا۔
جب ۱۹۵۰ء میں دفاتر کی از سر نو تنظیم عمل میں آئی تو بابا جی کو پھر دفتر بیت المال میں
بطور مددگار کارکن مقرر کیا گیا اور آپ ریٹائرمنٹ کی عمر تک دفتر بیت المال میں ہی
خدمات بجا لاتے رہے۔ آپ جب دفتر بیت المال میں ۱۹۴۷ء سے قبل ملازم
ہوئے تھے تو انہی ایام میں محترم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز نائب ناظر بیت المال
مقرر ہوئے تھے۔ زمانۂ درویشی میں مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز ہی زیادہ عرصہ
ناظر بیت المال رہے۔ بابا بھی ان کی ماتحتی میں کام کرتے کرتے گویا ان کے فیملی
ممبر کی طرح ہو گئے تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد بھی آپ محترم شیخ عبدالحمید صاحب
عاجز کی فیملی کے ساتھ اٹیچ رہے ہیں۔ آپ فتح گڑھ چوڑیاں کے رہنے والے
تھے۔ قادیان میں ملازمت مل جانے کی وجہ سے آپ قادیان میں ہی آ رہے تھے۔
محلہ دار الیسر میں چند مرلے زمین خرید کر اپنا مختصر سا مکان بنایا تھا جو ابھی کچا ہی تھا
۱۹۴۷ء کی بارشوں میں ہی ڈھے گیا تھا۔ فتح گڑھ چوڑیاں میں رہائش کے ایام کی
ایک بات وہ بڑا مزہ لے کر سنایا کرتے تھے۔ بتایا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع
گورداسپور ایک مرتبہ فتح گڑھ چوڑیاں دورہ پر آئے۔ اور آپ نے دیکھا کہ یہ تو
اچھا خاصہ قصبہ ہے یہاں میونسپل کمیٹی ہونی چاہئے۔ اس غرض سے جائزہ لینے کے

لئے ڈپٹی کمشنر صاحب نے قصبہ کے معززین کو بلایا سب اکٹھے ہو گئے اور آپس میں مشورہ کر کے ایک بزرگ جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا کو مقرر کیا۔ سب نے کہا کہ جو کچھ بھی ڈپٹی کمشنر صاحب پوچھیں آپ ہی ہم سب کی طرف سے جواب دیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈپٹی کمشنر صاحب آ گئے اور انہوں نے سب سے پہلے اپنا نظریہ بیان کیا کہ یہ قصبہ اچھا خاصا آبادی والا ہے میری تجویز یہ ہے کہ یہاں میونسپل کمیٹی کا قیام ہو اس بارہ میں مشورہ کے لئے آپ کو بلوایا ہے۔ اس تعلق میں کچھ معلومات آپ لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں سب نے کہا کہ یہ بابا جی ہمارے کنوینز ہیں آپ کے سوالات کا یہی جواب ہم سب کی طرف سے دیں گے۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کہ یہاں کپڑے کی کتنی دوکانیں ہیں بابا جی نے بتایا کہ دو سو ہیں۔ پھر پوچھا کہ کریانہ کی کتنی دوکانیں ہیں بابا جی نے پھر جواب دیا کہ دو سو اور برتنوں کی دوکانیں بھی دو سو ڈپٹی کمشنر صاحب حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے ہر ایک قسم کی دوکان دو سو ہی ہے نہ کم نہ زیادہ آخر اصل معاملہ کیا ہے بابا جی نے بتایا کہ یہاں کل تجارت پیشہ ہیں ہی دو سو اور اُن میں بھیڑ چال ہے۔ ایک دوکان والا کپڑا لے آتا ہے تو اس کے منافع کو دیکھ کر اگلے چند روز میں سب کپڑا لا کر رکھ لیتے ہیں۔ جب اس میں کوئی منافع نظر نہیں آتا تو کوئی ایک کپڑا چھوڑ کر برتن لے آتا ہے۔ اس کی بکری کا دھیان کر کے باقی بھی سب برتن لے آتے ہیں اور جب سب کے پاس برتن ہی ہیں۔ تو کس کس کی بکری ہو گی۔ ظاہر ہے سب خسارہ میں ہی رہیں گے۔ یہاں آبادی کافی ہے مگر سمجھ بوجھ کی کمی ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ایسی رپورٹ لکھی کہ ہمارا قصبہ مزید تیس سال تک میونسپل کمیٹی کی برکات سے محروم رہ گیا۔

ریٹائر ہونے کے بعد بابا جی کو تھوڑی تھوڑی کھانسی رہتی تھی جس کا علاج احمدیہ شفاخانہ سے کرواتے رہتے تھے۔ مگر خاطر خواہ آرام نہ آتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو

بخار بھی رہنے لگا۔ جب کچھ ہفتہ دوائی کھانے پر بھی بخار نہ اترا تو فکر ہوئی کہ کوئی اندرونی انفکشن ہے ورنہ بخار اتنا طول نہ پکڑتا۔ اس لئے امرتسر ہسپتال میں داخل کرا کے ان کے پورے چیک کرائے گئے۔ اس پر معلوم ہوا کہ بابا جی پر T.B کا حملہ ہوا ہے۔ اب T.B قابل علاج مرض ہے۔ امرتسر کے نسخہ کے مطابق علاج شروع کر دیا گیا۔ علاج مسلسل دو سال تک ہونا تھا جو جاری رہا اور وقتاً فوقتاً امرتسر لے جا کر معائنہ بھی کروایا جاتا رہا۔ جوں جوں علاج کیا فائدہ کی بجائے بیماری اور کمزوری بڑھتی چلی گئی اور آخر بیماری نے غلبہ پالیا اور ۱۱ مارچ ۱۹۷۲ء کا دن غروب ہوتے ہوتے بابا محمد اسمٰعیل صاحب کو بھی ہم سے جدا کر کے لے گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

بابا جی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ نے سارا زمانہ درویشی تجرد میں ہی گزارا اہلیہ غالباً وفات پا چکی تھیں اور بچے سب پاکستان جا چکے تھے۔ بابا جی کی وفات کے بعد جب آپ کے کمرہ کا جائزہ لیا گیا تو یہ راز معلوم ہوا کہ T.B کی جو دوائیاں بابا جی کو کھانے کے لئے دی جاتی رہی تھیں وہ ایک کنستر میں پھینکتے جاتے تھے اسی وجہ سے آپ کو علاج سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اگلے روز بابا جی کی تدفین بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حضور بلند مقام میں جگہ دے۔ اور آپ کی اولاد کو آپ کی نیکیاں زندہ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

مکرم عبید الرحمٰن صاحب فانی بنگالی

ابن مکرم عطاء الرحمٰن صاحب بنگالی

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۱۹۴۴ء میں تحریک فرمائی تھی کہ کم عرصہ میں ٹریننگ دے کر معلم تیار کئے جائیں جو دیہاتی علاقوں میں بچوں کو قرآن کریم اور ابتدائی دینی مسائل پڑھا سکیں۔ مدرسہ احمدیہ میں جو مبلّغ تعلیم پاتے ہیں وہ آٹھ سال میں میدان عمل میں جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ عرصہ زیادہ ہے ہمیں جلد معلمین کی ضرورت ہے۔ یہ تربیتی میدان میں کام کریں گے مدرسہ احمدیہ سے فارغ ہونے والے مرکزی مبلّغین کی جگہیں پر کریں گے۔ اس لئے نوجوان دیہاتی معلمین کے لئے زندگیاں وقف کریں۔ اس تحریک میں ۱۹۴۴ء میں داخل ہونے والے ایک سال کی ٹریننگ پا کر کلاس ۱۹۴۵ء میں میدان عمل میں چلی گئی۔ پھر ۴۵ء میں داخل ہونے والے ایک سال ٹریننگ پا کر ۱۹۴۶ء میں جماعتوں میں بھجوا دیئے گئے۔ یہ تیسری کلاس تھی جن کا داخلہ ۱۹۴۶ء میں ہوا اور ستمبر ۱۹۴۷ء میں انہیں ٹریننگ مکمل کر کے جماعتوں میں چلے جانا تھا۔ مگر حالات اپریل ۱۹۴۷ء میں ہی خراب ہونا شروع ہو گئے تھے اور اس تیسری کلاس کا خاصا وقت پہروں اور حفاظتی ڈیوٹیوں میں گزر گیا تھا۔ ملک تقسیم ہو گیا اور جب قادیان سے آخری کنوائے ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو جا رہا تھا تو اس پوری کلاس کو بھی قادیان میں رہنے کی ہدایت ہوئی یہ کل ۴۰ طلباء تھے اور ایک ان کے اتالیق مولوی عبدالقادر صاحب احسان۔ یہ جملہ

افراد بھی درویشان میں شامل کر دیئے گئے۔ پہلی دونوں کلاسوں کو صرف ایک سال پڑھائی اور ٹریننگ کے لئے ملا تھا مگر اس کلاس کو ۱۹۵۰ء تک مسلسل پڑھنے اور ٹریننگ حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اس عرصہ میں چند طلباء نے زیادہ محنت کر کے اپنی تعلیم مولوی فاضل تک مکمل کر لی اور وہ مرکزی مبلغین میں شمار ہوئے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مکرم مولوی عبدالحق صاحب فضل

۲۔ مکرم مولوی محمد یوسف صاحب

۳۔ مکرم مولوی عمر علی صاحب بنگالی

۴۔ مکرم گیانی بشیر احمد صاحب ماہل پوری

گیانی صاحب نے پنجابی میں گیانی کا امتحان دے کر پھر انگریزی کا امتحان دے کر B.A کر لیا اور عرصہ تک تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر کی خدمت پر مامور رہے۔ اس کلاس میں پانچ لڑکے بنگال سے تھے۔ ان میں سے ایک مکرم عبید الرحمٰن صاحب فانی تھے۔ آپ بڑے ذہین فہیم اور ہوشیار طالب علم تھے۔ ۱۹۵۰ء میں جب اس کلاس کے فارغ التحصیل طلباء کو ہندوستان کے مختلف مقامات پر بھجوایا گیا۔ مکرم عبید الرحمٰن صاحب فانی کو بنگال بھجوایا گیا تھا جہاں آپ بنگال کے مختلف مقامات پر خدمت بجا لاتے رہے۔ سروس کے دوران جب کبھی بھی قادیان آئے ہشاش بشاش آتے اور یہاں آ کر ایک فرحت محسوس کرتے۔ آخری مرتبہ جب جلسہ سالانہ ۱۹۷۱ء میں شرکت کے لئے آئے تو بڑی خوشی سے ملے۔ میں نے حال احوال پوچھا تو بتایا کہ حال اچھا ہے مگر سچ پوچھیں تو پھٹکڑی پھول ہو گئی ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ایسی بات نہ کریں۔ کہنے لگے میں سچ کہہ رہا ہوں ویسے بات چیت میں شگفتی بدستور تھی۔ جلسہ سالانہ کے چند روز بعد سینہ میں

درد کے باعث علیل ہوئے۔ اوّل اپنے احمدیہ شفا خانہ میں علاج کرایا فائدہ نہ ہونے پر امرتسر لے جایا گیا جہاں بہت سے ٹسٹ ہونے پر معلوم ہوا کہ ہارٹ اٹیک ہے۔ امرتسر میں ہی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا اور وہاں علاج ہوتا رہا مگر جوں جوں علاج ہوتا آپ کی صحت مائل بہ انحطاط ہی رہی۔ اڑھائی ماہ علاج ہو جانے پر آخر ایک روز ہسپتال میں ہی ہارٹ اٹیک ہوا اور آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. تاریخ وفات ۱۲ مارچ ۷۲ء

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آپ موصی تھے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت بھائی الٰہ دین صاحب رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر

۱۹۴۷ء میں ۱۶ نومبر کو آخری کنوائے چلے جانے کے بعد قادیان میں اپنے سروں کا نذرانہ لئے ہوئے جو ۳۱۳ افراد مقامات مقدسہ کی آبادی کے لئے ٹھہر گئے تھے ان میں گیارہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ بعد ازاں ۴۸ء میں ماہ جنوری، مارچ اور مئی میں آنے والے تین قافلوں میں سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے مزید چودہ صحابہ کو بھی قادیان بھجوا دیا تھا کہ تا درویشان ان مقدس وجودوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ ان میں خاص کر تین صحابہ ایسے تھے جو نہایت ابتدائی صحابہ کے زمرہ میں سے تھے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں اپنے تین سو تیرہ صحابہ میں شمار کیا تھا۔ اس طرح صحابہ کی تعداد ۲۵ ہو گئی تھی۔ ابتدائی چند ماہ جو محصوریت کا نہایت سخت دور تھا کو چھوڑ کر درویشان نے صحابہ کے نورانی وجودوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا مسجد مبارک میں فجر کی نماز کے بعد صحابہ سے ان کی زبانی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے حالات اور روایات سننے کا پروگرام کئی سالوں تک جاری رہا۔ اس پروگرام کی ابتداء مکرم حضرت منشی محمد الدین صاحب واصل باقی رضی اللہ عنہ نے کی اور کئی مہینوں تک آپ حالات اور روایات سناتے رہے۔ صحابہ میں سے سب سے پہلے مکرم حضرت منشی محمد الدین صاحب واصل باقی رضی اللہ عنہ یکے از ۳۱۳ صحابہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام درویشان کو داغ مفارقت دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں جا بسے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا رہے۔ آپ کے حالات قبل ازیں اخبار بدر میں شائع ہو

چکے ہیں۔ آج کی صحبت میں درویشان میں سے سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی کا ذکر خیر کرنا مقصود ہے۔ اور وہ ہیں حضرت مولوی الٰہ دین صاحبؓ۔ آپ کے والد بھی صحابی تھے آپ کے والد حضرت احمد دین صاحب نیار یا حضرت حکیم احمد دین صاحب کی تبلیغ سے ۱۸۹۷ء میں احمدی ہوئے تھے اس وقت تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ بعد میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے ۱۹۰۰ء میں اللہ تعالیٰ نے لڑکا عطا کیا اس کا نام الٰہ دین رکھا گیا۔ نیز مکرم حضرت احمد دین صاحب نیار نے اپنا آبائی کام نیارے کا چھوڑ دیا کہ اب میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی غلامی میں آ گیا ہوں اب میں کوڑے اور نالیوں کی گندگی سے رزق تلاش نہیں کروں گا۔ بلکہ باعزت طریق سے روزی کماؤں گا آپ نے نیارے کا کام چھوڑ کر منیاری کا سامان پھیری لگا کر بیچنے کا دھندہ شروع کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے برکت دی آسودگی سے گزارا ہونے لگا۔

مولوی الٰہ دین صاحب (چونکہ آپ ہوش سنبھالتے ہی نماز روزہ اور عبادات میں باقاعدہ اور اپنا زیادہ وقت مسجد میں ہی گزارتے تھے اس وجہ سے انہیں مولوی الٰہ دین کہہ کر پکارا جاتا تھا) کی تعلیم مڈل تک شاہدرہ میں ہوئی۔ اس سے آگے انہیں تعلیم دلائی ہی نہیں گئی۔ قرآن کریم مع ترجمہ پڑھا اور چند دینی کتب پڑھنے کے بعد آپ کے والد صاحب نے انہیں درزی کا کام سیکھنے کے لئے ایک تجربہ کار خیاط کے پاس لگا دیا۔ جہاں آپ نے تین سال تک شاگردی کر کے اس کام میں مہارت حاصل کر لی۔ درزی کا کام سیکھ لینے کے بعد آپ کی شادی برادری میں ہی ایک خاتون رابعہ بیگم سے کر دی گئی اور آپ کو (میاں بیوی کو) شاہدرہ میں چھوڑ کر آپ کے والد صاحب بقیہ زندگی گزارنے کے لئے ہجرت کر کے آ گئے۔ یہاں محلّہ دارالفتوح میں اپنا مکان بنا لیا اور باقی زندگی قادیان میں ہی گزار دی۔

مولوی الٰہ دین صاحب شاہدرہ موڑ پر درزی کا کام ایک دوکان پر کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح ناشتہ کر کے اپنی سلائی کی مشین کندھے پر رکھ کر شاہدرہ موڑ جاتے اور مغرب سے تھوڑی دیر قبل دوکان بند کر کے مشین اور باقی بچے ہوئے کپڑے کندھے پر اٹھا کر گھر آ جاتے۔ یاد رہے کہ شاہدرہ ٹاؤن اور شاہدرہ موڑ کا درمیانی فاصلہ دو کلومیٹر ہے۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت مسجد احمدیہ شاہدرہ میں۔ اور فجر کی نماز بھی اور درس بھی شاہدرہ میں مسجد احمدیہ میں ہی ادا کرتے۔ جب کبھی حضرت حکیم صاحب کسی وجہ سے مسجد میں نہ آتے تو مسجد میں امامت اور درس بھی مولوی الٰہ دین صاحب کے ذمہ ہوتا۔ ۱۹۴۱ء کی بات ہے۔ ایک روز دوپہر کو مولوی الٰہ دین صاحب بھاگتے ہوئے آئے۔ یہ مئی کا آخری عشرہ تھا اور ظہر کی نماز میں یہ خوشخبری سنائی کہ آج بارہ دری میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب چند خدام کے ساتھ دریائے راوی پر پکنک منانے آئے ہوئے ہیں۔ پھر کیا تھا جماعت احمدیہ شاہدرہ کا ہر ایک رکن جو بھی اس کو میسر آیا لے لے کر دریا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

بارہ دری دریائے راوی میں پل کے پاس ایک جزیرہ کی طرح کا مقام ہے۔ جہاں نہایت خوبصورت درخت پودے اور گھاس ہے۔ بارہ دری بھی پرانی بادشاہوں کے وقت کی بنی ہوئی موجود ہے۔ اب بھی ہے۔ حضرت حکیم احمد دین صاحب رضی اللہ عنہ ۳۸ء میں وفات پا چکے تھے۔ حضرت حکیم مختار احمد صاحب اس وقت شاہدرہ جماعت کے صدر جماعت تھے۔ انہوں نے اپنے کھجوروں سے تازہ پکی ہوئی کھجوریں اتروائیں اور وہ بھی بارہ دری جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ خاکسار بدرالدین عامل بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو جب اطلاع ہوئی کہ جماعت احمدیہ شاہدرہ ملاقات کے لئے آئی ہے تو آپ بڑے خوش

ہوئے اور نہایت خندہ پیشانی سے سب احباب سے ملے اور ان کے تحائف قبول کئے اور وہاں کھانا تیار تھا سب کو کھانے میں بھی شریک کیا اور مغرب کی نماز بارہ دری میں باجماعت ادا کر کے سب واپس آئے بڑا ہی پر لطف روحانی پروگرام تھا۔ خدام نے تلاوت اور نظمیں سنائیں اور بعض اطفال نے چھوٹی چھوٹی تقاریر بھی کیں۔ کشتیوں پر سیر بھی ہوئی۔ بارہ دری میں کرایہ پر کشتیاں مل جاتی ہیں۔

مولوی الٰہ دین صاحب کم و بیش ۲۰ سال تک شاہدرہ موڑ پر درزی کا کام کرتے رہے۔ ایک موقعہ پر ایک بدبخت نے آپ کو گلا گھونٹ کر مار دینے کی کوشش کی۔ چند شریف طبع لوگ جو وہاں موجود تھے نے آپ کی جان بچائی۔ اس واقعہ کا علم ہونے پر حضرت حکیم مختار احمد صاحب نے آپ کو شاہدرہ ٹاؤن میں رہ کر کام کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ شاہدرہ ٹاؤن میں ہمارے خاندان کا اتنا اثر و رسوخ ہے کہ یہاں کوئی کسی احمدی پر اس طرح حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس پر مولوی الٰہ دین صاحب نے شاہدرہ ٹاؤن میں ہی کام کرنا شروع کر دیا۔

یہ ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ مولوی الٰہ دین صاحب کے والد صاحب نے ۱۸۹۷ء میں بیعت کی تھی۔ اور مولوی الٰہ دین صاحب کی پیدائش دسمبر ۱۹۰۰ء میں ہوئی تھی۔ مولوی صاحب نے چھ سات سال کی عمر میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تھی آپ کے والد صاحب جو کہ خود بھی صحابی تھے اور والدہ بھی صحابیہ تھیں ہر سال جلسہ سالانہ پر قادیان آتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب یہ گود میں تھے تب بھی ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بچے کو پیش کر کے عرض کرتے تھے کہ حضور یہ ایک ہی ہمارا بیٹا ہے اور یہ پیدائشی احمدی ہے۔ حضرت اقدس بچہ کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے۔ جب یہ سات سال کا ہوا تو ہم نے اس کو سمجھایا کہ حضور کی خدمت میں جب ہم ملاقات کے لئے جائیں گے۔ تو

تم بھی حضرت صاحب کی خدمت میں السلام علیکم کہنا۔ جب ہم ۱۹۰۷ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان آئے تو مولوی الٰہ دین صاحب نے جس طرح ہم نے سمجھایا تھا حضرت صاحب کی خدمت میں السلام علیکم کہا اور حضور نے پھر آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مکرم مولوی الٰہ دین صاحب کو بھی صرف اتنی ہی بات یاد تھی۔

مکرم حضرت بھائی مولوی الٰہ دین صاحب کا بھی ایک ہی بیٹا ہے جس کا نام نور الدین ہے اور ابھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بقید حیات ہے۔ ان کے آگے کئی بچے لڑکیاں اور لڑکے موجود ہیں۔ اپنے بیٹے کی شادی اور دیگر گھریلو مصروفیات سے فارغ ہو کر آپ ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء کو قادیان آنے والے قافلہ میں قادیان آکر درویشوں میں شامل ہو گئے۔ اور یہاں بھی آپ نے پورا درویشی دور نہایت صبر و قناعت سے گزارا۔ آپ کی اہلیہ بھی متعدد مرتبہ قادیان آکر کئی کئی ماہ تک قیام کر کے جاتی رہی ہیں۔ اور آپ خود بھی ویزا پر پاکستان جا کر بچوں سے مل آتے رہے ہیں۔ قادیان میں بھی مسجد مبارک میں امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کی عدم موجودگی میں مسجد مبارک میں نمازیں پڑھانے میں آپ امامت کرتے رہے ہیں۔

۱۹۷۰ء میں ہی انڈو پاک کی فضاء پر جنگ کے بادل منڈلانے شروع ہو گئے تھے۔ جو ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی آزادی پر ختم ہوئے اور اس مرتبہ دونوں ملکوں میں آمد و رفت کی سہولتیں بحال ہونے میں قریباً آٹھ سال لگ گئے۔ ۱۹۷۸ء میں قادیان سے اچھا بڑا قافلہ جلسہ سالانہ ربوہ پر گیا۔ اس قافلہ میں حضرت مولوی الٰہ دین صاحب بھی تھے۔ قافلہ کو دارالضیافت میں ٹھہرایا گیا تھا۔ میں خود اپنے ہم زلف کے ہاں محلہ دارلرحمت وسطی میں قیام پذیر تھا۔ جب میں اپنی قیامگاہ پر پہنچا تو اندر داخل ہوتے ہی ایک نسوانی آواز نے مجھے مخاطب کیا بھائی جی السلام علیکم میں نے آواز پہچانی یہ آواز حضرت مولوی الٰہ دین صاحبؓ کی اہلیہ صاحبہ کی تھی۔ میں اسی

وقت واپس دارالضیافت کی طرف لوٹا۔ جب میں دارالضیافت کے مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب جو اس وقت نائب افسر جلسہ سالانہ ربوہ تھے گیٹ سے باہر نکل رہے تھے مجھے دیکھتے ہی پوچھا کہ آپ اب پھر کس لئے آئے ہیں میں نے عرض کیا کہ ایک مشکل آن پڑی ہے اس کا کوئی حل تلاش کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا مجھے بتائیں میں نے بتایا کہ قادیان سے آنے والے درویشان میں ایک صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام آٹھ سال کے بعد آئے ہیں ان کا قیام دیگر درویشان کے ساتھ دارالضیافت کے ہال کمرہ میں ہے۔ ان کی اہلیہ جو انہیں ملنے کے لئے آئیں ہیں وہ میری قیام گاہ محلّہ دارلرحمت وسطی میں بیٹھی ہیں۔ میں ابھی ابھی وہاں گیا تو یہ معلوم ہوا اور میں فوراً واپس آیا کہ ان بزرگوں کے لئے کوئی انتظام ہو سکے تو کروں آپ نے سن کر فرمایا یہ تو بڑا اہم معاملہ ہے۔ پھر کچھ دیر گہری سوچ میں خاموش رہ کر پھر گویا ہوئے کہ آپ ایک بار پھر جائیں اور ان کی اہلیہ صاحبہ کو ساتھ لے کر دارالضیافت سے حضرت مولوی اللہ دین صاحب کو بھی ساتھ لے کر میرے مکان پر آئیں۔ میں جا کر انتظام کرتا ہوں میں واپس گیا اور حضرت مولوی اللہ دین صاحب کی اہلیہ صاحبہ کو ساتھ لیا اور ان کا سامان بھی اٹھایا اور دارالضیافت پہنچ کر حضرت مولوی اللہ دین صاحب کو اٹھایا ان کا بستر اور سامان ساتھ لیا۔ دو اور درویش بھائی بھی میرے ساتھ ہو گئے ہم تینوں ان دونوں بزرگوں کا سامان لئے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (بعد ازاں خلیفۃ المسیح الرابع) کی کوٹھی پر حاضر ہوئے اندر جا کر معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے سٹور سے سارا سامان نکال کر باہر رکھ دیا ہے اور سٹور خالی کر دیا ہے۔ آپ خود بہ نفس نفیس یہ کام اپنے ہاتھوں سے کر رہے تھے۔ ہمیں حاضر پا کر فرمایا کہ میں نے سوچا اس سامان کی ایک صحابی کے آرام کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے۔ بے شک

خراب بھی ہو جائے۔ میں نے یہ باہر نکال کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے خود اپنے سامنے مکرم حضرت مولوی اللہ دین صاحب اور آپ کی اہلیہ صاحبہ کے بستر اندر لگوائے اور شکریہ کے ساتھ ہم درویشوں کو رخصت کیا۔ اللہ اللہ کیا ہی جذبہ محبت و شفقت تھا۔ اس واقعہ پر ستائیس سال گزر چکے ہیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔

مکرم حضرت مولوی اللہ دین صاحب جب قادیان آئے تو آپ کی ڈیوٹی دفتر زائرین (قادیان میں غیر مسلم دوست اکثر مینارۃ المسیح اور مساجد دیکھنے آتے تھے اس غرض سے ایک دفتر قائم کیا گیا تھا جس کا نام دفتر زائرین تھا) میں لگائی گئی تھی۔ مکرم سید محمد شریف شاہ صاحب حضرت حاجی محمد دین صاحب اور اسی عمر اور مرتبہ کے مزید آٹھ دس بزرگ باری باری ڈیوٹی دیتے تھے آنے والے افراد کو پہلے جماعت احمدیہ کا تعارف کرایا جاتا اور ازاں بعد ساتھ جا کر مینارۃ المسیح اور مساجد دکھائی جاتیں۔ عوام الناس سے تعلقات نارمل بنانے میں اس دفتر نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور آج تک یہ ادارہ قائم ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں شاہدرہ میں مکرم حضرت مولوی اللہ دین ہی کے لقب سے آپ کو پکارا جاتا تھا۔ قادیان میں دفتر زائرین میں ڈیوٹی دینے والے دیگر بزرگ مولوی اللہ دین صاحب کو بھائی اللہ دین صاحب کہنے لگ گئے۔ دیگر صحابہ میں سے ابتدائی دو بزرگ صحابی حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب کو بھی بھائی کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ تیسرے نمبر پر مولوی اللہ دین صاحب کو بھی بھائی کے لقب سے پکارا جانے لگا اور یہی قادیان میں رواج پا گیا۔

قادیان میں ۲۵ صحابہ تھے جو آہستہ آہستہ اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی رضاء کی جنتوں میں جا بسے۔ اب ایک صحابی درویشوں کے باغیچہ میں باقی رہ گیا تھا یعنی

حضرت بھائی اللہ دین صاحب جب تک آپ کی ڈیوٹی دفتر زائرین میں رہی آپ کا قیام دفتر تحریک جدید کی اوپر والی منزل میں ایک کمرہ میں رہا۔ جب آپ عمر کے تقاضا سے کمزور ہو گئے اور سیڑھیاں چڑھنا اترنا مشکل ہو گیا تو آپ کو دفتر زائرین کی ڈیوٹی سے بھی سبکدوش کر دیا گیا اور رہائش کے لئے الدار میں جس کمرہ میں سے ہو کر مسجد مبارک میں جانے کا رستہ ہے اس میں آپ کو قیام کی اجازت حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے مرحمت فرمائی اور اسی کمرہ میں آپ تادم واپسی قیام پزیر رہے۔

آپ کی طبیعت جوانی سے ہی عبادات کی طرف میلان رکھتی تھی۔ الدار میں رہائش کی سہولت مل جانے پر آپ کا وقت چوبیس گھنٹہ ہی عبادت میں گزرتا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے نقاہت غالب آنا شروع ہو گئی تھی کبھی کھانسی زور پکڑ جاتی کبھی کوئی اور عارضہ آدباتا۔ اکثر وقت بستر پر ہی گزرتا۔ تاہم فرض نمازوں میں ہمت کر کے مسجد مبارک میں آجاتے۔ ۱۹۸۱ء میں طبیعت زیادہ ہی خراب رہنے لگی امرتسر لے جا کر مکمل چیک کرایا گیا کوئی مہلک عارضہ لاحق نہیں پایا گیا مگر کمزوری تھی کہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی بعض اوقات نمازوں میں آنا بھی مشکل ہو رہا تھا اس وجہ سے کہ لنگر خانہ سے پکا ہوا معمول کا کھانا آپ ہضم کر سکنے کی حالت میں نہیں تھے تینوں ٹائم ناشتہ دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا پکا ہوا محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اپنے گھر سے بڑے اہتمام سے بھجواتے تھے اور جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتا وہی تیار کرایا جاتا۔ ۱۹۸۲ء کا سارا سال ہی اسی حالت میں گزرا۔ درویشی دور میں یہ ہمارے پاس آخری صحابی تھے ہر ممکن کوشش اور دعائیں تھیں کہ یہ نعمت تادیر ہم میں شامل رہ کر ماحول کو برکتوں سے معمور کرتی رہے مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر جس طرح کوئی فیصلہ کر چکتی ہے ممکن نہیں کہ وہ بات ٹل جائے۔

آخر ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے آخری روز حضرت بھائی اللہ

دین صاحب کی طبیعت ۲۷ اور ۲۸ دسمبر کی درمیانی شب کو ہی نہایت کمزور ہو گئی تھی اور بوقت نصف شب نزع کی حالت طاری تھی۔ آپ کی وفات رات کو قریباً دو بجے ہوئی اور آپ تمام درویشاں کو غمگین و افسردہ چھوڑ کر اپنے پیارے غفور و رحیم آقا کی جنتوں میں جا بسے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کو آپ کو بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک کے سپرد کر دیا گیا۔

اے جانے والے تجھ پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں اور برکتیں ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قرب خاص میں جگہ دے۔ آمین۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم اپنی زندگیاں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء مبارک کے مطابق خالص اسلامی طریق پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق گزارنے والے ہوں۔ آمین ثم آمین

مکرم حاجی خدا بخش صاحب

ولد مولا داد صاحب شادی وال گجرات

ابتداء میں جو درویشان قادیان میں ٹھہرے تھے۔ ان میں ۲۰ کے قریب درویش انصار اللہ کی عمر کے تھے اور باقی سب خدام کی عمر کے تھے۔ اطفال کی عمر کا کوئی بھی درویش نہیں تھا۔ بابا حاجی خدا بخش صاحب بھی انصار اللہ میں شامل تھے۔ عبادت گزار اور کم گو بزرگ تھے۔ یوں تو ان پڑھ تھے مگر زندگی میں بہت کچھ تجربہ حاصل کیا ہوا تھا۔ زندگی کے عام امور میں اور خاص کر کاشتکاری اور دودھ والے جانور پالنے میں گہرا تجربہ رکھتے تھے اور عام درویش آپ کے مشوروں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ چند درویش جنہوں نے ابتداء درویشی سے ہی کاشتکاری اور بھینس پالنے کا شغل رکھا ہوا تھا۔ وہ خاص کر آپ کے مشورہ سے مستفیض ہوتے تھے۔ چند ایک بار بیل اور بھینس خریدنے کے لئے درویشوں کو کرنال اور حصار تک جانا پڑا تو بابا خدا بخش صاحب کو خاص طور پر ساتھ لے کر جاتے رہے۔

آپ کا اصلی نام پیراں بخش تھا۔ اس نام میں ایک حد تک شرک کا پہلو پایا جاتا تھا کیونکہ پیر تو کسی کی بخشش نہیں کر سکتے وہ تو خود محتاج ہیں۔ بخشش صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹؓ نے آپ کا نام خدا بخش رکھ دیا تھا اور یہی نام آپ کا کاغذات میں رجسٹرڈ ہو گیا۔ آپ بھی ان خدام میں سے تھے جنہیں خدام حلقہ

ناصر آباد کہا جاتا تھا۔ ان خدام کو اس وجہ سے کہ یہ مستقل طور پر خدمتِ مرکز کے لئے بلائے گئے تھے انہیں ایک حد تک ماہوار گزارہ بھی دیا جاتا تھا۔ بابا خدا بخش صاحب بالکل سادہ زندگی گزارتے تھے اور اپنے گزارہ میں سے بچت کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۵۰ء سے درویشان کی شادیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ۱۹۶۲ء تک بڑی سرگرمی سے جاری رہا۔ ازاں بعد خال خال درویش ہی باقی رہ گئے تھے جن کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ بابا خدا بخش صاحب کی بھی شادی نہیں ہو پائی۔ آپ نے باقاعدہ شرعی ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اور ۵۰ سال کی عمر تک آپ کے تمام بال سفید ہو چکے تھے۔ بالوں کو کبھی رنگ بھی نہیں دیا۔ بدیں وجہ آپ بڈھوں میں شمار ہو کر شادی سے محروم رہے۔

۱۹۶۲ء میں محترم حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت احمدیہ نے حج کیا تو اس نیک نمونہ سے دیگر درویشان میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہمیں بھی حج کرنا چاہئے۔ چنانچہ چار درویشان جو زادِ راہ رکھتے تھے اگلے سال حج پر جانے کے لئے تیار ہوئے ان کے اسماء اس طرح ہیں۔ (۱) مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب (۲) مکرم چوہدری عبدالحق صاحب (۳) مکرم افتخار احمد صاحب اشرف (۴) مکرم بابا خدا بخش صاحب۔ اس طرح آپ حج کر آئے اور آپ کی طبیعت پر گہرا روحانی رنگ چڑھ گیا اور عبادات اور تہجد اور دعاؤں میں آپ ایک مثالی وجود بن گئے۔ صدر انجمن احمدیہ کی جائیدادوں کی واگزاری کا کیس ۱۹۵۴ء سے چل رہا تھا اس کا آخری فیصلہ ۱۹۶۳ء میں ہو گیا اور صدر انجمن احمدیہ کی جائیدادیں واگزار ہو گئیں۔ اس میں ایک بڑی زرعی زمین بھی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ نے موضع بھامڑی کا ریلوے سٹیشن نیلام کر دیا تھا۔ جب ریلوے لائن قادیان سے آگے بیاس تک لے جانے کا پروگرام تھا تو بھامڑی قادیان سے اگلا سٹیشن بنانا تجویز ہوا تھا۔ وہاں تک ریلوے لائن بچھانے کے لئے بھرتی بھی ڈال دی گئی تھی اور بھامڑی

ریلوے سٹیشن کے لئے زمین بھی ایکوائر کر لی گئی تھی۔ بعد میں جنگ کی وجہ سے کام رکا رہا اور جنگ کے خاتمہ پر آزادی ہند کا پروگرام پختہ ہو گیا تھا۔ اس لئے سرکار نے یہ منصوبہ ترک کر دیا اور جو زمین، لائن بچھانے اور ریلوے سٹیشن کے لئے ایکوائر کی گئی تھی وہ نیلام کر دی گئی۔ بھامڑی ریلوے سٹیشن کی زمین ۴۰ سٹینڈرا ایکڑ تھی۔ یہ زمین نیلامی میں صدر انجمن احمدیہ نے خرید لی تھی۔ اس پر قبضہ کے لئے وہاں ایک جلسہ کیا گیا تھا جس میں قادیان سے خدام کی خاصی تعداد گئی ہوئی تھی۔ ہمارے جلسہ پر بھامڑی کے لوکل افراد نے حملہ بھی کر دیا تھا اور اس جھڑپ میں طرفین کے ۸۰ افراد زخمی ہوئے تھے۔ خاکسار بھی اس موقعہ پر گیا ہوا تھا۔ درویشوں میں سے مولوی بشیر احمد صاحب بانگڑوی بھی گئے ہوئے اور انہیں بھی زخم آئے تھے۔ یہ زمین جب واگزار ہوئی تو اس وقت گورنمنٹ اس کو پاکستان سے آئے پناہ گزینوں میں الاٹ کر چکی تھی۔ اب وہ لوگ زخم خوردہ تھے۔ گورنمنٹ نے صدر انجمن احمدیہ سے کہا کہ اس کے بدلہ میں آپ کو متبادل رقبہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ زمین چاہی درجہ اوّل تھی اور اس کے تبادلہ میں بارانی زمین دی گئی۔ یہ زمین موضع مانے پور میں تھی اور چونکہ بارانی تھی۔ رقبہ میں اضافہ کر کے چالیس ایکڑ کی جگہ ۱۱۷۰ ایکڑ دی گئی تھی مانے پور میں اس پر قبضہ کے لئے یہ تجویز ہوا کہ بابا خدا بخش صاحب کو وہاں بھجوایا جائے۔ بابا جی تیار ہو گئے اور وہاں قریب تین سال تک قیام کر کے زمین کی نگرانی اور اسے کاشت کرواتے رہے۔ یہ گاؤں مانے پور پاکستان بارڈر پر تھا۔ اور چونکہ بارڈر ایریا کے لوگ (دونوں طرف کے) سمگلنگ بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہاں ہر آنے جانے والے کو پولیس مشکوک نگاہ سے دیکھتی ہے۔ چونکہ صدر انجمن احمدیہ کے افسران اور ناظر صاحبان کو بھی زمین کے معاملات ٹھیکہ بٹائی وغیرہ کے لئے بار بار وہاں جانا پڑتا تھا۔ اس لئے جماعت نے پسند نہیں کیا کہ وہاں یہ جائیداد

قائم رکھی جائے خود درخواست دے کر اس کا تبادلہ دریاس بیاس کے کنارے ایک گاؤں رجوعہ بہادر پور میں کروالیا گیا ہے۔ چونکہ یہ رقبہ بارانی تھا اس لئے برابر تبدیل ہو گیا تھا۔ رجوعہ میں یہ زمین موجود ہے جس میں سے تقریباً پینتیس ایکڑ زیر کاشت ہے اور باقی رقبہ ڈھائے ہیں۔ زیر کاشت رقبہ میں صدر انجمن احمدیہ نے ٹیوب ویل لگایا ہوا ہے۔ اس رقبہ پر بھی قبضہ و نگرانی کے لئے مکرم بابا حاجی خدا بخش صاحب کو بھجوایا گیا اور آپ کئی سالوں تک یہ خدمت بحسن و خوبی بجالاتے رہے۔ ازاں بعد آپ نے اپنی صحت اور کمزوری کے باعث معذرت کر دی آپ کی عمر بھی اب آرام کرنے کے مقام تک پہنچ چکی تھی۔ آپ کو ریٹائر کر دیا گیا۔ آپ بڑی ہمت اور حوصلہ والے تھے۔ جب تک صحت نے اجازت دی اپنے کام مثلاً لنگر خانہ میں جا کر کھانا لانا اپنے کپڑے دھولینا وغیرہ خود ہی کرتے رہے۔ جب آہستہ آہستہ صحت بہت کمزور ہو گئی تو آپ کو مکرم چوہدری ولی محمد صاحب گجراتی جو رشتہ میں آپ کے بھتیجے تھے اپنے گھر لے گئے اور تادم آخر آپ نے بابا جی خدا بخش صاحب کی بہت اچھے رنگ میں خدمت کی۔ علاج معالجہ میں ہر ممکن کوشش کے باوجود آپ روز بروز کمزور ہوتے چلے گئے اور آخر وہ وقت آن پہنچا جو ازل سے ہر ذی روح کے لئے مقدر ہے۔ آپ مؤرخہ ۲۸-۱۱-۸۳ کو بوقت شب جبکہ اس فانی دنیا کے باغوں میں ویسے ہی موسم خزاں کا راج ہوتا ہے۔ اس دنیا سے ناطہ توڑ کر بہشتی مقبرہ کی مقدس زمین کی گود میں آسودہ ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے۔ آمین

مکرم حافظ اللہ دین صاحب

ولد نواب دین صاحب ساکن مگھیال ضلع کیملپور

مکرم حافظ صاحب اپنے خاندان میں پہلے احمدی تھے۔ باقی سارا خاندان مخالف تھا اور انہیں اس قدر تنگ کیا گیا کہ یہ اپنا علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ نے حفظ قرآن کریم کیا ہوا تھا اور پنجاب میں حفاظ کو عموماً مساجد میں امامت کی صورت میں روزی ملا کرتی تھی۔ احمدی ہو جانے کے بعد کوئی بھی مسلم فرقہ آپ کو اپنی مسجد میں امامت کے لئے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ آپ کی پہلی بیوی بھی آپ سے چھین لی گئی اور آپ کو گھر سے نکال دیا گیا۔ آپ پریشان حال قادیان پہنچے۔ یہ ۱۹۴۶ء کی ابتداء تھی۔ یہاں ماہ مئی میں دیہاتی مبلغین کی کلاس نمبر ۳ شروع ہونے والی تھی۔ آپ نے اس کلاس میں داخلہ کے لئے درخواست دے دی جو منظور ہو گئی اور آپ کلاس نمبر ۳ میں پڑھنے لگے۔ اس کلاس نے اگست ۱۹۴۷ء تک اپنی تعلیم ختم کرنی تھی۔ مگر ملک کی آزادی کی مہم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور آزادی اپنے ساتھ لائی بدامنی، فساد، خونریزی، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ اور مکانات ڈھانا اور جلانا۔ ان حالات میں قادیان کی اکثر آبادی کو اپنی معمول کی مصروفیات سے توجہ ہٹا کر حفاظت کا فریضہ ادا کرنا پڑا۔ اور دیہاتی مبلغین کلاس اپنی تعلیم سے وجہ ہٹا کر محلہ جات میں پہرہ داری اور دیگر خدمات میں شامل ہو گئے۔ تا آنکہ ملک تقسیم ہو گیا اور دونوں طرف آزادی وطن کے جھنڈے اس حال میں

لہرائے گئے کہ لاکھوں لاشیں بے گور و کفن پڑی آزادی کی پرمسرت تقریب پر مسکرا رہی تھیں۔

آزادی کے اعلان کے بعد بھی تین ماہ تک گلی گلی میں مقتل کھلے رہے۔ ہر دو طرف کے غنڈہ عناصر کو کھلی چھٹی تھی کہ انسانی خون سے ہولی کھیلیں۔ بچوں کو دو منزلہ مکانوں کی چھتوں سے اچھال کر، زمین پر پٹاخہ چلا کر انسانیت کی گراوٹ کا ریکارڈ توڑیں مکان جلتے رہے۔ قدرت کی طرف سے بارشوں کی بہتات سے ساتھ کے ساتھ دھل کر زمین صاف ہوتی چلی گئی۔ نومبر کے وسط تک زمین سے انسانی خون کے رنگ کا نشان تک مٹ گیا اور جگہ جگہ انسانی ہڈیوں کے ڈھانچوں کے ڈھیر پڑے رہ گئے جس پر سے گوشت پرندوں نے نوچ نوچ کر کھا لیا اور خالص ہڈیاں کئی سال تک انسانی ذہنوں کو جھنجوڑتی رہیں۔ خدا خدا کر کے یہ دور وحشت کا ختم ہوا اور لوگ اپنے معمول کے کاروبار زندگی میں مصروف نظر آنے لگے۔ جنوری ۱۹۴۸ء سے دیہاتی مبلغین کی کلاس کی پڑھائی دوبارہ شروع ہوگئی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کے تحت ہوا کہ دیہاتی مبلغین کی اس کلاس نے تقسیم شدہ ہندوستان میں میدان تعلیم و تربیت میں اہم رول ادا کرنا تھا۔ اس لئے ان کی اپنی ٹریننگ کا بھی خصوصی دھیان رکھا جانا چاہئے تھا لہذا خود ایسے سامان ہوتے چلے گئے کہ اس کلاس کو پڑھائی اور ٹریننگ کے لئے ایک سال کی بجائے چار سال کا عرصہ میسر آ گیا۔ اور بعد ازاں انہیں ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں بھجوا دیا گیا۔ یہ کل ۴۰ معلمین تھے۔ ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لے کر انہیں حسب موقعہ و محل بھجوایا جاتا رہا۔

قادیان میں ۳۱۳ افراد کا انتخاب کرتے وقت کئی باتوں کو اس وقت مدنظر نہیں رکھا گیا تھا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخفی حکمت کے تحت وہ سب ضرورتیں ان

۱۳۱۳ افراد میں مہیا فرما دی ہوئی تھیں۔ ۱۹۴۸ء میں رمضان کا مقدس مہینہ ۹ جولائی کو شروع ہو رہا تھا۔ عین رمضان المبارک سے چند روز قبل یہ سوال سامنے آیا کہ رمضان میں نماز تراویح میں قرآن کریم سنانے کے لئے ہمارے پاس حفاظ کرام بھی موجود ہیں یا نہیں۔ جائزہ لینے پر یہ صورت حال سامنے آئی کہ ابتدائی درویشان میں دیہاتی مبلغین کلاس میں بہترین حافظ مکرم حافظ الہ دین صاحب موجود ہیں۔ جن کی زبان نہایت صاف اور ہر طرح کی لکنت سے مبرا تھی۔ قرآن کریم بھی نہایت صحت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ دوسرے مؤرخہ ۵ جنوری کو پاکستان سے تبادلہ میں آنے والے افراد میں بھی ایک حافظ قرآن مکرم حافظ نور الٰہی صاحب بھی آ گئے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر دو مرکزی مساجد میں قرآن کریم سنانے کے لئے حفاظ کا انتظام فرمادیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

مکرم حافظ الہ دین صاحب نے ۳۰ سال تک مرکزی مساجد میں، کبھی مسجد مبارک اور کبھی مسجد اقصیٰ میں نماز تراویح میں قرآن کریم سنانے کی سعادت پائی۔

۱۹۵۲ء سے مدرسہ احمدیہ کا بھی نئے سرے سے اجراء ہو گیا تھا۔ مدرسہ میں حافظ کلاس بھی جاری کر دی گئی تھی۔ مکرم حافظ الہ دین صاحب حافظ کلاس کے ٹیچر مقرر ہوئے تھے۔ اس کلاس کو بھی ۲۵ سال تک پڑھانے کی توفیق پائی اور حافظ صاحب کی شاگردی میں مزید چار پانچ نوجوان قرآن کریم حفظ کر کے ٹرینڈ ہو گئے اور انہوں نے یہ خدمت سنبھال لی تھی۔ ۱۹۸۰ء سے ہی حافظ صاحب سخت کمزوری محسوس کرنے لگ گئے تھے۔ (اس جگہ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مکرم حافظ صاحب کی دوسری شادی حیدر آباد دکن میں ہوئی تھی۔ اس بیوی کے بطن سے آپ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی یادگار تھے۔ ایک لڑکا وفات پا چکا ہے۔ ایک لڑکا اور لڑکی موجود ہیں۔ لڑکا معلمین کلاس پاس کر کے پنجاب کے مختلف مقامات میں معلم

کے فرائض ادا کر رہا ہے) کوئی خاص بیماری بھی نظر نہیں آتی تھی مگر کمزوری تھی کہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ پہلے آپ کی رہائش مسجد اقصیٰ کے مغربی جانب والے خادم مسجد کے کوارٹر میں تھی بعد ازاں انہیں مسجد ناصر آباد کے قریب ایک کشادہ مکان میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اہلیہ اور بچوں نے بڑی خدمت کی اور جماعت کی طرف سے بھی ان کے علاج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا مگر کمزوری تھی کہ بتدریج بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔

کل من علیھا فان ہر ایک نے اپنے وقت پر سرائے فانی سے کوچ کر جانا ہے۔ وقت مقدر کا انتظار ہر ایک کو کرنا پڑتا ہے۔ حافظ صاحب کا بھی وقت آن پہنچا تھا مؤرخہ ۳۰-۱۲-۸۳ کو جب ابھی جلسہ سالانہ کے مہمانان کی ایک خاصی تعداد بھی قادیان میں موجود تھی اور روحانی موسم بہار تھا دعاؤں اور قبولیت کا مہینہ تھا مکرم حافظ ہنستے کھیلتے گھر سے منہ موڑ کر آستانہ الٰہی کی محبت میں کشاں کشاں روانہ ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین۔ مؤرخہ ۳۱-۱۲-۸۳ کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مکرم محمد ابراہیم صاحب غالب ولد مکرم دلاور علی صاحب

بمقام سونیا بازار ڈاکخانہ کٹوریہ ضلع بھاگل پور بہار

میں اپنی یاداشتوں میں جب پیچھے کی طرف جھانکتا ہوں تو دور بہت دور ایک ہلکا سا تصور ابھرتا ہے۔ ۶۵ سال قبل میں دیکھتا ہوں کہ ایک پست قد نوجوان سائیکل سوار ہے۔ اس کے پاؤں پیڈل تک نہیں پہنچ پاتے وہ دائیں پیڈل کو دبانا چاہتا ہے تو آدھا جسم سائیکل سے دائیں جانب نیچے لٹک جاتا ہے۔ اور پھر بائیں طرف اسی انداز سے لٹکتا ہوا سائیکل بھگائے ہوئے چلا جا رہا ہے۔ میری طبیعت میں تجسس پیدا ہوا کہ دیکھوں ان کو کون سی مہم درپیش ہے کہ اس قدر دھوپ اور گرمی میں اس قدر مشکل فریضہ ادا کر رہا ہے۔ میں نے دو چار روز باقاعدہ جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ دفتر تحریک جدید اور دارالمجاہدین کے درمیان چکر لگاتے رہتے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ دفتر تحریک جدید میں بطور مددگار کارکن ملازم ہیں۔ اور آپ کی ڈیوٹی دارالمجاہدین میں لگی ہوئی ہے۔ دارالمجاہدین ان دنوں ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کی کوٹھی موسومہ بیت الحکمت میں تھا۔ یہ کوٹھی اب بھی باب الانوار میں جوں کی توں موجود ہے۔

یاد رہے کہ جس طرح دیہاتی جماعتوں کی تربیتی ضروریات کو مدنظر رکھ کر سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے دیہاتی مبلغین کلاس کا اجراء فرمایا تھا۔ اسی طرح یورپ میں تبلیغ کے لئے گریجویٹ نوجوانوں کو ٹریننگ دے کر یورپ میں

بھجوانے کا بھی منصوبہ بنایا گیا تھا اور قریباً ۲۵-۳۰ گریجویٹ نوجوان ٹریننگ پا رہے تھے۔ اس کلاس کو مجاہدین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور ان کا قیام بیت الحکمت میں تھا اور اسی ادارہ میں مکرم محمد ابراہیم صاحب مددگار کارکن تھے۔

سونیا بازار بھاگل پور سے اچھا خاصا سفر پیدل چل کر دور دو پہاڑیوں کے ایک درہ کو عبور کر کے ایک پچھڑا ہوا گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں محمد ابراہیم صاحب نے آنکھیں کھولیں۔ گاؤں میں پرائمری تک کا سکول تھا وہاں ہی تعلیم حاصل کی اور بچپن گزارا۔ بلوغت کے دروازہ پر دستک دیتے ہی والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ گاؤں میں ہی محنت مزدوری کرنے لگے۔ وقت گزرتا گیا جس طرح بھی بن پڑا۔ آخر گاؤں کے ماحول سے تنگ آکر گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھاگل پور لکھنؤ ہوتے ہوئے کانپور پہنچے۔ کانپور میں چونکہ یہ ایک تجارتی اور صنعتی شہر تھا مزدوری ملنے کے اچھے مواقع تھے۔ یہاں پر مزدوری کرتے رہے اور یہیں آپ نے احمدیت قبول کی۔ کانپور میں علاقہ سیالکوٹ کے بھی کئی لوگ مزدوری کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تعداد احمدیوں کی بھی تھی۔ یہ لوگ جب سیالکوٹ اپنے گھروں میں ملنے کے لئے آئے تو ان کے ہمراہ محمد ابراہیم صاحب بھی چلے آئے کہ چلو اس طریقہ سے قادیان سے کچھ اور قریب ہو جاؤں گا۔ سیالکوٹ میں بھی مزدوری کی۔ وہاں مزدوری کرتے رہے اور احمدی احباب سے تعلق قائم رکھا۔ یہ ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے۔ ۱۹۳۵ء میں جب سیالکوٹ سے احباب جماعت جلسہ سالانہ پر قادیان آئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ جلسہ سالانہ پر قادیان آگئے اور اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دستی بیعت کی سعادت پائی اور پھر قادیان میں ہی رہ پڑے۔ چار سال تک محنت مزدوری کر کے گزارہ چلاتے رہے۔ آخر ۱۹۳۹ء میں دفتر تحریک جدید میں مددگار کے طور پر ملازمت مل گئی۔

آپ کا قیام رات کو بھی دارالمجاہدین میں ہوتا تھا۔ اور یہ سراسر علمی اور ادبی ماحول تھا۔ آپ بھی اردو میں معمولی تک بندی کرنے لگے۔ کسی نے مذاقاً کہہ دیا کہ آپ تو اچھے خاصے شعر کہہ لیتے ہیں۔ آپ کا تخلص تو ذوق مناسب رہے گا (محمد ابراہیم ذوق ایک عظیم شاعر گزرے ہیں) چنانچہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ ذوق لکھنا شروع کر دیا۔

دارالمجاہدین اور جامعہ احمدیہ کے لڑکے گرمیوں میں پہاڑی علاقوں میں معلوماتی سیر اور ٹرپ کا پروگرام بنایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں ماہ جون میں دارالمجاہدین میں زیر تعلیم لڑکوں نے ڈلہوزی جانے کا پروگرام بنایا۔ اس سفر میں پروگرام یہ تھا کہ پٹھانکوٹ تک ریل سے سفر کریں گے۔ اور آگے پہاڑی علاقہ میں سفر پیدل ہوگا۔ کھانا پکانے کا اور دیگر سامان ساتھ ہوگا۔ جہاں رات آجائے گی وہیں قیام ہوگا اور اگلے روز پھر پیدل سفر جاری رہے گا مکرم محمد ابراہیم صاحب ذوق بھی ساتھ تھے۔ دو روز سفر کر کے تیسری رات ایک ایسے مقام پر ٹھہرنا تھا جو ڈلہوزی سے ۱۸ میل دور ہے۔ یہاں پہنچ کر اپنے خیمے نصب کر دئے اور کھانے کی تیاری شروع ہوگئی۔ اس مقام سے ڈلہوزی بے شک ۱۸ میل دور ہے مگر اونچائی پر ہے اور رات کو ڈلہوزی کی لائٹیں صاف نظر آتی ہیں۔ سب دیکھ رہے تھے یہ نظارہ مکرم محمد ابراہیم ذوق بھی دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے۔ اس پر انہوں نے ایک شعر یوں موزوں کیا۔

جب رہ گئے ڈلہوزی کے اٹھارہ میل
ڈلہوزی آتا ہے نظر ستاروں کی طرح

اس پر واہ واہ کہہ کر سب نے داد دی اور کسی نے یہ کہہ دیا کہ آپ کے کلام میں تو غالب کا رنگ جھلکتا ہے اور آپ ذوق تخلص کرتے ہیں۔ آپ کا تو تخلص غالب

ہونا چاہئے۔ تب سے آپ نے اپنا تخلّص غالب کر لیا۔ رجائی طبیعت کے مالک تھے۔ ہر ایک سے ہنس کر ملتے اور بات چیت میں تھوڑی تھوڑی ہنسی بھی شامل رہتی۔ کام کو کبھی عار نہ سمجھتے اور جو کام کہا جاتا فوراً کرنے کو تیار ہو جاتے۔ پان کھانا ان کی عادت تھی۔ اردو بولتے تھے اور لمبا عرصہ پنجاب میں رہنے کی وجہ سے پنجابی اچھی طرح سمجھ لیتے تھے مگر بول نہیں سکتے تھے۔ پاجامہ قمیض اور سر پر رومی ٹوپی آپ کا لباس تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب قادیان سے لوگ جا رہے تھے غالب صاحب بھی کسی قافلہ (کنوائے) میں لاہور چلے گئے تھے۔ وہاں جا کر جب یہ معلوم ہوا کہ قادیان میں کچھ لوگ بطور درویش قیام پذیر ہیں۔ اور یہ کہ وہاں سے اشد ضرورتمند افراد کا تبادلہ متوقع ہے تو آپ نے اپنا نام قادیان آنے والوں میں لکھوا دیا اور باری آنے پر ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء کو قادیان آ گئے۔ آپ نے اپنے قبول احمدیت کے بارہ میں اپنا حلفیہ بیان مولوی محمد صدیق صاحب فاضل کو نوٹ کرایا تھا جو کتاب بشارات رحمانیہ کے صفحہ نمبر ۵۲ پر ہے۔

"میں مقام سوئیا بازار ضلع بھاگلپور ڈاک خانہ کٹور یہ علاقہ بہار کا رہنے والا ہوں۔ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوں چھوٹی عمر میں ایک کتاب بہشتی زیور پڑھا کرتا تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی نشانیاں بتائی گئی تھیں کہ جب مسیح آئیں گے تو ایسے ایسے کام کریں گے ان حالات کو پڑھ کر میں درد دل سے دعا کیا کرتا تھا کہ خدایا جب مسیح آئے تو مجھے بھی اس کی جماعت میں داخل کرنا۔"

"آج سے تقریباً ۱۶-۱۵ سال قبل کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ عید الفطر کے دوسرے روز صبح کو میرے سر میں درد شروع ہو گیا تو

میں گھر میں چارپائی پر لیٹ گیا اور درود شریف بھی پڑھنا شروع
کر دیا اسی حالت میں مجھ پر کچھ غنودگی سی طاری ہوگئی اور میں
نے اس غنودگی میں ایک نظارہ دیکھا کہ کچھ لوگ حلقہ باندھے
بیٹھے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں کہ حضرت
عیسیٰ آگئے ہیں میں نے بیدار ہوتے ہی لوگوں کو یہ خواب سنایا۔
قریباً تمام نے کہا خواب اچھا ہے۔ تم نے نبی کے بارہ میں دیکھا
ہے۔ اس کے بعد طبیعت کچھ اداس اور بے چین رہنے لگی بعض
دفعہ طبیعت اتنی بے چین ہوتی تھی کہ میں الگ جا کر رونا شروع
کر دیتا تھا۔ بہت لوگ میری اس حالت کا سبب پوچھتے تھے مگر
میں ان کو بوجہ بے چینی کے کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکتا تھا۔
آخر کچھ دنوں کے بعد میں گھر سے باہر نکلا اور بنارس جونپور
گورکھ پور اور لکھنؤ میں ٹھہرتا ہوا کانپور سول لائن میں ایک
صاحب مسمی عبدالرزاق جو غیر احمدی تھے کا ایک بنگلہ تھا جس میں
بہت سی دوکانیں تھیں جہاں چند روز مزدوری کا کام کرتا رہا۔
اس بنگلہ میں منشی سراج الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ کانپور
کے لڑکے شریف احمد کی بھی دوکان تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ
لوگ اکٹھے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں وہاں بیٹھا ہوا
تھا تو مجھ سے مسمی عبدالرزاق صاحب کے لڑکے نے دریافت کیا
یوں تو صوم وصلوٰۃ کے بہت پابند ہو کبھی کوئی خواب بھی دیکھا ہے
تو میں نے مذکورہ بالا خواب تفصیل کے ساتھ سنا دیا اس پر لوگ
طرح طرح کی باتیں کرنے لگے مگر شریف احمد صاحب احمدی

نے کہا یہ پھر سناؤ میں نے پھر سنایا تو کہنے لگے کہ تمہارا خواب
بہت سچا ہے آگے خدا تمہیں ہدایت کرے اور اس کے بعد میں
اپنے کام میں لگا رہا۔
شریف احمد صاحب احمدی کے والد مجھے تبلیغ کرنے لگے اور
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں دکھانے لگے اور علماء وقت
کے حالات سے آگاہ کیا۔ آخر مجھ پر احمدیت کی صداقت کھل
گئی۔ میں نے احمدیوں کے پیچھے نماز بھی پڑھنا شروع کر دی۔
مکرم سراج الدین صاحب نے احمدیت سے بھی آگاہ کیا اور
چندہ کا بھی ذکر کیا۔
جب میں نے احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دیں تو لوگوں
نے کچھ مخالفت بھی شروع کر دی اور منع بھی کرنے لگے کہ اس
طرف نہ جاؤ اس کے بعد میں نے خدا تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ
خدایا تو ہی راہ راست بتا۔ میں سخت حیران ہوں کیونکہ دونوں
طرف بڑے بڑے بزرگ اور عالم ہیں۔ اب کس کی بات کا
یقین کروں اور کس بات کا یقین نہ کروں اور میں اس وقت تک
چندہ بھی نہیں دوں گا جب تک تو خود مجھے اس شخص کے بارے میں
نہ بتائے گا کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا۔
پھر ایک رات میری طبیعت سخت بے چین رہی حتیٰ کہ نیند بھی نہ
آئی۔ اسی حالت میں میرے دل میں ایک القاء ہوا کہ جب
صداقت کھل گئی ہے تو کیوں جلدی بیعت نہیں کر لیتے چنانچہ میں
صبح بیدار ہوتے ہی احمدیوں کے پاس گیا اور کہا میں آج سے پورا

احمدی ہو چکا ہوں اب چندہ بھی دوں گا۔ اس کے بعد میں نے
حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں
بیعت کا خط بذریعہ امیر جماعت (احمدیہ کانپور) لکھوا دیا۔ حضور
نے خاکسار کی بیعت منظور فرما کر جواب سے بھی اطلاع دی۔
''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں (کہ جس کی جھوٹی قسم کھانا
لعنتی اور شریر لوگوں کا کام) یہ خواب میں نے اسی طرح دیکھے
تھے جس طرح کہ میں نے مولوی صدیق صاحب فاضل مجاہد
تحریک جدید کو لکھوائے ہیں اور میں نے ۱۹۳۵ء کے جلسہ سالانہ
میں ڈاکٹر بشیر احمد صاحب احمدی کے سامنے دستی بیعت کے موقع
پر حضور پر نور سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی سنائے تھے۔''

۱۱ مئی ۱۹۴۸ء کو قادیان آنے پر آپ کو بطور درویش رکھ لیا گیا۔ اور دیگر
درویشان کی طرح لنگر خانہ سے روٹی اور متفرق اخراجات کے لئے ۔/۵ روپے
ماہوار گزارہ مقرر ہوا۔ درویشان کی جب شادیاں کرنے کی ہدایت آگئی تو اوّلیت
ان درویشان کو ملی جو صدر انجمن احمدیہ کے باقاعدہ ملازم تھے اور اپنے گریڈ کی مقررہ
تنخواہ پاتے تھے باقی درویشان جو لنگر خانہ سے روٹی اور ۔/۵ روپے ماہوار پاتے تھے
کی فیملی کے لئے گزارہ کا فیصلہ کچھ تاخیر سے ہوا اور ان کی شادیاں بھی تاخیر سے
ہوئیں۔ قادیان میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نمائندہ خاندان حضرت
اقدس مسیح موعود علیہ السلام نمائندہ تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کے ناظر دعوۃ و تبلیغ
کی حیثیت سے موجود تھے۔ مکرم غالب صاحب دفتر تحریک جدید کے سابق مددگار
کارکن ہونے کے ناطے محترم حضرت صاحبزادہ صاحب کے ساتھ ہی منسلک رہے۔
آپ کا قیام بھی الدار میں ہی تھا جب تک آپ کی شادی نہیں ہوئی آپ کھانا بھی

حضرت صاحبزادہ صاحب کی میس سے کھایا کرتے تھے اور محترم صاحبزادہ صاحب
بھی ان پر بڑی نظر شفقت رکھتے تھے۔ جب آپ کی شادی شاہجہانپور میں طے پا گئی
اور دلہن کو لے کر آنے والے تھے۔ خاکسار اور مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب ایک
ضروری مشورہ کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس گئے ہوئے تھے رات کا
قریباً ۹ بجے کا وقت ہوگا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ ایک کام ذہن سے
اترا ہوا رہ گیا ہے۔ غالب صاحب شادی کے لئے گئے ہوئے ہیں کل صبح وہ آنے
والے ہیں۔ اور ان کا پلنگ اور نواڑ پڑی ہے۔ کیا اس وقت کوئی بننے والا مل سکے گا۔
ہم نے عرض کیا حضرت ایک نہیں دو حاضر ہیں۔ آپ وہ پلنگ اور نواڑ دیں ہم ابھی
اس کو تیار کر دیتے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت سیدہ ام طاہر رضی اللہ
عنہا کے مکان الموسومہ دار البرکات کے کمرہ میں وہ پلنگ اور نواڑ دکھا دی۔ ہم دونوں
نے ہاتھوں ہاتھ ایک گھنٹہ کے اندر اندر پلنگ بن کر تیار کر دیا۔ محترم حضرت صاحبزادہ
صاحب اتنی دیر میں ہمارے لئے چائے بنوا کر لے آئے اور یہ دیکھ کر کہ کام ہو چکا
ہے۔ بہت خوش ہوئے۔

شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے غالب صاحب کو اولاد کی نعمت سے بھی نوازا اور
آپ کو پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے عطا فرمائے۔

۱۹۸۲ء میں ہی آپ کی طبیعت خراب رہنے لگ گئی تھی کھانسی بھی تھی اور
سانس بھی پھولتا تھا۔ بڑی توجہ سے علاج ہوتا تھا مگر فائدہ کی بجائے کمزوری بڑھتی
جاتی تھی۔ امرتسر جا کر مکمل ٹسٹ کرائے گئے تو معلوم ہوا کہ سانس کا عارضہ کھانسی کی
وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ کھانسی اور سانس پھولنا دونوں تکالیف ہارٹ کی وجہ سے
ہیں۔ یہ تشخیص ہو جانے پر ان لائنوں پر علاج شروع ہوا۔ بیماری جیت چکی
تھی۔ آخر وہ مقدر وقت آن پہنچا اور آپ ایک ہنستا کھیلتا بچوں سے بھرا ہوا گھر چھوڑ

کرمورخہ ۸۳-۱۰-۱ کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کو روانہ ہوگئے۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

آپ شاکر صابر عبادت گزار وفادار فرمانبردار اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو بھی یہ خوبیاں عطا کرے اور ان کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔آمین آپ موصی تھے۔مورخہ ۸۳-۱۰-۲ کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر چیمہ

۱۹۸۰ء کی ۲۹ دسمبر کی شام تھی۔مسجد مبارک کے نیچے درویشوں کا ایک گروہ گردنیں جھکائے مرجھائے ہوئے چہروں کے ساتھ کھڑا تھا۔کچھ دیر خاموشی کے بعد کوئی ایک بھائی دوسرے سے کوئی بات پوچھتا اور جواب نامکمل پاکر پھر ایک گہری خاموشی ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ سب اس خاموشی کے سمندر میں غوطہ لگا کر کچھ تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔پھر اچانک کوئی ایک آواز اس خاموشی کو توڑ دیتی کہ فلاں سال میں بھی تو ہم نے جلسہ سالانہ ربوہ میں ایک درویش بھائی کی وفات کا صدمہ سہا تھا۔پھر اس موضوع پر چند باتیں چند یادیں دہرائی جاتیں اور پھر مجلس کی فضاء پر ایک خاموشی مسلّط ہو جاتی۔اداسی کا ایک سیلاب تھا جو سب ذہنوں کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا۔

اس ساری صورت حال کا پس منظر یہ تھا کہ امسال جلسہ سالانہ ربوہ پر جو چند درویش گئے ہوئے تھے ان میں سے بعض کی واپسی ۳۰ دسمبر ۸۰ء کو متوقع تھی۔اور آج ۲۹ دسمبر ۸۰ء کو عصر کے بعد ایک غیر ملکی مہمان جو جلسہ سالانہ ربوہ میں شریک ہو کر قادیان آئے تھے۔انہوں نے جلسہ سالانہ ربوہ کے ایمان افروز حالات سنائے اور آخر میں یہ بھی بتایا کہ وہاں حضور نے ایک درویش کا جنازہ بھی پڑھایا ہے۔میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس درویش کا کیا نام تھا اور ان کی وفات کا کیا سبب بنا۔اس خبر نے تمام درویشوں میں ایک غم کی لہر دوڑا دی اور ہر ایک اس سوچ میں تھا کہ آخر وہ ہمارا کون سا بھائی ہوسکتا ہے۔اس سے قبل مکرم بشیر احمد صاحب سندھی جلسہ سالانہ ربوہ

کر مورخہ ۸۳-۱۰-۱ کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کو روانہ ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ شاکر صابر عبادت گزار وفادار فرمانبردار اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو بھی یہ خوبیاں عطا کرے اور ان کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین آپ موصی تھے۔ مورخہ ۸۳-۱۰-۲ کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر چیمہ

۱۹۸۰ء کی ۲۹ دسمبر کی شام تھی۔ مسجد مبارک کے نیچے درویشوں کا ایک گروہ گردنیں جھکائے مرجھائے ہوئے چہروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد کوئی ایک بھائی دوسرے سے کوئی بات پوچھتا اور جواب نامکمل پا کر پھر ایک گہری خاموشی ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ سب اس خاموشی کے سمندر میں غوطہ لگا کر کچھ تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اچانک کوئی ایک آواز اس خاموشی کو توڑ دیتی کہ فلاں سال میں بھی تو ہم نے جلسہ سالانہ ربوہ میں ایک درویش بھائی کی وفات کا صدمہ سہا تھا۔ پھر اس موضوع پر چند باتیں چند یادیں دہرائی جاتیں اور پھر مجلس کی فضاء پر ایک خاموشی مسلّط ہو جاتی۔ اداسی کا ایک سیلاب تھا جو سب ذہنوں کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا۔

اس ساری صورت حال کا پس منظر یہ تھا کہ امسال جلسہ سالانہ ربوہ پر جو چند درویش گئے ہوئے تھے ان میں سے بعض کی واپسی ۳۰ دسمبر ۸۰ء کو متوقع تھی۔ اور آج ۲۹ دسمبر ۸۰ء کو عصر کے بعد ایک غیر ملکی مہمان جو جلسہ سالانہ ربوہ میں شریک ہو کر قادیان آئے تھے۔ انہوں نے جلسہ سالانہ ربوہ کے ایمان افروز حالات سنائے اور آخر میں یہ بھی بتایا کہ وہاں حضور نے ایک درویش کا جنازہ بھی پڑھایا ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس درویش کا کیا نام تھا اور ان کی وفات کا کیا سبب بنا۔ اس خبر نے تمام درویشوں میں ایک غم کی لہر دوڑا دی اور ہر ایک اس سوچ میں تھا کہ آخر وہ ہمارا کون سا بھائی ہو سکتا ہے۔ اس سے قبل مکرم بشیر احمد صاحب سندھی جلسہ سالانہ ربوہ

کے موقعہ پر وفات پا گئے تھے۔ وہ جب قادیان سے جلسہ سالانہ ربوہ کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اس وقت ہی نزلہ زکام اور بخار میں مبتلاء تھے۔ رستہ میں مزید ٹھنڈ کھا کر نمونیہ کی صورت پیدا ہوگئی اور علاج بسیار کے باوجود وہ سنبھل نہیں سکے اور ربوہ میں ہی وفات پا گئے اور ربوہ کی سرزمین میں ہی بہشتی مقبرہ کی خاک میں یہ گوہر پوشیدا ہوا۔ اب جو خبر آئی ہے آخر وہ کون ہوسکتا ہے۔ اندازے لگ رہے تھے کہ فلاں بھائی علیل تھے۔ خدا کرے کہ وہ محفوظ ہوں۔ جن گھروں سے افراد جلسہ سالانہ پر گئے ہوئے تھے سب میں غم کے بادل چھا گئے بڑی گریہ وزاری سے دعائیں کی گئیں۔ آخر ۳۰ دسمبر کی شام کو یہ عقدہ حل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر ربوہ میں وفات پا گئے ہیں بعد میں یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ آپ ۲۷ دسمبر کو جلسہ سالانہ کا دوسرا اجلاس ختم ہونے پر اپنے کسی عزیز کے ساتھ بس میں جا رہے تھے کہ رستہ میں بس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اور آپ کی وفات موقع پر ہی ہوگئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۸۰ کو ربوہ بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

چوہدری منظور احمد صاحب منیر چیمہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء میں قادیان ٹھہرنے والے ابتدائی ۳۱۳ درویشان میں سے تھے اور آپ کا تعلق حلقہ مسجد اقصیٰ درویشان سے تھا۔ (درویشان کے حلقہ جات کی تشریح اس سے قبل کئی بار کی جا چکی ہے) بنیادی طور پر آپ کا گھرانہ ستار پور چیمہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا تھا۔ بعد میں مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر چیمہ درویش کے والد چوہدری غلام قادر اور ایک ان کے چھوٹے بھائی ضلع سیالکوٹ والی زمین فروخت کرکے بہاولپور میں زمین خرید کر وہاں منتقل ہو گئے تھے اور وہاں خدا کے فضل سے خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب دور میں جب مضافات قادیان سے مسلمان

ہزاروں کی تعداد میں بے گھر ہو کر قادیان میں جمع ہو چکے تھے اور ان کی تعداد ۴۰/۵۰ ہزار نفوس تک پہنچ چکی تھی۔ اس قدر تعداد کی خدمت کرنے کے لئے والنٹیرز درکار تھے۔ اس لئے ایک سرکلر کے ذریعہ بیرونی جماعتوں سے خدام کو بلایا گیا تھا۔ بہاولپور میں جب یہ سرکلر مکرم چوہدری غلام قادر صاحب کے پاس آیا تو آپ نے اپنے سب بیٹوں کو بلا کر پوچھا کہ قادیان میں خدمت کا موقعہ مل رہا ہے آپ میں سے کون اس سعادت کو قبول کرے گا۔ مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر نے کہا میں ان میں سے سب سے بڑا ہوں پہلے میں ہی جاؤں گا (ابتداء میں یہ خیال تھا کہ خدام دو ماہ کے لئے آیا کریں اور تبدیل ہوتے رہیں) چنانچہ آپ قادیان حاضر ہو گئے۔

جب تک قادیان میں پناہ گزینوں کا اژدھام تھا۔ خدام اکثر ان کے پہرہ اور دیکھ بھال کی خدمات ادا کرتے تھے۔ جب نومبر کے وسط تک قادیان سے جانے والے چلے گئے اور جنہوں نے اپنے سروں کی قربانی بارگاہِ محبت میں چڑھانا تھی۔ وہ قادیان میں شعائر اللہ کی محبت کی امانت دلوں میں لئے یہاں مقیم ہو گئے۔

یہ بارگاہ محبت ہے خانقاہ نہیں
یہاں پہ پھول نہیں سر چڑھائے جاتے ہیں

۳۱۳ سے زائد پروانے نقد جان لئے ہوئے اس امید پر کہ کب ہماری قربانی کی باری آتی ہے۔ دھونی رمائے ہوئے قادیان کے گلی کوچوں میں لبیک لبیک کہتے ہوئے سینے تانے ہوئے مسکراتے ہوئے امیدوں کے سہارے دِنوں کو راتوں اور راتوں کو دِنوں میں تبدیل کرتے ہوئے دنوں کو ہفتوں میں اور ہفتوں کو مہینوں اور سالوں میں تبدیل کرتے چلے گئے۔ اور تین سال گزر گئے۔ تب سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے وقت کی ضرورت کو بھانپ کر ارشاد فرمایا کہ اب قادیان کو محض آباد رکھنے

کا مرحلہ گزر گیا ہے۔ اب قادیان کو فعال مرکز بنائیں دفاتر کی تنظیم نو کریں۔ جو درویش مجرد ہیں وہ شادیاں کرلیں۔ اور جن کے اہل وعیال پاکستان میں ہیں وہ قادیان بھجوا دیئے جائیں۔ مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر کے اہل وعیال بھی پاکستان میں تھے باقی درویشوں کے اہل وعیال قادیان آنے کے ساتھ آپ کے بیوی بچے بھی قادیان آگئے۔

دفاتر کی تنظیم نو میں مکرم چوہدری منظور احمد صاحب کو نظارت امور عامہ میں نائب محتسب کی خدمت ملی جس پر آپ کئی سال تک قائم رہے ابتداء میں دفاتر میں عہدے تو درویشان کو مل گئے تھے کوئی کلرک اور کوئی معاون ناظر کوئی ناظم جائیداد کوئی انچارج احمدیہ بک ڈپو کوئی افسر تعمیرات کوئی افسر رشتہ ناطہ مگر گزارہ سب کو حسب سابق ہی ملتا تھا۔ چند سالوں کے بعد صدر انجمن احمدیہ نے یہ سہولت دی کہ درویشان میں سے جو درویش سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے باقاعدہ سروس میں آنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس پر ایک خاصی تعداد نے سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے باقاعدہ سروس کرلی تھی۔ مکرم چوہدری منظور احمد صاحب منیر بھی ان میں سے ایک تھے۔ انجمن کی سروس کرتے ہوئے آپ کو کئی خدمات کا موقعہ ملا۔ بطور نگران تعمیرات اور صدر انجمن احمدیہ کی اراضی کے ٹھیکہ جات کی وصولی اور دوکانوں ومکانوں کے کرایہ جات کی وصولی پر بھی لمبا عرصہ متعین رہے۔ ایک عرصہ تک صدر حلقہ مسجد اقصیٰ بھی رہے۔ آپ نرم مزاج سلسلہ احمدیہ سے بڑی محبت رکھنے والے اپنے افسران کے نہایت فرمانبردار تھے۔ جو کام سپرد ہوتا بڑی توجہ سے کرتے۔

سنہ ۱۹۸۰ء میں دیگر درویشان کے ہمراہ جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ مؤرخہ ۲۷ء دسمبر کو جب درمیانے روز جلسہ سالانہ کا دوسرا اجلاس ختم ہوا تو آپ اپنے تایازاد بھائی کے ساتھ سرگودھا میں اپنے ایک دوسرے تایازاد بھائی کی

بیمار پرسی کے لئے سرگودھا جا رہے تھے پروگرام یہ تھا کہ ۲۸ دسمبر کو صبح سویرے چل کر ربوہ آکر جلسہ سالانہ کا آخری دن کا اجلاس سن لیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ کی بس کا رستہ میں ایکسیڈنٹ ہوگیا اور آپ موقعہ پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

آپ کا جنازہ ربوہ لایا گیا۔ اور اگلے روز ربوہ بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ تینوں ہی بیٹیاں شادی شدہ صاحب اولاد اپنے گھروں میں خوش وخرم آباد ہیں اور پانچوں بیٹے قادیان میں صدر انجمن احمدیہ کے مختلف ادارہ جات میں مصروف خدمت ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کی اولاد کو آپ کی نیکیاں زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مکرم چوہدری سردار محمد صاحب

ولد محمد عبداللہ صاحب ساکن ونجواں نزد بٹالہ

(وفات ۱۰ فروری 1982ء)

آپ بھی ۱۹۴۷ء میں ۱۵ نومبر کو قادیان ٹھہرنے والے درویشوں میں سے تھے۔ آپ بٹالہ کے پاس ایک گاؤں ونجواں کے رہنے والے تھے۔ زمیندارہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ زمین کم تھی اس لئے گزارہ تنگی سے ہوتا تھا۔ اور ۲۵ سال کی عمر ہو جانے کے باوجود شادی نہیں کر پائے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں جب جنگ عظیم ثانی شروع ہوئی تو کثرت سے لوگ فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ انہوں نے بھی سوچا کہ زمین کم ہے گزارہ مشکل سے ہوتا ہے کیوں نہ میں بھی فوج میں بھرتی ہو جاؤں۔ اس سے ایک میرا خرچ گھر سے کم ہو جائے گا دوسرے مجھے معقول آمدنی ہوگی تو شادی بھی کرلوں گا اور اپنا گھر بسا لوں گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے بھرتی کروانے والے ایک ایجنٹ سے رابطہ کیا۔ اور اس کو کہا کہ مجھے کسی اچھی لائین میں بھرتی کرادیں جس سے معقول آمد ہو۔ اس ایجنٹ نے کہا اس وقت واشرمین بھرتی کرنے کے لئے سرکار کی طرف سے آرڈر آیا ہوا ہے یہ بہت اچھی ملازمت ہے آرام دہ بھی ہے اور تنخواہ اچھی ہے۔ آپ ان پڑھ تھے پوری بات کو سمجھ نہیں پائے اور ہاں کر دی وہ شخص آپ کو جالندھر ساتھ لے گیا اور بھرتی کروا دیا۔ ابتدائی ٹریننگ کے بعد جب آپ کو کپڑے دھونے کے کام پر لگایا گیا تو تب آپ کو معلوم ہوا کہ میرے ساتھ ایجنٹ نے دھوکہ کیا ہے بہر حال مجبوراً آپ اس کام میں لگے

رہے اور دیگر افراد سے کام سیکھ کر خود بھی ایک اچھے ماہر دھوبی بن گئے۔ چھ سال سروس کے بعد جب جنگ بند ہوگئی تو گورنمنٹ نے فوجی عملہ کو فارغ کر واپس گھروں کو بھجوا دیا چوہدری سردار محمد صاحب بھی ۱۹۴۷ء کے شروع میں ملٹری سے فارغ ہو کر گھر لوٹ آئے۔ چند ماہ گھر گزارنے کے بعد آپ نے سوچا کہ قادیان میں خدمت کے لئے خدام کو بلایا جا رہا ہے میں یہاں فارغ ہی تو ہوں کیوں نہ میں قادیان جا کر کوئی خدمت کروں اس خیال کے آنے پر آپ قادیان چلے آئے۔ اور قادیان سے پوری آبادی کے انخلاء تک مختلف محلہ جات میں پہرہ کی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو ۳۱۳ درویشان میں آپ قادیان میں رہ پڑے۔ اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضور انور کے ارشاد مبارک پر قریباً سب درویشان کی شادیاں خداتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوگئیں مگر صرف دو افراد۔ مکرم چوہدری سردار محمد صاحب ونجواں اور مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب سیالکوٹی کی شادیاں نہیں ہو پائیں۔ آپ محنتی آدمی تھے اور اپنا کام خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ ۱۹۸۱ء کے آخر میں ہی آپ کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی اپنے کمرہ میں پڑے رہتے کوئی آتا جاتا تو اس کو بھی ناپسند کرتے۔ جنوری ۸۲ء میں زیادہ کمزور ہو گئے اور مسلسل بخار بھی رہنے لگا۔ تب آپ کی خدمت بھی دیگر بزرگ درویشان کی طرح خدام کے سپرد ہوئی۔ احمدیہ شفاخانہ سے علاج جاری رہا مگر طبیعت مائل بہ انحطاط رہی اور فروری کی دس تاریخ کو انہیں بلاوا آگیا اور آپ نے اس پر لبیک کہتے ہوئے اپنی زندگی جوان کے پاس بطور امانت چلی آرہی تھی امانت دار کے سپرد کردی اور جسم خاکی جو زمین کی امانت تھا قادیان کی مقدس سرزمین کے سپرد کرنے کے لئے باقی چھوڑ کر خود خداتعالیٰ کی جنتوں کو سدھار گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ نمازوں کے بڑے پابند تھے۔ طبیعت کی خرابی اور کمزوری کے باوجود

بڑی مستعدی سے مسجد میں نماز پڑھنے آیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین

درویشانہ زندگی میں جب بعض اور درویشان نے مختلف کام کر کے اپنا گزارہ چلانا شروع کیا تو آپ بھی لانڈری کا کام کھول کر اپنے گزارہ میں خود کفیل ہو گئے۔ کم وبیش ۲۰ سال تک آپ نے یہ کام کیا پھر عمر کے تقاضا کے تحت یہ کام چھوڑ دیا اور درویشانہ گزارہ پر انجمن کی طرف سے گزارہ پانے والے عملہ میں شامل ہو گئے اور بطور مددگار کارکن متعدد دفاتر میں خدمت کرتے رہے۔ دفتر کے بعد فارغ اوقات میں صرف کپڑے پریس کرنے کا کام کرتے تھے جس سے کچھ مزید آمد ہو کر گزارہ آسانی سے ہوتا تھا۔

مکرم نور محمد صاحب پونچھی ولد فضل احمد صاحب

آپ ضلع ہزارہ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ درزی کا کام جانتے تھے ۱۹۳۹ء میں ملٹری میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب جنگ بند ہو جانے پر ملٹری میں چھانٹی ہوئی تو یہ بھی ملٹری سے ریلیز ہو کر واپس آ گئے تھے۔ کشمیر میں ان کا گاؤں نہایت معمولی سا گاؤں تھا۔ وہاں ان کا کام اچھی طرح نہیں چل سکا۔ ان کے بڑے بھائی شیر محمد صاحب پونچھی قادیان میں دفتر تحریک جدید میں مددگار کارکن تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ان کے بڑے بھائی شیر محمد صاحب نے اپنے آپ کو قادیان میں بطور درویش رہنے والوں میں پیش کر دیا تھا۔ نور محمد صاحب نے بھی اپنے گاؤں کی نسبت قادیان کو پسند کیا اور مؤرخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء کو قادیان آنے والے قافلہ میں قادیان آ کر درویشوں میں شریک ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں جب دفاتر کی تنظیم نو ہوئی تو انہیں بھی بطور مددگار کارکن دفاتر میں خدمت کا موقعہ ملا۔ دفتر ٹائم کے علاوہ آپ ٹیلرنگ کے کام سے بھی کچھ نہ کچھ کما لیا کرتے تھے۔ یہاں پر انہوں نے ایک بہت ہی اچھی سلائی کی مشین خریدی ہوئی تھی۔ اپنے وطن میں ان کی شادی بھی تھی مگر اس سے نباہ نہیں ہو سکا اور علیحدگی عمل میں آ چکی ہوئی تھی۔ قادیان آنے کے بعد بھی قریب ۲۵ سال کا زمانہ بیت گیا ان کی شادی نہیں ہو پائی۔

۱۹۷۰ء میں سردیوں کا موسم تھا۔ مسجد اقصیٰ میں فجر کی نماز مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری نے پڑھائی اور بعد میں درس دے کر جب اٹھ کر چلنے لگے تو نور محمد صاحب نے کہا مولوی صاحب آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ مولوی

صاحب متوجہ ہوئے تو بتایا کہ میں نے دیکھا ہے میں اپنا لباس پھاڑ رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے سن کر کہا کہ کچھ صدقہ کر دینا اور دعا بھی کرنا ہم بھی دعا کریں گے اگر کوئی ابتلاء ہے تو اللہ تعالیٰ ٹال دے۔ اور اٹھ کر چل پڑے میں نے نور محمد صاحب سے کہا کہ نور محمد صاحب اس خواب کی تعبیر مجھے آتی ہے۔ میں مسجد سے باہر جا کر بتاؤں گا وہ میرے ساتھ چل پڑے اور محترم مولوی محمد حفیظ صاحب اور چند اور دوست بھی ساتھ ہو لئے جہاں آج کل نمائش ہال ہے یہاں ایک باغیچی ہوا کرتی تھی یہاں آکر میں نے نور محمد صاحب کو بتایا کہ آپ صدقہ ضرور کریں خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کی شادی ہو جائے گی۔ دوست ہنس دیئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اس واقع پر ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ نور محمد صاحب میرے پاس آئے اور ذکر کیا کہ میرے لئے فلاں مقام سے رشتہ آیا ہے میں نے کہا آپ فوراً ہاں کہہ دیں چنانچہ یہ رشتہ طے پا گیا اور چند ماہ میں شادی بھی ہوگئی۔ ان کی شادی پر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک روز نور محمد صاحب میرے مکان پر آئے اور کہنے لگے کہ میں نے ایک اور خواب دیکھا ہے۔ آپ سن کر تعبیر بتائیں انہوں نے بتایا کہ میں نے دیکھا ہے میں روپے بانٹ رہا ہوں اور میری اہلیہ رو رہی ہے میں نے کہا نور محمد صاحب کل فجر کی نماز میں مسجد اقصیٰ میں آجانا وہاں درس کے بعد مکرم مولوی حفیظ صاحب کے سامنے میں تعبیر کروں گا چنانچہ وہ اگلے روز حسب پروگرام فجر کی نماز پڑھنے مسجد اقصیٰ میں آگئے اور درس کے بعد مولوی صاحب سے عرض کیا کہ میری ایک خواب ہے اس کی تعبیر بتائیں اور خواب بیان کی مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ بتائیں آپ اب کیا تعبیر کرتے ہیں۔ میں نے کہا میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد ہو جائے گی اس کے بعد غالباً ۷/۶ ماہ گزرے ہوں گے کہ نور محمد صاحب کے ہاں دو جڑواں (توام) بچے پیدا ہوئے۔

نور محمد صاحب پونچھی کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا بھی عطا فرمایا۔ جو بچے توام پیدا ہوئے تھے وہ چند ماہ کے ہو کر فوت ہو گئے تھے۔ بعد میں پیدا ہونے والی بیٹیاں اور لڑکا اللہ کے فضل سے زندہ ہیں۔ بچیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ بیوہ بھی زندہ قادیان میں موجود ہیں لڑکے کی شادی ہونا باقی ہے۔ نور محمد صاحب کو ضیق النفس کا عارضہ لاحق تھا جس کا حملہ بار بار ہوتا رہتا تھا۔ علاج کے باوجود صحت کمزور ہوتی چلی گئی اور آخر درویشان کی نرسری میں تین کلیاں ایک نیم شگفتہ پھول اور ایک بیوہ کو چھوڑ کر یہ وجود دارِ فانی سے اُڑان بھر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

تاریخ وفات ۱۲-۱۰-۸۲ تدفین بہشتی مقبرہ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنی رضا کی جنت میں داخل فرمائے اور آپ کی اولاد کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم بہادر خان صاحب

ولد شادی خان صاحب ضلع سرگودھا

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خاکسار اور میرے والد بزرگوار صبح بہشتی مقبرہ سے دعا کر کے واپس آرہے تھے۔ جب ہم لنگر خانہ کے مغربی گیٹ کے سامنے پہنچے تو وہاں مکرم کیپٹن شیر ولی صاحب (عرف بابا شیر ولی صاحب) کھڑے تھے۔ والد صاحب کو دیکھ کر گویا ہوئے بھائی عبدالغنی کہاں چھپے رہے ہو میں نے تو آج ہی دیکھا ہے۔ والد صاحب نے کہا میں انتظام بیرون میں تھا ابھی چند روز ہوئے بورڈنگ سے اندرنی ایریا میں آیا ہوں۔ پھر ہاتھ پکڑ کر سامنے والے مکان میں لے گئے۔ اسی مکان میں بابا شیر ولی صاحب کی رہائش تھی۔ چند منٹ بات چیت ہوتی رہی تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان داخل ہوا۔ بابا شیر ولی صاحب نے کہا بھاؤ آج کیا بنایا ہے۔ اس نے بتایا کہ میں بہشتی مقبرہ گیا تھا وہاں سے تاندلہ اور چلائی کے پتے توڑ کر لایا تھا اس کا ساگ بنایا ہے اور لنگر خانہ کی دال روٹی تو ہے ہی مزید چائے بھی تیار ہے۔ بابا جی نے کہا پھر فوراً لے آؤ۔ وہ سب کچھ لے آیا اور ہم تینوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ پھر والد صاحب اور بابا شیر ولی صاحب اپنے ملٹری سروس کے زمانہ کی یادیں تازہ کرتے رہے۔ ازاں بعد ۱۵ نومبر تک اکثر ملاقات رہتی تھی اور میرے ساتھ بھی بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔

یہ نوجوان جو آپ کے پاس بطور اردلی کام کر رہے تھے۔ ان کا نام مکرم بہادر

خان صاحب تھا۔ ملٹری سروس میں بھی آپ کیپٹن شیر ولی صاحب کے ساتھ بطور اردلی متعین تھے۔ جب بابا شیر ولی صاحب ملٹری سے ریٹائر ہو کر قادیان آگئے تو اپنے اردلی بہادر خان صاحب کو بھی بڑا اعتماد تھا اور بہادر خان صاحب اپنے عمل اور کردار کے لحاظ سے تھے بھی اعتماد کے لائق۔ جب تک کیپٹن شیر ولی صاحب قادیان رہے مکرم بہادر خان صاحب ان کے ساتھ ہی وابستہ رہے۔ جنوری ۴۸ء میں بابا شیر ولی صاحب کے قادیان سے چلے جانے کے بعد مکرم بہادر خان صاحب بھی دیگر درویشان کے ساتھ پہرہ وغیرہ کی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ ۱۹۵۰ء میں دفاتر کی تنظیم نو ہونے پر مکرم بہادر خان صاحب کو بھی بطور مددگار کارکن مختلف دفاتر میں خدمت کا موقعہ ملا۔ ۱۹۵۵ء میں بڑی سخت بارشیں ہوئیں جس سے ایک سیلاب کی صورت پیدا ہوگئی اور بہت سے مکان بھی گر پڑے۔ بارش تھم نے پر تمام درویش وقار عمل کے ذریعہ سے مکانات کے ملبہ کو سنبھال رہے تھے اور جو حصہ بچ گیا تھا اس کو قابل رہائش بنانے میں مصروف تھے۔ احمدیہ چوک میں جس جگہ آج کل خاکسار کا مطب ہے اس کے اوپر دو منزلہ مکان تھا اس کو گرانے کا عمل جاری تھا مکرم بہادر خان صاحب بھی شریک وقار عمل تھے انہیں تختے پر ایک اینٹ لگ گئی جس سے زخم ہو گیا اور یہی زخم آخر کار جان لیوا ثابت ہوا۔

درویشوں کی شادیاں ۱۹۵۰ء میں ہونا شروع ہوگئی تھیں اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل و احسان تھا کہ دھڑا دھڑ شادیاں ہو رہی تھیں۔ مکرم ملک نذیر احمد پشاوری کا خصوصی طور پر خاکسار سے دوستی کا تعلق تھا ان کی شادی ۱۹۵۳ء تک نہیں ہوئی تھی۔ ان دنوں چوہدری عبدالقدیر صاحب انچارج رشتہ ناطہ تھے۔ ملک صاحب مجھے کہتے کہ چوہدری صاحب آپ کے گہرے دوست ہیں آپ انہیں کہیں تو بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ توجہ نہ دیں۔ ایک روز میں ملک صاحب کو ساتھ لے کر گیا اور

چوہدری صاحب سے کہا کہ آپ ان کے لئے خصوصی کوشش کریں۔ چوہدری صاحب نے کہا آپ بیٹھیں میں فائل دیکھتا ہوں ابھی کل ہی ایک خط آیا ہے جس میں دو بچیوں کے رشتہ کے لئے کوائف آئے ہیں۔ فائل دیکھنے پر معلوم ہوا کہ مونگھیر بہار سے دو لڑکیوں کے کوائف آئے ہیں اور وہ دونوں کی ایک ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ دوسرا شخص ملک صاحب کا ہم زلف ہوگا۔ بہتر ہے کہ ملک صاحب قابل شادی درویشان میں سے ایسے شخص کو خود پسند کرلیں جس سے رشتہ داری نبھانا انہیں پسند ہو اس پر میٹنگ برخاست ہوئی۔ چار روز بعد مکرم ملک نذیر احمد صاحب مکرم بہادر خان صاحب کو ساتھ لے کر میرے پاس آئے کہ یہ بھائی میرے ہم زلف ہوں گے۔ میں ان دونوں کو لے کر مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ ان دونوں کے لئے مونگھیر کے رشتوں کے لئے تحریک کردیں۔

دس روز کے اندر اندر مثبت جواب آگیا اور شادیوں کی تیاری شروع ہوگئی۔

ان دنوں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے شادی کرنے والے درویش کو ایک ٹکٹ جانے اور واپسی پر دو ٹکٹوں کا کرایہ اور ۱۲۵ روپے نقد بطور امداد شادی ملا کرتے تھے۔ بعض بھائیوں کے حالات میں میں نے بتایا ہے کہ قادیان میں درویشان حلقہ ناصر آباد کو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے کچھ گزارا بھی ملتا تھا۔ اور ابتدائی طور پر زیادہ شادیاں اسی حلقہ کے خدام اور انجمن کے گریڈز کارکنان کی ہی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں بھی حلقہ ناصر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ چند روز ضروری تیاری اور زادِ راہ مہیا ہو جانے پر روانگی کا پروگرام طے ہوگیا۔ یہ دونوں بھائی مصر تھے کہ آپ دونوں امرتسر تک ساتھ جا کے ہماری سیٹیں ریزرو کروا کر ہمیں رخصت کر کے آئیں لہٰذا خاکسار اور مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب ان کے ہمراہ امرتسر تک گئے۔ وہاں ہوڑہ میل پر امرتسر تا کیول ان کی سیٹوں پر بٹھا کر گاڑی روانہ ہونے تک وہاں

ٹھہرے رہے۔ ان دنوں کوکا کولا نئی نئی مارکیٹ میں آئی تھی۔ عام سوڈے کی بوتلیں لیمن وغیرہ چار پانچ آنے میں مل جاتی تھیں۔ مگر کوکا کولا ڈیڑھ روپیہ میں ایک ملتی تھی۔ ان دونوں نے شادی کی خوشی میں چار بوتلیں خرید کر ایک ایک ہمیں پلائی اور ایک خود پی ہوڑہ امرتسر سے شام ۷ بجے نکلتی تھی اور اس کے بعد قادیان آنے کی کوئی ٹرین یا بس نہیں تھی ہم کو رات امرتسر ہی گزارنا تھی۔ مکرم ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب نے احمدیہ ٹریڈنگ کمپنی کے نام سے ایمپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ ان کا دفتر گنڈاں والے بازار امرتسر میں تھا۔ سٹیشن سے فارغ ہو کر ہم رات گزارنے وہاں چلے گئے اور اگلے روز صبح پہلی ٹرین جو فجر کو پانچ بجے روانہ ہو کر صبح ۸ بجے قادیان آجاتی تھی واپس آگئے۔ چند روز بعد یہ جوڑا بیویاں ساتھ لے کر قادیان آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو اولاد کی نعمت سے بھی وافر حصہ عطا کیا۔ آپ کی یادگار پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مکرم بہادر خان صاحب کو ٹخنے پر چوٹ آئی تھی۔ ہر ممکن علاج کے باوجود یہ زخم بڑھ کر ہڈی کو بھی متاثر کر گیا اور جب زخم ٹھیک ہوا تو ٹخنہ جام ہو چکا تھا جس کی وجہ سے چلنے میں ایک حد تک لنگڑا کر چلنا پڑتا تھا۔ قادیان میں ایک شخص اننت رام ہوا کرتے تھے ان کے پاس پتھر کے کوئلے کا ڈپو تھا۔ انہوں نے قادیان چھوڑ کر حصار جانے کا پروگرام بنا لیا اور کوئلہ کا ڈپو چھوڑ دیا۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس ڈپو کو بذریعہ قرعہ اندازی الاٹ کرنے کا اعلان ہوا۔ جماعت کی طرف سے بھی پانچ چھ درویشان کی درخواستیں اس قرعہ اندازی کے لئے دی گئیں قرعہ کے نتیجہ میں یہ ڈپو حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو الاٹ ہوگیا۔

قادیان میں ایک ایسا وقت بھی مالی تنگی کا آیا کہ صدر انجمن احمدیہ کو اپنے کارکنان کو تنخواہ تک دینے میں مشکل پیش آگئی اور درویشان میں یہ تحریک کی گئی کہ جو

افراد خود کوئی کام کر کے اپنا گزارہ چلا سکتے ہوں وہ ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنا کام کریں تا انجمن کے بجٹ سے بار کم کیا جا سکے اس تحریک پر ۶۰/۱۵۰ افراد انجمن سے اپنا گزارہ بند کر کے خود کمانے لگے تھے۔ دس بارہ درویشوں نے مل کر ایک لمیٹڈ کمپنی بنائی تھی جو کھڈی کا کپڑا تیار کر کے گورنمنٹ کے کھڈی بھنڈار کو سپلائی کرتی تھی۔ مکرم بہادر خان صاحب بھی اس کے ممبر تھے۔ یہ کمپنی چند سال جاری رہی اور آخر فیل ہو گئی۔ اس میں کام کرنے والوں کو دیگر کاموں میں ایڈجسٹ کرنا تھا۔ مکرم بہادر خان صاحب کو حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے نام پر چلنے والے کوئلہ ڈپو میں بطور سیل مین رکھ لیا گیا۔ آپ قریب ۲۵ سال اس خدمت پر رہے اور باحسن اس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ جب ڈپو کا کام بند ہو گیا اور گورنمنٹ نے ڈپو بند کر دیئے تو مکرم بہادخان صاحب کو بطور مددگار کارکن نظارت امور عامہ میں لگایا گیا۔ اس دفتر میں چند ماہ کام کیا مگر ان کے ٹخنے پر جو چوٹ آ چکی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے زیادہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ دفتر میں بہرحال کام کرنا ہوتا تھا جس کی وجہ سے ٹانگ اور ٹخنے میں درد بڑھ گئی۔ دفتر کی ڈیوٹی سے انہیں سبکدوش کر دیا گیا اور جو گزارہ انہیں مل رہا تھا وہ بطور پنشن انہیں جاری رکھا گیا۔ یہی تکلیف بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ گئی کہ آپ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ لیٹے لیٹے آخری مرحلہ پر فالج کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور آپ کئی سالوں تک اسی حالت میں چارپائی پر رہے۔ بڑے صابر شاکر تھے۔ اس لمبی بیماری کو بڑے صبر اور سکون سے گزارا۔ میں اس موقعہ پر آپ کی اہلیہ اور بچوں کی خدمت کی تعریف کئے بنا نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے کمال درجہ کی محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے والد کی دن رات خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنائے۔

مؤرخہ ۱۵-۱۰-۸۲ کو کارکنان قضاء قدر آپ کی آمد کے منتظر تھے آپ نے عین وقت مقررہ پر نوشتہ تقدیر کو لبیک کہا اور اس زندگی میں جس وجود کو چلنے کی ہمت نہ تھی اپنے مالک کے حضور جاتے ہوئے لا متناہی فاصلہ چند منٹوں میں طے کر گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب گجراتی

آج سے بیس سال قبل ماہ مارچ ۱۹۸۴ء کی ایک حسین دوپہر تھی۔ عصر کی نماز کا وقت ہوا ہی چاہتا تھا۔ میں وقت سے کچھ قبل ہی مسجد کے لئے روانہ ہو پڑا۔ جب میں مسجد مبارک کے سامنے والے آہنی گیٹ کے پاس پہنچا۔ تو محترم مولوی شریف احمد صاحب امینی بھی جو اپنے گھر سے مسجد کے لئے آرہے تھے مجھے مل گئے ہم دونوں ابھی گیٹ پر ہی تھے کہ مہمان خانہ کے گیٹ کے سامنے والے مکان سے یکدم رونے کی آواز آئی۔ ہم دونوں فکرمند ہوئے اور ایک نوجوان کو دوڑایا کہ معلوم کر کے آئے کہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ مکرم چوہدری شریف محمد صاحب گجراتی وفات پا گئے ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ میں نے تو انہیں نماز ظہر کے بعد بازار سے آتے ہوئے دیکھا۔ یہ اچانک کیا ہو گیا۔ میں خود ان کے مکان پر پہنچا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مرحوم کی ڈیوٹی آجکل صدر انجمن احمدیہ کی جائیدادوں کے کرایہ جات وصول کرنے کی تھی اور آپ تھوڑی دیر قبل بازار سے کرایہ جات وصول کر کے گھر آئے تھے۔ آتے ہی وصول یابی کا حساب تیار کیا اور اپنے بیٹے اکرام صاحب کو کہا کہ یہ کاغذ رکھو میں کل صبح دفتر کھلتے ہی یہ رقم جمع کرا دوں گا۔ اور خود بیت الخلاء میں چلے گئے۔ واپس آئے تو حالت غیر ہو رہی تھی۔ مکرم محمد اکرام صاحب نے چارپائی پر لٹایا اور خود ڈاکٹر کیدار ناتھ کو بلانے چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے آنے سے قبل ہی آپ اس دنیا سے ناطہ توڑ کر خدا تعالیٰ کی ابدی جنتوں کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

چوہدری محمد شریف صاحب گجراتی ولد میراں بخش صاحب موضع شیخ پور ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ آپ نے گاؤں میں ہی معمولی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر اپنے والد صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام میں مدد کرنے لگے۔ اس وقت جنگ عالم گیر ثانی شروع ہو چکی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ اس تحریک پر چوہدری محمد شریف صاحب بھی ملٹری میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں جنگ بند ہونے پر فوجی ملازمت سے فارغ ہو کر واپس آگئے۔ ۱۹۴۷ء میں جب پنجاب میں آزادی سے قبل ہی فسادات بھڑک اٹھے تھے اور ہزاروں مسلمان بے گھر ہو کر قادیان میں پناہ گزین ہو گئے تھے قادیان میں سرکاری طور پر پناہ گزینوں کا کوئی کیمپ نہ تھا ان افراد کے لئے قوت لایموت کی حد تک جماعت احمدیہ انتظام کرتی تھی۔ چونکہ اس قدر زیادہ تعداد کو سنبھالنے کے لئے جس قدر عملہ درکار تھا وہ صرف قادیان کے خدام میں سے میسر نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے حضرت المصلح الموعودؓ نے جماعت ہائے احمدیہ پنجاب میں بھی تحریک کی تھی کہ نوجوان وقف کر کے قادیان آئیں۔ مکرم چوہدری محمد شریف صاحب بھی اس تحریک پر قادیان آگئے۔ یہاں مختلف مقامات پر ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ ان کی طبیعت بڑی سنجیدہ تھی۔ اپنے مفوضہ فرائض کو بڑی ذمہ داری اور عمدگی سے ادا کرتے تھے۔ ملک تقسیم ہو کر آزاد ہو گیا۔ فسادات کی آندھی آئی اور گزر گئی۔ جانے والے چلے گئے۔ سروں کا نذرانہ پیش کرنے والے قادیان میں مقیم رہ گئے۔ قادیان میں رہ پڑنے والے جملہ افراد کا کھانا لنگر خانہ میں ہی تیار ہوتا اور تقسیم ہوتا تھا۔ اس احتیاط کے طور پر کہ روزیہ امر چیک ہوتا رہے کہ آیا کوئی فرد کھانا لینے سے محروم تو نہیں رہ گیا۔ کھانا حاصل کرنے کے لئے ٹین کے ٹوکن تیار کئے گئے تھے۔ جو لنگر خانہ کے گیٹ کے باہر ایک کمرہ میں بورڈ پر لٹکے رہتے تھے۔ چوہدری محمد شریف

صاحب کی یہ ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ وہاں موجود رہیں اور جو درویش کھانا لینے جائے اس کو اس کا ٹوکن بورڈ میں سے اتار کر دے دیں۔ یہ ٹوکن کھڑکی پر جمع کرا کر ایک کس کا کھانا حاصل کیا جا سکتا تھا اس طرح جو ٹوکن آخر پر رہ جاتے ان کا پتہ کیا جاتا کہ آیا یہ درویش بیمار تو نہیں ہے کس باعث اس کا کھانا نہیں گیا۔ کئی سال تک یعنی ۱۹۵۲ء تک آپ یہ ڈیوٹی ادا کرتے رہے۔ بعد میں درویشان کی شادیاں ہو جانے اور کچھ پاکستان سے آجانے کے باعث حالات تبدیل ہو گئے تھے اور یہ سسٹم بند کر دیا گیا۔

درویشان کی شادیاں شروع ہوئیں تو پہلی چار شادیاں قادیان میں آئے ہندوستانی (یو پی سے) خاندانوں میں ہو گئی تھیں۔ چوہدری محمد شریف صاحب کی شادی بھی بہار میں بھاگلپور میں ہوئی۔ اور اس کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ اسی گھرانہ کی دو مزید بچیاں بھی درویشان سے بیاہی گئیں اور آخر پر یہ پورا گھر بہار سے ہجرت کر کے قادیان آبسا۔ چوہدری محمد شریف صاحب کی اہلیہ کی چھوٹی بہن مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کے عقد میں آئیں اور ان سے چھوٹی مکرم غلام قادر صاحب ڈار کے عقد میں آئیں۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب مکرم چوہدری محمد شریف صاحب اور آپ کی اہلیہ وفات پا چکی ہیں۔ باقی دونوں بہنیں اور مکرم غلام قادر صاحب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حین حیات ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔

چوہدری محمد شریف صاحب بڑے کفایت شعار تھے۔ آپ نے اپنی محدود کمائی میں سے بچت کر کے اچھی خاصی جائیداد پیدا کی۔ اور ۱۲ مارچ ۱۹۸۴ء کو وفات پا کر بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

آپ کے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ آپ کے والدین بھائی اور بہن سب وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائے تھے۔ سب شادی شدہ صاحب اولاد ہیں دعا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے آمین

مکرم قریشی سعید احمد صاحب

ولد قریشی عبدالکریم صاحب قادیان

ابتدائی درویشان میں سے تھے اور حلقہ مبارک درویشان سے تعلق رکھتے تھے یہ کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے کہ درویشان کے چار حلقہ جات تھے۔

(۱) حلقہ مسجد مبارک

یہ قادیان کی مقامی آبادی میں سے قادیان میں رہنے والے تھے۔ انہیں صرف لنگر خانہ سے مفت کھانا اور پانچ روپے ماہوار جنوری ۱۹۴۸ء سے ملنا شروع ہوئے تھے۔

(۲) حلقہ مسجد اقصیٰ

وہ خدام تھے جو مختلف جماعتوں سے چند ماہ وقف کر کے آئے ہوئے تھے انہیں ان کی آمد کی ڈیٹ سے لنگر خانہ سے کھانا اور متفرق خرچ کے لئے پانچ روپے ماہوار ملتے تھے۔

(۳)

وہ خدام جنہیں سلسلہ کی خدمت کے لئے لمبے عرصہ کے لئے بلوایا گیا تھا انہیں عام خادم کو پچاس روپے ماہوار اور ان کے نگران افراد کو ۸۰ روپے ماہور بالمقطع

گزارا ملتا تھا۔

(۴)

وہ کارکن جو صدر انجمن احمدیہ کے مستقل ملازم تھے اور اپنے اپنے گریڈ کی تنخواہ پاتے تھے۔ قریشی سعید احمد صاحب اپنے حلقہ کے دیگر درویشان کے ساتھ اپنے مفوضہ فرائض ادا کرتے رہے۔ دفاتر کی تنظیم نو میں مددگار کارکن کے طور پر خدمت کرتے رہے اور جب صدر انجمن احمدیہ نے بجٹ پر بار کم کرنے کی خاطر درویشان میں تحریک کی کہ وہ کوئی اپنا کاروبار کر کے اپنا گزارہ خود چلائیں اس طرح بجٹ پر بار کم ہو جائے گا۔

کئی اور درویشان کی طرح قریشی سعید احمد صاحب نے بھی فارغ ہو کر روئی دھننے کی مشین لگا کر روزی کمانا شروع کیا تھا اور درویشان کی شادیوں کی اجازت آجانے پر آپ کی شادی یوپی کے ایک شہر کرہل میں مکرم منشی عبدالحفیظ صاحب کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ کرہل ضلع اٹاوہ کی تحصیل ہے اور کانپور کے قریب ہے۔ ان کی یہ اہلیہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ٹی بی کے عارضہ میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ آج کل اس بیماری کا شافی علاج دریافت ہو چکا ہے۔ اس وقت ابھی ایسا موثر علاج میسر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ وہ چند سال علیل رہ کر وفات پا گئی تھیں۔ کچھ عرصہ تجرد میں گزارنے کے بعد آپ کی دوسری شادی ضلع انبالہ کے ایک گاؤں میں تلاکور میں مکرم حکیم محمد رمضان صاحب کی نواسی سے ہوئی۔ یہ شادی ان کے لئے بڑے سکون اور برکت کا باعث ہوئی۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے عطا فرمائے۔ یہ سب شادی شدہ صاحب اولاد اور اپنے گھروں میں خوش وخرم زندگیاں گزار رہے ہیں۔ دونوں بیٹے صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں ہیں۔ اور مختلف شعبہ جات میں

خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

فارغ ہو کر آپ نے روئی دھننے کی مشین لگا کر جو کام شروع کیا تھا یہ کام چل نہیں پایا۔ کیونکہ یہ صرف سردیوں کے سیزن کا کام تھا۔ گرمیوں میں کام نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا۔ اس لئے آپ کام چھوڑ کر صدر انجمن احمدیہ کے گزارہ پر آگئے تھے۔ چند سال قبل آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ بروقت طبی امداد میسر آجانے سے آپ کا بائی پاس اپریشن ہو کر صحت بحال ہو گئی تھی۔ اور آپ معمول کی زندگی گزار رہے تھے۔

۱۹۸۴ء میں گورنمنٹ نے یکدم سارے پنجاب میں غیر معینہ وقت کے لئے بڑی سختی سے کرفیو لگا دیا۔ یہ کرفیو کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ اس دوران قریشی سعید احمد صاحب پر دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا۔ اور قبل اس کے کہ آپ کو کوئی طبی امداد مل پاتی آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ایک ہنستے کھیلتے باغیچہ کو چھوڑ کر رفیق الاعلیٰ کی ابدی جنتوں کو سدھار گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند درجات سے نوازے اور ان کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ کی خدمت کرتے ہوئے اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وفات مؤرخہ ۲۳ جون ۱۹۸۴ء تدفین بہشتی مقبرہ مؤرخہ ۲۴ جون ۱۹۸۴ء۔

مکرم مرزا عبدالطیف صاحب

ولد مرزا مہتاب بیگ صاحب قادیان

مسجد مبارک کے سامنے احمدیہ بازار میں مدرسہ احمدیہ کی عمارت کے شمال مغربی کونہ میں ایک بڑی سی دوکان ہوا کرتی تھی۔ جو اب نہیں ہے۔ اس کی جگہ اب مکرم محمد نعمان صاحب، ہلوی کاٹی سٹال اور خواجہ احمد حسین صاحب کی ٹیلرنگ کی دوکان ہے۔ اس دوکان میں مکرم مرزا مہتاب بیگ صاحب کا درزی خانہ ہوا کرتا تھا اور اس میں چار پانچ کاریگر ہمیشہ کام میں مشغول ہوا کرتے تھے۔ مکرم مرزا عبدالطیف صاحب بھی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اسی درزی خانہ میں کام کرتے تھے۔ جنگ عالمگیر ثانی میں جب ملک میں کپڑے کی سخت مہنگائی ہو گئی تھی تو گورنمنٹ نے سستے کپڑے کے ڈپو بھی شہر اور قریہ میں کھول دیئے تھے۔ مرزا مہتاب بیگ صاحب کو بھی سستے کپڑے کا ڈپو الاٹ ہوا تھا۔ اس ڈپو کا تمام تر کاروبار مکرم مرزا عبدالطیف صاحب ہی چلایا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں اگرچہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس جلسہ سالانہ اور لنگر خانہ کی معمول کی ضروریات کے لئے پانچ ہزار بوری گندم کا سٹاک موجود تھا۔ مگر جو اریا ہمارے قبضہ میں تھا۔ ان گھروں میں بھی گندم چاول گھی تیل دالوں وغیرہ کا سٹاک موجود تھا۔ یہ سارا سٹاک اکٹھا کر کے مرزا گل محمد صاحب کے مکان (آج کل اس میں نصرت گرلز ہائی سکول ہے) میں جمع کر لیا گیا تھا۔ اور اوّل طور پر اسی سٹاک میں سے لنگر خانہ کی روزمرہ کی ضروریات کے لئے راشن دیا جاتا تھا۔ اس سٹور کے انچارج ملک حشمت اللہ صاحب برادر خورد مکرم ملک صلاح الدین صاحب تھے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو جب ملک حشمت اللہ صاحب قادیان سے جا رہے تھے تو آپ نے وقتی طور پر اس سٹور کا چارج مکرم مولوی غلام احمد صاحب ارشد کو دے دیا تھا۔ دو چار روز بعد مکرم مرزا عبدالطیف صاحب محترم ناظر صاحب اعلیٰ کا حکم لے کر آئے کہ اس سٹور کا چارج انہیں دے دیا جائے۔ اس پر مولوی غلام احمد صاحب راشد نے یہ سٹور مکرم مرزا عبدالطیف صاحب کے چارج میں دے دیا۔ اور جب تک یہ سٹاک رہا مرزا صاحب اس کے سٹور کیپر کے طور پر کام کرتے رہے۔

لنگر خانہ اوّل طور پر ناظر صاحب ضیافت کی نگرانی میں تھا۔ بعد میں صدر انجمن احمدیہ نے لنگر خانہ نظارت علیا کے تحت کر دیا اور افسر لنگر خانہ الگ مقرر کر دیا گیا۔

۱۹۵۲ء میں خاکسار کا تقرر بطور افسر لنگر خانہ ہوا۔ اس وقت مکرم مرزا عبدالطیف صاحب سٹور کیپر اور مکرم مرزا محمد زمان صاحب کلرک دفتر لنگر خانہ تھے۔ یہ انتظام ۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء تک رہا۔ ازاں بعد خاکسار کو بطور ناظم جائیداد مقرر کر دیا گیا۔ اور لنگر خانہ میں افسر لنگر خانہ کی آسامی بند کر کے نگران لنگر خانہ مقرر کر دیا گیا۔ اور پہلا نگران لنگر خانہ مرزا عبدالطیف صاحب کو مقرر کیا گیا۔ وہ کئی سال تک اس خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ بعد میں مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب کو محاسب کے ساتھ ساتھ افسر لنگر خانہ بھی مقرر کیا گیا اور مکرم ممتاز احمد صاحب ہاشمی نگران لنگر خانہ ہوئے اور ایک لمبا عرصہ خدمت کی توفیق پائی۔

مرزا عبدالطیف صاحب کو نگران لنگر خانہ سے تبدیل کر کے دفتر امارت مقامی میں ایمپرسٹ کلرک لگایا گیا جہاں آپ لمبا عرصہ خدمت بجالاتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں آپ مسلسل بخار میں مبتلا رہنے لگے جب یہ کیفیت باوجود علاج کے قابو میں نہ

آئی تو یہ سمجھ کر ٹی بی کا علاج گورداسپور سول سرجن صاحب کے مشورہ سے شروع کیا گیا۔ مزید ایک سال تک علاج جاری رہا مگر کوئی فائدہ نظر نہیں آیا اور آپ کمزور ہوتے چلے گئے۔ اس فکرمندی کی حالت میں لدھیانہ C.M.C ہسپتال سے رجوع کیا گیا۔ وہاں مختلف قسم کے ٹیسٹ ہونے کے بعد یہ رپورٹ ملی کہ ان کو T.B نہیں ہے غلط علاج ہو رہا ہے۔ لہٰذا ان کے مشورہ پر علاج شروع ہوا۔ بخار تو اتر گیا مگر صحت بحال نہیں ہوئی۔ کمزوری روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ چلنے پھرنے سے بھی معذو ہو گئے اور مرزا محمود احمد صاحب انہیں اپنے گھر لے گئے۔ انہوں نے اور آپ کی اہلیہ و بچوں نے مرزا عبدالطیف صاحب کی بہت خدمت کی۔ آپ ہر طرح علاج کے باوجود کمزوری میں بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ وقت مقدر آن پہنچا جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں اور آپ نے ۳۰ دسمبر ۱۹۸۴ء داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ تدفین بہشتی مقبرہ میں مؤرخہ ۳۱ دسمبر کو ہوئی۔

آپ نے سارا عرصہ درویشی تجرد کی حالت میں گزارا آپ کی اہلیہ اور بچے ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ آپ ویزا پر کئی مرتبہ پاکستان جا کر بچوں سے مل آتے رہے اور آپ کی اہلیہ بھی متعدد مرتبہ قادیان آ کر مل جاتی رہیں۔ مگر مستقل قیام کے لئے قادیان نہیں آئیں۔ آپ نے جن جن دفاتر میں بھی کام کیا نہایت ذمہ داری اور دیانت سے کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول فرمائے اور آپ کی اولاد کو بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

مکرم فضل الرحمٰن صاحب درویش مرحوم

سیالکوٹ ایک مردم خیز خطہ ہے۔ اس خطہ ارض نے بڑے بڑے مشاہیر اور اہل ہنر پیدا کئے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دعویٰ نبوت سے قبل اپنے والد بزرگوار کی خواہش کے پیش نظر سیالکوٹ شہر کو بغرض ملازمت اپنا مسکن بنانا پڑا۔ اسی قیام کی برکت تھی کہ جب آپ مامور ہوئے تو ضلع سیالکوٹ میں خاص طور پر آپ کے دعویٰ کو قبول کرنے کی خصوصی رو چلی۔ ابتداء میں ہی ضلع سیالکوٹ میں بڑی بڑی جماعتیں دیہاتوں قصبوں اور شہروں میں قائم ہو گئیں۔

تین گاؤں ساتھ ساتھ ملتے ہوئے واقع میں چندر کے، منگولے اور پولا مہاراں ان میں صرف ایک سڑک ہی حائل ہے۔ ورنہ آبادی ملی ہوئی ہے۔ یہاں بھی ابتداء میں ہی جماعت قائم ہو گئی تھی۔ ان تینوں گاؤں کے احمدی احباب کو ملا کر ایک جماعت کی شکل دی گئی تھی۔ موضع منگولے میں ایک بزرگ میاں روشن دین صاحب تھے جنہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے صحابہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ موضع منگولے میں گل کاری کا کام کرتے تھے۔ سن تاریخ تو یاد نہیں اندازہ ہے کہ آپ مع اہل و عیال ۱۹۳۵ء کے قریب ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے اور آپ نے محلہ دارالرحمت کے آخر میں شمالی جانب اپنا مکان بھی بنا لیا تھا۔ یہ مکان محلہ دارالرحمت کی شمالی جانب والی گلی کی شمالی رو میں تھا۔ بعد میں جب ایک نیا محلہ آباد کرنے کی سکیم بنی تو اسی گلی کو محلّہ دارالیسر اور دارالرحمت کی حدّ فاصل قرار دیا گیا۔ اس طرح اس گلی کی جنوبی جانب

والے مکانات کی لائن محلّہ دارالرحمت میں اور شمالی لائن محلّہ دارالیسر میں شامل ہو
گئی۔ محلّہ دارالیسر کی آبادی کی ابھی ابتداء ہی تھی۔

۱۹۴۵ء میں یہ سکیم بنی اور ایک سال میں کچھ لوگوں نے پلاٹ خرید کر فوری طور
پر کچے مکان ہی بنا کر اس میں رہائش شروع کر دی مسجد بھی ابھی کچی ہی تھی اور
صرف ایک بڑا کمرہ تھا۔ صحن کے گرد ابھی چار دیواری نہیں بنی تھی۔ مجھے بھی چند
مرتبہ اس مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کا موقعہ ملا۔ مکرم ملک خیر الدین
صاحب مرحوم درویش اور مکرم فضل الرحمٰن صاحب اس مسجد کے پکے نمازی تھے
کیونکہ ان کے مکانات قریب تھے۔

مکرم روشن دین صاحب نے اپنے بیٹے فضل الرحمٰن صاحب کی شادی مکرم
بابا نور احمد صاحب باورچی لنگر خانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی دختر محترمہ
اللہ رکھی صاحبہ سے کر دی تھی۔ یہ شادی لگ بھگ ۱۹۴۰ء میں ہوئی تھی اور اس کے دو
اڑھائی سال بعد مکرم حضرت روشن دین صاحب رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تھے۔
مکرم فضل الرحمٰن صاحب بھی گل کاری کا کام نہایت عمدگی سے کرتے تھے۔ ان
دنوں جلسہ سالانہ پر سالن کے لئے گلی پیالے پانی کے لئے گلی آبخورے اور وضو کے
لئے لوٹے اور پانی سٹاک کرنے کے لئے گھڑے اور مٹ تیار ہوا کرتے تھے۔ جلسہ
سالانہ پر ہزاروں برتنوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ جو سب احمدی احباب ہی بنا کر
پوری کرتے تھے۔ لنگر خانہ کے لئے تنور بھی درکار ہوا کرتے تھے۔ ۷۰/۸۰ تنور ہر
جلسہ پر لازمی طور پر استعمال ہوتے تھے۔ محترم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم تنور بنانے
میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور آپ کے بنائے ہوئے تنور نہایت عمدہ ہوا کرتے تھے۔
زمانہ درویشی میں بھی ابتداء سے ہی تنور بنانے کی خدمت مکرم فضل الرحمٰن صاحب
نے اپنے ذمہ لی تھی اور ۱۹۷۵ء تک بڑی ہمت اور عمدگی سے اس کو نبھاتے رہے۔

ازاں بعد کمی صحت کی بنا پر آپ نے معذرت کر دی تھی۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ عمدہ
چکنی مٹی تلاش کر کے لانا پھر اس کو مسخ وغیرہ ڈال کر کوٹ کر کما کر تیار کرنا بڑی مشقت
کا کام تھا۔

آپ کے معذرت کر دینے کے بعد یہ ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ میں خود اور مکرم
چوہدری عبدالقدیر صاحب مرحوم اس کا حل تلاش کرنے کے لئے پہلے ہم دڑے
والی گئے وہاں تین گھر نئے احمدیوں کے گل کاری کا کام کرتے تھے۔ ان سے بات
ہوئی۔ انہوں نے معذرت کر دی اور انہوں نے بتایا کہ بیاس ریلوے سٹیشن کے
پاس ایک پورا گاؤں ہے جو یہ کام کرتا ہے۔ ان میں سے ایک فرد کو ساتھ لے کر
بیاس گئے واقعی یہ پورا گاؤں ایک عظیم مارکیٹ ہے وہاں سے پتہ کیا وہ عام ہوٹلوں
میں استعمال ہونے والی چھوٹی تندوریاں بنا سکتے ہیں۔ ہندو بھائیوں کے ہاں
چھوٹی چھوٹی روٹیوں کا رواج ہے مگر لنگر خانہ میں بڑے سائز کی روٹی پکتی ہے
وہاں سے بھی مایوسی ہوئی پھر امرتسر جا کر یہ مسئلہ حل ہوا۔ اور تا آنکہ لنگر خانہ میں
گیس کے آہنی تنور آ گئے اور روٹی پکانے کی مشینیں بھی آ گئیں۔ تنور امرتسر سے ہی
فراہم کئے جاتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں چالیس کے قریب زخمی افراد بھی ہمیں ملے تھے۔ یہ غیر احمدی
افراد تھے اور زخمی ہو جانے کے باعث اہل قافلہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ہم ان
کی دیکھ بھال اور علاج کرتے تھے۔ ان کی دیکھ بھال پر میری ڈیوٹی لگا دی گئی تھی
میرے ساتھ اور جو درویش بھائی تھے ان میں مرحوم فضل الرحمٰن صاحب بھی تھے۔ یہ
زخمی زخموں کی تاب نہ لا کر دو چار روز میں ایک بعض اوقات دو ان میں سے وفات
پا جاتے۔ چونکہ یہ سب غیر احمدی تھے۔ ان کی تدفین عام قبرستان میں ہوتی تھی۔
ان کی قبر عام قبرستان میں تیار کر کے دفن کرنا بھی ہماری ڈیوٹی میں شامل تھا۔

ہمارے حزب میں سے تین افراد مکرم خواجہ دین محمد صاحب۔ مکرم مستری عبدالغفور صاحب اور مکرم فضل الرحمٰن صاحب کے اپنے ذمہ لحد کھودنے کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ جب بھی ضرورت پڑتی باقی چھ افراد گڑھا کھودتے اور پھر ان تین بھائیوں سے عرض کرتے کہ اب آپ کا کام باقی ہے یہ تینوں قبر میں اتر جاتے اور تھوڑی دیر میں ہی لحد تیار کر دیتے۔ اتنی دیر میں میت کو کفن دے کر وہاں لے آیا جاتا اور تدفین عمل میں آجاتی۔

مکرم فضل الرحمٰن صاحب بھی ان چند باہمت درویشان میں سے تھے جو بھینس پالنے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہے آپ کے گھر بھینس رہی۔ بھینس کے چارہ کے لئے کچھ کھیت ٹھیکہ پر لے کر چارہ بھی کاشت کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ چند افراد نے مل کر یہ پروگرام بنایا کہ فلاں شخص اپنی کچھ زمین فروخت کر رہا ہے ہم مل کر خرید لیں اور آپس میں اس کے حصے کر کے اپنے اپنے حصہ کی زمین پر چارہ بولیا کریں گے اس سے فائدہ رہے گا۔ چنانچہ مالک زمین سے سودا طے ہو گیا۔ اس وقت قادیان ابھی تحصیل نہیں بنا تھا۔ رجسٹریاں بٹالہ میں ہوتی تھیں۔ سب اپنی اپنی رقم لے کر بٹالہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بسوں میں بڑا رش تھا۔ بس آتے ہی دو ساتھی بس کی چھت پر چڑھ گئے اور دو افراد جن میں ایک فضل الرحمٰن صاحب تھے بس کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اندر جا کر جب اپنا اپنا جائزہ لیا تو مکرم فضل الرحمٰن صاحب کی جیب کٹ چکی تھی آپ کو یقیناً اس پر سخت افسوس ہوا ہو گا مگر طبیعت میں گونہ ظرافت بھی تھی آپ بس سے نیچے اتر آئے اور باقی ساتھیوں کو آواز دے کر کہا کہ سب آجاؤ جانے کی ضرورت نہیں رجسٹری ہو گئی ہے۔

آپ اچھے صحت مند تھے کوئی مہلک بیماری دامن گیر نہیں تھی ایک روز اچانک سینہ میں جکڑن کا احساس ہوا۔ مقامی طور پر احمدیہ شفا خانہ میں دکھایا گیا ڈاکٹر

صاحب نے امرتسر لے جانے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا فوری طور پر امرتسر لے جایا گیا۔ وہاں گورونانک ہسپتال میں چند روز داخل رہ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جنازہ قادیان لایا گیا اور مؤرخہ ۱۳-۹-۸۵ کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حضور بلند درجات عطا فرمائے آمین۔ گلشن احمد ان کی یادگار چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جو سب شادی شدہ ہیں۔ بڑے بیٹے مکرم مولوی سلطان احمد صاحب ظفر جامعۃ المبشرین کے پرنسپل ہیں۔ دوسرے بیٹے مکرم مولوی برہان احمد صاحب ظفر ناظر نشر و اشاعت ہیں۔ تیسرے بیٹے مکرم لقمان احمد صاحب ظفر بھی خادم سلسلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو مقبول خدمات کی توفیق دے۔ اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔

مکرم عبدالمطلب صاحب بنگالی

ولد مکرم دائم اللہ صاحب مرشد آباد بنگال

تیسری دیہاتی مبلغین کلاس جو ساری کی ساری درویشان میں شامل کر لی گئی تھی اس میں چالیس سٹوڈنٹ زیر تعلیم تھے۔ ان میں پانچ طلباء بنگالی تھے۔ مکرم عبیدالرحمٰن صاحب فانی۔ مکرم عبدالمطلب صاحب بنگالی۔ مکرم محمد عمر علی صاحب بنگالی۔ مکرم طیب علی صاحب بنگالی۔ مکرم مطہر علی صاحب بنگالی۔ ان میں سے مطہر علی صاحب کچھ عرصہ بعد واپس چلے گئے تھے۔ باقی چاروں آخر تک درویشی میں قائم ہیں۔ ان میں دو حین حیات ہیں۔ اور دو اپنا عہد وفا نبھا کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں آرام کر رہے ہیں۔

مکرم عبدالمطلب صاحب بڑے سادہ مزاج اطاعت شعار اور مستقل مزاج تھے۔ ۱۹۵۰ء میں جب اس کلاس کے سٹوڈنٹ کو تکمیل تعلیم کے بعد میدان عمل میں بھجوایا گیا تو مکرم عبدالمطلب صاحب کو بنگال میں متعین کیا گیا اور یہ سروس کے اختتام تک کئی جگہوں پر تعلیم و تربیت کی خدمات بجا لاتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں خاکسار اور مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب مرحوم کو ایک جماعتی کام سے کلکتہ جانا پڑا۔ ہمارا قیام قریب پندرہ روز وہاں رہا۔ وہاں ہمیں یہ مشکل پیش آئی کہ سارا دن پیاس لگی رہتی بار بار پانی پیتے کبھی چائے پیتے کہ پیاس کم ہو مگر پیاس پیچھا نہیں چھوڑتی تھی چار روز اسی طرح گزر گئے۔ چوتھے روز مغرب کی نماز میں دیکھا تو عبدالمطلب

صاحب مسجد میں موجود تھے ان سے ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے ہم سے پوچھا کہ آپ کو کوئی ضرورت تو نہیں؟ میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں ہم نے بتایا کہ ضرورت تو کچھ بھی نہیں ہے ہم پیاس کی وجہ سے سخت پریشان ہیں سن کر کہا یہ تو معمولی بات ہے ابھی ایک شخص کچے ناریل (اس کو بنگالی میں ڈاب کہتے ہیں) بیچ رہا تھا اس کو کہا وہ دو تھوڈاب دینا اس نے دو ناریل سوراخ کر کے ہمیں دے دیئے ہم نے ان کے اندر کا پانی پی لیا اور پیتے ہی طبیعت کو بڑا سکون مل گیا کہنے لگے یہی علاج ہے صبح شام ایک ایک ڈاب پی لیا کریں۔

دوسرے دن کہنے لگے چلیں آپ کو بنگال کے دیہاتی علاقہ کی سیر کرا لاؤں۔ ہم ساتھ ہو لئے آپ نے تین گاؤں ہمیں دکھائے اور وہاں کے احمدی احباب سے ملایا۔ وہ مرکز کے احمدی درویش بھائیوں سے مل کر بہت خوش ہوئے دوپہر کا کھانا ایک گاؤں میں خالص بنگالی طریق پر کھایا۔ مچھلی اور چاول بڑا مزا آیا تیسرے پہر ہم تینوں ڈائمنڈ ہاربر پہنچے۔ یہ سمندر کے کنارہ پر ہے اور سب سے پہلے انگریزوں نے اسی مقام سے تجارت کا آغاز کیا تھا اور آہستہ آہستہ پورے ہندوستان پر حاکم ہو گئے گویا ''آگ لینے آئی گھر والی بن گئی'' کی کہاوت ثابت ہوئے۔ یہاں اچھی جماعت احمدیہ ہے خوبصورت مسجد بھی ہے احباب سے ملاقات ہوئی بڑے خوش ہوئے مغرب کی نماز یہاں پڑھی اور رات کا کھانا بھی کھایا اور بذریعہ ٹرین کلکتہ واپسی ہوئی ہم نے اپنا کام ختم کر کے جلد واپس آنا تھا اس لئے مزید مقامات کی سیر نہیں کر سکے۔

مرحوم اپنی سروس ختم کر کے مع اہل وعیال قادیان آ گئے تھے کیونکہ آپ درویشان میں سے تھے اور بقیہ زندگی قادیان میں ہی گزارنا چاہتے تھے۔ مزید خاندانی حالات اس طرح ہیں کہ آپ کے والدین ابرہیم پور ضلع مرشد آباد کے

رہنے والے تھے۔ آپ چھ بھائی تھے والدین وفات پا چکے تھے۔ دو بھائیوں نے احمدیت قبول کی۔ تو تایا نے جو والدین کے بعد نگران اور گارڈین تھے۔ دونوں احمدی لڑکوں کو گھروں سے نکال دیا۔ والد صاحب کے چچیرے بھائیوں میں سے ایک چچا احمدی تھے۔ انہوں نے انہیں سنبھالا اور گاؤں کی حد تک تعلیم مکمل کروانے کے بعد دیہاتی مبلغین میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان بھجوادیا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد آپ چند سال قادیان میں مقیم رہے۔ اپنے شوق سے دفتر زائرین میں ڈیوٹی پر آجایا کرتے تھے نحیف الجثہ تھے مگر تھے چاق و چوبند۔ نمازوں میں باقاعدہ جملہ دینی کاموں میں بڑی مستعدی سے شامل ہونے والے بیس اکتوبر ۱۹۸۵ء کو لقوہ کا اٹیک ہوا فوری طور پر علاج سے دس بارہ دن میں طبیعت سنبھل گئی۔ ہسپتال سے گھر آگئے قریب چالیس روز بعد ایک روز نماز تہجد کے لئے بیدار ہوئے مگر کمزوری کی وجہ سے اٹھ نہیں سکے۔ آپ کے بیٹے نے اٹھ کر جلدی سے گردن کو سہارا دیا مگر آپ تو عالم بالا کے عظیم سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ چند منٹوں میں سرائے فانی سے رہا سہا تعلق بھی منقطع ہو گیا۔ ان للّٰہ و انا الیہ راجعون

مؤرخہ ۷ دسمبر ۱۹۸۵ء کو آپ داغ مفارقت دے گئے اور اسی روز بعد نماز عصر بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ آپ کی یادگار ایک بیوی اور پانچ لڑکے ہیں۔ آپ کی کوئی لڑکی نہیں ہے دو بیٹے مبلّغین میں اور ایک معلم کے طور پر خدمت بجالا رہے ہیں۔ دو بیٹے صدر انجمن احمدیہ کے مختلف اداروں میں خدمت کی سعادت پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم قریشی فضل حق صاحب

ولد مکرم قریشی کمال دین صاحب قادیان

۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کی رات بھی ایک عجیب رات تھی۔ یہ زمانہ درویشی کی پہلی رات تھی۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ اس گھپ اندھیری رات میں کچھ ہو گزرے۔ ایک خوف کا عالم تھا جو تمام فضاء میں چھایا ہوا تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہم درویشوں کے دل اس خوف سے خالی تھے۔ جو مرنا اپنے دل میں ڈال لیتا ہے تو تمام خوف ان سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ یہی حال ہمارا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ ہم ظاہری اسباب سے لاپرواہ ہو جاتے۔ پورے احمدیہ ایریا میں کڑا پہرہ ہوتا تھا۔ اس رات میری اور مکرم قریشی فضل حق صاحب کی ڈیوٹی رات بارہ بجے سے دو بجے تک تھی۔ قریشی صاحب سے میں نے یہ عرض کر دیا کہ آپ اس مقام پر کھڑے رہ کر دعائیں کرتے رہیں۔ جس قدر ایریا ہمارے لئے گشت کے لئے مقرر ہے میں اس میں گشت کرتا رہوں گا۔ یہ رات خدا تعالیٰ کے فضل سے پرامن گزر گئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رعب کی صورت میں نصرت اس طور پر آئی تھی کہ رات کو ہمارے ایریا سے مارے خوف کے کوئی بھی نہ گزرتا تھا۔ یہ میری مکرم قریشی صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔

مکرم قریشی فضل حق صاحب ضلع مظفر آباد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ احمدیت قبول کر لینے کی وجہ سے وہاں کے مقامی لوگوں نے آپ کی مخالفت میں اس قدر

شدت اختیار کی کہ آپ کی اہلیہ بھی چھین لی اور وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ مکرم قریشی محمد حنیف صاحب سائیکل سیاح قبل ازیں احمدیت قبول کر چکے ہوئے تھے اور آپ نے بھی علاقہ کشمیر کی بجائے پنجاب کو اپنے لئے پسند کر لیا ہوا تھا۔ مکرم قریشی فضل حق صاحب جب بے گھر ہو کر مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے قادیان آئے تو اس وقت موضع سیکھواں میں بچوں کو پڑھانے کے لئے ایک ٹیچر کی ضرورت تھی۔ آپ کا تقرر اس آسامی پر ہو گیا۔ گو یہ ایک عارضی نوعیت کی ملازمت تھی تاہم کچھ گزارہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ چند سال وہاں ملازمت کے بعد آزادی وطن اور تقسیم وطن کا سانحہ درپیش ہوا اور دیگر افراد ساکنینِ سیکھواں کے پاکستان ہجرت کر جانے پر آپ پھر قادیان آ گئے۔ اور جب درویشان قادیان کے لئے افراد کا انتخاب کیا گیا تو آپ بھی ان میں چن لئے گئے۔ زمانہ درویشی کے ابتدائی ۵ سال جو تجرد کی زندگی کے نہایت کٹھن سال تھے بیت گئے اور حضور انور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک پر بھارت سے ۱۰/۱۲ خاندان ہجرت کر کے قادیان آ گئے ان کے ہمراہ بچے بھی تھے ان بچوں کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے ابتدائی طور پر دو تین کلاس کے کورس کی حد تک ایک سکول کا اجراء کیا گیا جس کے مدرس مکرم قریشی صاحب مقرر ہوئے۔ پھر ضروریات بڑھنے کے ساتھ ساتھ سکول کا درجہ بڑھایا جاتا رہا اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب یہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہے۔ قریشی صاحب ریٹائر ہونے تک اس سکول سے وابستہ رہے۔ سکول ٹائم کے بعد محترم قریشی صاحب بچوں کو قرآن کریم بھی پڑھایا کرتے تھے۔

مکرم امیر احمد صاحب خادم مسجد مبارک ۱۹۴۷ء سے قبل سے اس خدمت پر مامور تھے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں کچھ دماغی ٹینشن ہو گئی تھی۔ اس لئے انہیں حضور انور کے ارشاد پر پہاڑی مقام پر بھجوایا گیا تھا۔ ہر سال گرمیاں وہ آسنور میں گزارتے

تھے۔ اس لئے خادم مسجد مبارک کی خدمت کی سعادت بھی مکرم قریشی صاحب کے حصہ میں آئی اور ایک لمبا عرصہ آپ یہ خدمت احسن طور پر ادا کرتے رہے۔ کئی بچوں کو اس عرصہ میں قرآن کریم پڑھایا اور چند لڑکوں کو ایک کلاس کی صورت میں اذان دینے کے لئے ٹرینڈ کرتے رہے اور جب یہ ٹرینڈ ہو گئے تو محترم مولانا شریف احمد صاحب امینی کو بلا کر ان بچوں کی اذان کا مقابلہ کرایا اور اول آنے والے بچہ کو انعام ملا۔

مکرم قریشی صاحب کی شادی مونگھیر میں ہوئی یہ شادی آپ کے لئے بڑی برکت کا موجب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اہلیہ سے آپ کو ایک لڑکا اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں۔ ایک بیٹی آپ کی اہلیہ کی سابقہ شادی سے موجود تھی۔ کل پانچ بچیوں کی تعلیم و تربیت آپ نے نہایت اچھے طریق پر کی یہ امر قابل تحسین ہے اللہ تعالیٰ اس کا آپ کو اجر عطا فرمائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیاں دیں اور اس نے ان کی اچھی تعلیم و تربیت کی وہ اللہ تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو گیا۔ قریشی صاحب نے تو پانچ بچیوں کی اچھی تعلیم و تربیت کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند درجات عطا فرمائے۔

۱۹۷۳ء میں آپ کو کاربنکل ہو گیا تھا اور حالت خاصی نازک ہو گئی تھی۔ جب آپ کو امرتسر گورونانک ہسپتال میں داخلہ کے لئے لے جایا جا رہا تھا تو آپ بار بار کہتے عامل صاحب آپ دعا کریں کہ میں صحت یاب ہو کر قادیان آ جاؤں۔ ایک بار پھر قادیان کے گلی کوچوں کو دیکھ لوں۔ بڑے فکر مند تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعائیں قبول فرمائیں اور آپ صحت یاب ہو کر قادیان آ گئے کمزوری کے باوجود آپ اپنی دوکان میں چارپائی ڈال کر بیٹھے رہتے اور بچوں کو قرآن کریم اور اردو پڑھاتے رہتے۔ کاپیاں، سیاہی، قاعدے، ٹافیاں، میٹھی گولیاں وغیرہ اشیاء بھی

دوکان میں رکھی تھیں۔ کچھ بک جاتیں کچھ بچوں کی ضیافت میں کام آجاتیں۔ آپ نے کبھی دوکان میں خسارہ کا رونا نہیں رویا۔ خوش رہتے کئی دفعہ میں گزر رہا ہوتا تو آواز دے کر بلاتے اور اپنے چندہ کی رسیدات جو بڑی ترتیب سے ٹیگ لگا کر رکھی ہوتی تھیں دکھاتے کہ میں چندہ باقی نہیں ہونے دیتا یہ دیکھیں رسیدیں۔

ایک رجسٹر رکھا ہوا تھا جس میں ہر روز کے وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات درج کرتے جاتے تھے۔ اور بڑی باقاعدگی سے سانحات محفوظ کرتے جاتے تھے۔ اب پتہ نہیں کہ آپ کی اولاد نے یہ رجسٹر سنبھالا ہوا ہے یا ضائع کر دیا۔

۱۹۸۶ء میں کمزوری بڑھ جانے پر دوکان پر بیٹھنا چھوڑ دیا تھا اور گھر پر ہی رہتے تھے۔ خوراک روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔ علاج کے لئے بڑی توجہ دی گئی۔ احمدیہ شفا خانہ کے علاوہ مقامی دیگر ڈاکٹروں سے بھی علاج کرایا جاتا رہا لیکن نہ تو خوراک بڑھی اور نہ کمزوری دور ہوئی۔ آخر حالت ایں جارسید کہ باتیں بھی اشارہ سے سمجھانے لگے۔ ایک روز اپنے بچوں کو چار انگلیوں سے کچھ اشارہ کرتے رہے جس کی بچوں کو سمجھ نہیں آئی۔ اور مؤرخہ ۲۴-۴-۸۶ کو آپ نے اپنے مکان پہ ہی نہایت خاموشی سے اپنا سفر آخرت طے کرلیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ اور اپنی رضا کی جنتوں میں داخل کرے اور آپ کی اولاد کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے اور انہیں بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ مؤرخہ ۲۵-۴-۸۶ کو بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مکرم مرزا محمود احمد صاحب

ولد مرزا کریم بیگ صاحب

مؤرخہ گیارہ مئی ۱۹۴۸ء کو جو قافلہ قادیان آکر درویشان میں شامل ہوا تھا اس میں زیادہ تر معمر بزرگ ہی تھے صرف چند نوجوان تھے۔ ان میں ہی مرزا محمود احمد صاحب تھے۔ آپ قادیان کے ہی رہنے والے تھے مگر قادیان میں درویشوں کے انتخاب کے موقعہ پر حاضر نہیں تھے۔ اس لئے آپ ابتدائی فہرست میں نہیں آسکے اور پھر جب رتن باغ سے گیارہ مئی کو قافلہ آرہا تھا کوشش کر کے اس میں شامل ہو کر قادیان آگئے۔ آپ باقاعدہ ورزش کرنے والے تھے جسم مضبوط اور پھرتیلا تھا روزانہ صبح تین میل لمبی دوڑ لگانا آپ کا معمول تھا درختوں پر بڑی پھرتی سے چڑھ جاتے تھے اسی وجہ سے آپ کا نام محمود احمد پہاڑی پڑ گیا تھا اور آپ نے اس کو اپنا لیا ہوا تھا۔ قادیان میں شروع درویشی میں مکرم سائیں عبدالرحمٰن صاحب گوشت بنایا کرتے تھے ہفتہ میں دو بار گوشت ہوتا تھا جمعہ کے روز اور سوموار کو لنگر خانہ میں بھی انہی دونوں دنوں میں شام کے وقت آلو گوشت پکا کرتا تھا۔ صبح کے وقت تو لازمی طور پر دال ہی پکتی تھی شام کو باقی پانچ وقتوں میں سبزیاں پکا کرتی تھیں۔ سائیں عبدالرحمٰن صاحب کمزور ہو گئے تھے ان کی جگہ کسی درویش کی ضرورت تھی کہ وہ گوشت کا کام کرے۔ اس کی صورت یوں پیدا ہوئی کہ مکرم مستری محمد الدین صاحب نے اس کی نگرانی سنبھالی اور مرزا محمود احمد صاحب کو ساتھ شامل کر کے کام

شروع کر دیا۔ سب سے بڑی مشکل بکریوں کو سنبھالنا تھا۔ یہ جانور ایسا ہے کہ جب تک اس کو باہر نہ پھرایا جائے بیمار ہو جاتا ہے مرزا صاحب بکریوں کو دور دور تک لے جاتے اور شام کو واپس لے آتے۔ اس دور میں بڑا اچھا گوشت ملتا تھا۔

مرزا بڑے نڈر اور دلیر آدمی تھے مشکلات سے گھبرانے والے نہ تھے۔ ۱۹۵۵ء میں ایک عظیم سیلاب آیا جس نے ہندوستانی اور پاکستانی پنجاب کو بڑا نقصان پہنچایا۔ ریلوے لائن کے پل ٹوٹ گئے پکی سڑکیں سیلاب میں بہہ گئیں آمد و رفت کا سلسلہ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ بجلی کے کھمبے گر گئے ٹیلیفون کی تاریں اکھڑ گئیں کوئی ذریعہ رسل و رسائل کا نہ رہا۔ نہ ہمیں خبر کہ ربوہ کا کیا حال ہے نہ ربوہ والوں کو کچھ علم کے قادیان کا کیا حال ہے۔ اس حال میں ربوہ جا کر صورت حال کی اطلاع دینا اور وہاں سے خبر لا کر یہاں پہنچانا ایک مسئلہ تھا۔ مرزا محمود احمد صاحب کا پاسپورٹ ویزا حسن اتفاق سے تیار تھا وہ تیار ہو گئے اور پیدل بھاگتے ہوئے جہاں سواری مل گئی وہاں سواری پر ورنہ پیدل پانی آیا تو تیر کر پار کیا اور بھاگتے چلے گئے اور تین روز میں ربوہ پہنچ گئے اور پھر وہاں سے حالات معلوم کر کے اور خیر و عافیت کی اطلاع لے کر دسویں روز واپس قادیان آ گئے۔

مسجد اقصیٰ قادیان کے کنویں میں پانی نکالنے کی بالٹی گر جایا کرتی تھی۔ اس کو نکالنے کے لئے پہلے مکرم سائیں عبدالرحمٰن صاحب کنویں میں اترا کرتے تھے۔ اس مرتبہ وہ علیل تھے مرزا محمود احمد صاحب کہنے لگے میں جاتا ہوں چنانچہ وہ ایک رسہ کے ذریعہ کنویں میں اتر گئے پھر رسہ اوپر کھینچ کر اس کے ساتھ ایک ٹوکری باندھ دی گئی کہ جو کنویں میں گری ہوئی اشیاء ملیں وہ مرزا صاحب ٹوکری میں ڈالتے جائیں اور پھر مکرم چوہدری عمر دین صاحب درویش اور چند اور نوجوان تھے جو اوپر کھینچ کر سامان نکال کر پھر ٹوکری کنویں میں اتار دیتے۔ اس طرح کنوں اچھی طرح صاف

ہو گیا آخری بار خود مرزا صاحب ٹوکری میں سوار ہو کر اوپر آئے آپ نے پاؤں ٹوکری میں رکھے ہوئے تھے اور ہاتھوں سے رسہ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ جونہی ٹوکری کنارہ کے قریب آئی مرزا صاحب تو یہ سوچے بغیر کہ رسہ کو چھوڑنے سے ٹوکری الٹ جائے گی ایک دم رسہ کو چھوڑ کر کنارہ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے اور ٹوکری الٹ جانے سے ایک دم کنویں میں جو لگ بھگ ساٹھ ستر فٹ گہرا تھا گر گئے۔ فوراً آدمی میری طرف بھاگا مجھے اطلاع دی میں بھاگتا ہوا گیا میرے ساتھ دو خدام بھی وہاں پہنچے جا کر دیکھا تو مرزا صاحب کنویں سے باہر زمین پر لیٹے تھے۔ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے حوصلہ نہیں ہارا کنویں میں گرتے ہی آواز دی کہ میں زخمی ہو گیا ہوں جلدی ٹوکری ڈالیں۔ چوہدری عمر دین صاحب نے فوراً ٹوکری ڈال دی۔ اس میں مرزا صاحب بیٹھ گئے اور اوپر سے چوہدری عمر دین صاحب نے دیگر خدام کی مدد سے کھینچ کر انہیں باہر نکال لیا مینارۃ المسیح کے ارتھ کی پلیٹ کنویں میں پانی کے اندر لٹک رہی تھی اس کے کونہ سے ٹکرا کر مرزا صاحب کی ران پر ایک بڑا زخم آیا تھا۔ قریب تین پاؤ گوشت ران سے الگ ہو کر لٹک رہا تھا مرزا صاحب بڑے حوصلہ سے تھے۔ پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے خون بند ہو چکا تھا۔ مرزا صاحب کو فوراً ڈاکٹر کیدار ناتھ صاحب کے ہاں لے جایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب انہیں بے ہوش کر کے ٹانکے لگانا چاہتے تھے مگر مرزا صاحب نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ بے فکر ہو کر زخم کو ٹانکے لگائیں میں برداشت کروں گا۔ میں سامنے کھڑا تھا ڈاکٹر صاحب نے زائد گوشت کاٹ کر (جو زخم میں سمویا نہیں جا سکتا تھا) باقی زخم کو گوشت اندر سیٹ کر کے کم و بیش تیس ٹانکے لگائے۔ مرزا صاحب بڑے حوصلے سے برداشت کرتے رہے۔ زخم سی لینے کے بعد انہیں ضروری انجکشن وغیرہ اور ادویہ دی گئیں اور چند روز وہاں داخل رکھا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے

مرزا صاحب دو ماہ میں پھر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ چند سال بعد آپ کو بھگندر کا پھوڑا ہو گیا تھا اس کا بھی اپریشن کرایا گیا ان ہر دو اپریشنوں کی وجہ سے مرزا صاحب بہت کمزور ہو گئے تھے مگر نمازوں میں باقاعدہ آتے اور صبح کے وقت بلند آواز سے تلاوت کیا کرتے تھے آہستہ آہستہ کمزوری بڑھتی گئی انہیں بواسیر کا عارضہ بھی لاحق تھا جس سے انہیں اچھا خاصا خون آجاتا اور اس وجہ سے بیماری اور کمزوری بڑھتی چلی گئی۔

آپ کی شادی حیدرآباد میں ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ آپ تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کی شادی کر چکے تھے۔ باقی چھ بچوں کی شادیوں کا بار ابھی باقی تھا کہ دربار خداوندی سے آپ کو حاضری کا پیغام آ گیا اور آپ نے مؤرخہ ۲۰-۶-۸۶ کو جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔

اناللہ و انا الیہ راجعون

اگلے روز بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حضور اعلیٰ مقام سے نوازے اور آپ کی اولاد کا خود متکفل اور نگران ہو اور انہیں اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم فتح محمد صاحب نانبائی

ہر گاہ کہ قادیان میں ٹھہرنے والے درویشان کے انتخاب میں عام معاشرتی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا تھا مگر پھر بھی چند ایک ضروریات بعد میں شدت سے محسوس ہوئیں۔ ان میں سے ایک نانبائی کی ضرورت تھی درویشان میں صرف محمد عبداللہ صاحب نانبائی تھے اور ان کی علالت کی صورت میں متبادل نانبائی موجود نہیں تھا اس ضرورت کا احساس کر کے ۱۹۴۷ء میں ہی ایک عزیز خدا بخش کو مکرم محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ لگا کر نانبائی ٹرینڈ کیا گیا تھا مگر وہ ہندوستان کے ہی ایک خانہ بدوش قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے وہ فروری ۱۹۴۸ء میں استعفیٰ دے کر چلے گئے تھے اس لئے مرکز سے ایک ٹرینڈ نانبائی بھجوانے کی درخواست گئی تھی۔ ۵ مارچ ۴۸ کو جو قافلہ لاہور سے آیا اس میں مکرم فتح محمد صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب کو بطور نانبائی یہاں بھجوا دیا گیا تھا۔ اس طرح ایک مسئلہ حل ہو گیا اب باری باری دونوں لنگر خانہ میں کام کرتے تھے حق یہ ہے کہ ان دونوں کے دور میں درویشوں نے بہترین روٹیاں کھائیں۔

۱۹۵۰ء میں جب کچھ خاندان ہندوستان کی جماعتوں سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے قادیان میں بچوں کے ختنہ کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی مکرم فتح محمد صاحب حجام کا کام بھی جانتے تھے اور ختنہ کرنا بھی جانتے تھے یہ دونوں کمیاں بھی ان کی آمد سے دور ہو گئیں ان کی آمد سے قبل جو ایک حجام جنوری ۱۹۴۸ء کو قادیان بھجوایا گیا تھا وہ دو تین ماہ رہ کر بغیر اجازت لئے یہاں سے فرار ہو گیا تھا اور حجام کی اشد ضرورت تھی کیونکہ غیر مسلم افراد کی طرف سے کئی مرتبہ بائیکاٹ کیا گیا اور بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا رہا۔

بہت سی خوبیوں کے باوجود مکرم فتح محمد صاحب میں یہ ایک کمزوری بھی تھی کہ غصہ پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے ۱۹۹۱ء کے شروع میں ہی آپ کی طبیعت بوجہ جگر کی خرابی کے علیل رہنے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ مرض اور کمزوری بڑھتی چلی گئی۔ سال کے آخری تین مہینوں میں ٹانگوں اور پاؤں پر ورم بھی آگیا تھا۔ اکتوبر کی بات ہے ایک روز میں ان کی دوکان کے سامنے سے گزر رہا تھا مجھے آواز دے کر بلایا اور پوچھنے لگے کہ دیکھیں میری کیا حالت ہے۔ میں جلسہ سالانہ تک جی بھی سکوں گا یا نہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ امسال جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی آمد متوقع ہے۔ میں حضور کی آمد والا جلسہ سالانہ دیکھ بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں نے حوصلہ دلایا کہ آپ غمگین نہ ہوں دعائیں کرتے رہیں۔ میں بھی دعا کروں گا انشاء اللہ آپ جلسہ سالانہ اور پیارے آقا کی آمد کی خوشی میں شریک ہوں گے۔

ذرا قسمت کی خوبی تو دیکھئے کہاں ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

ہر ممکن علاج پرہیز کے باوجود طبیعت گرتی چلی گئی اور ۶ نومبر ۱۹۹۱ء کو ہی ملک الموت کی ڈگری ہوگئی اور چارہ گر ہار گئے۔ روح اپنے مولا کے حضور حاضر ہوگئی اور خاک کا پتلا ہمارے پاس رہ گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں پہلی شادی درویشی دور سے قبل کی تھی اس میں سے آپ کے دو لڑکے ہیں اس اہلیہ کی وفات کے بعد شاہجہانپور میں دوسری شادی کی اس میں سے ایک بیٹا ہے اس بیوی سے علیحدگی بصورت خلع ہوگئی۔ تیسری شادی راٹھ یوپی میں کی اس میں سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ اس بیوی کی بھی وفات ہوگئی چوتھی شادی کشمیر کی اس اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس بیوی کی بھی وفات آپ کی وفات سے تھوڑا عرصہ قبل ہوگئی۔ سب بچے شادی شدہ اور برسر روزگار ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

مکرم بشیر احمد صاحب شاد

مکرم بشیر احمد صاحب شاد ولد خدا بخش صاحب سید والا تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ آپ کی پیدائش بمقام سید والا تحصیل ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ میں ہوئی۔ تعلیم معمولی تھی گویا ناخواندہ تھے۔ آپ کی شادی سندھ میں ہوئی تھی۔ اس لئے آپ سید والا سے سندھ جا کر سسرال کے ہاں ہی رہ پڑے تھے گو ایک کاشتکار گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے مگر انہوں نے اپنا ذریعہ معاش ٹیلرنگ کو پسند کرلیا تھا۔ شادی سے قبل ہی درزی کا کام سیکھ کر گاؤں میں کپڑے سینے کا کام شروع کرلیا ہوا تھا۔ صرف سادہ شلوار قمیض اور تہبند وغیرہ ہی سی سکتے تھے کوٹ پتلون وغیرہ نہیں سی سکتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب قادیان میں خدمت کے لئے خدام کو بلوانے کی تحریک کی گئی تو آپ بھی خدمت کے لئے قادیان آگئے۔ آپ کا تعلق حلقہ مسجد اقصیٰ سے تھا۔ یہ تحریک تھی تو عارضی صرف دو ماہ کے لئے مگر حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے کہ دو ماہ بعد تبدیلی ممکن نہ رہی اور آپ مستقل طور پر ہی قادیان کے ہو کر رہ گئے۔ جب حضور انور کی طرف سے فیملیاں قادیان بلانے کا ارشاد ہوا تو اپنی اہلیہ کو بھی قادیان بلوالیا آپ کی اہلیہ کے ساتھ ایک بچہ تھا جو اس نے اپنے بھائیوں کے بیٹوں سے لے کر پرورش کیا ہوا تھا۔ بتایا کرتے تھے کہ شادی کے بعد لگاتار ۹ بچے پیدا ہوئے جو کم عمری میں ہی وفات پا گئے اور اب جب کہ اہلیہ اولاد پیدا کرنے کی عمر کی حد کراس کر چکی ہوئی ہیں تو اپنے بھائیوں کا ایک بچہ لے کر پرورش کیا ہے۔ یہ بچہ اچھا ہوشیار بچہ تھا اور یہاں مڈل پاس کرلینے کے بعد مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوگیا تھا۔

ابتداء درویشی میں چار ماہ تک کسی بھی درویش کو کپڑے سلانے کی ضرورت نہیں پڑی گھر سے جو کپڑے پہن کر آئے تھے وہی دھو کر پھر پہن لیتے تھے اور نئے سلانے کی کسی کے پاس گنجائش ہی نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ وہ کپڑے پھٹنا شروع ہو گئے تھے اور ان کی مرمت کروانا پڑتی تھی۔ دو تین درویشوں نے مل کر ایک دوکان کھول لی تھی جس میں کپڑوں کی مرمت وغیرہ کر دی جاتی تھی ایک حکیم عبدالرحیم صاحب تھے اور ایک بشیر احمد صاحب شاد تھے تیسرے صوفی علی محمد صاحب تھے جو سلائی کی مشینوں کی مرمت کے ماہر کاریگر تھے صوفی صاحب نے سٹور سے دو مشینیں ٹھیک کر کے ان دونوں کو دے دی تھیں اور یہ کام کرتے تھے دونوں بزرگ معمولی درجہ کی شلوار قمیض سے زیادہ کوئی اچھی سلائی نہیں کر سکتے تھے ایک لطیفہ وقوع پزیر ہوا۔ مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جو خود اعلیٰ درجہ کے ماہر ٹیلر تھے اور کوٹ پتلون سوٹ شیروانی اعلیٰ درجہ کی سی سکتے تھے۔ ان کی قمیض پھٹ گئی ان کے اوپر جو رضائی تھی اس کا اندرس نیلے رنگ کی پاپلین کا تھا آپ نے سوچا کہ اب اپریل شروع ہو گیا ہے اب رضائی کی ضرورت نہیں رہی کیوں نہ میں رضائی ادھیڑ کر اس کے اندرس سے ایک قمیض سلوا لوں وہ رضائی ادھیڑ کر لے آئے اور بشیر احمد صاحب شاد کو ناپ دے کر قمیض سلانے کے لئے دے گئے دو چار روز بعد آ کر پوچھا تو قمیض تیار تھی آپ یہ دیکھ کر کہ قمیض تو خراب سِل گئی ہے اور میرے پاس اور رقم بھی نہیں کہ بازار سے کپڑا لے آؤں بہت ناراض ہوئے کہ آپ نے میرا کپڑا خراب کر دیا ہے۔ اس کی سلائی کیا ہے بتایا کہ ڈیڑھ روپیہ جب روٹی کے علاوہ صرف ۵ روپے ہی ملتے تھے اس میں ڈیڑھ روپیہ بھی نکالنا مشکل تھا آپ نے کہا تمہارے جیسا کنڈھ کاریگر کا حق نہیں کہ کپڑا بھی خراب کر دو اور سلائی بھی زیادہ لو اس پر شاد صاحب نے جواباً کہا کہ آپ جیسا ساہوکار سے تو ہم صرف کاج کرانے کا ڈیڑھ روپیہ لے لیتے ہیں۔

بات آئی گئی ہو گئی چھ ماہ بعد جب مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب نے ٹیلرنگ شاپ کھولی تو آپ کے پاس غیر مسلموں کا بھی بہت کام آنے لگا اور تین چار کاریگر بھی غیر مسلم افراد میں سے آپ کے شاگرد ہوئے تو ایک روز شاد صاحب بھی ماسٹر محمد ابراہیم صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے بھی شاگر رکھ لیں ماسٹر صاحب نے کہا کہ میرے جیسوں سے تو آپ کاج کروائی ڈیڑھ روپیہ لیتے ہیں اور میں تو قمیض سینے کے کل ڈیڑھ روپیہ لیتا ہوں۔

۱۹۶۰ء کے قریب کی بات ہے کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بھی قادیان جلسہ سالانہ پر آئے ہوئے تھے مکرم شاد صاحب بھی آپ سے ملاقات کرنے گئے تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں شاد صاحب نے کہا ۹ بچے ہو کر وفات پا گئے ہیں اب اہلیہ اولاد پیدا کرنے کی عمر میں نہیں ہے۔ آپ نے کہا آپ کا کیا نام ہے بتایا کہ نذیر احمد شاد (آپ کا آبائی نام یہی تھا) حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنا نام بشیر احمد رکھ لیں اور دوسری شادی کر لیں اولاد ہو جائے گی۔ اس پر نام بشیر احمد شاد رکھ لیا۔ اہلیہ کو معلوم ہوا کہ آپ دوسری شادی بھی کرنا چاہتے ہیں وہ ناراض ہوئی اور کہا میں اس کی اجازت نہیں دیتی چند سال اسی ادھیڑ بن میں گزرے گئے جب یہ دوسری شادی پر مصر رہے تو واپس پاکستان اپنے بھائیوں کے پاس چلی گئی۔ پھر انہوں نے یہاں دوسری شادی کے لئے کوشش شروع کی چونکہ ان کی عمر بھی کافی ہو چکی تھی رشتہ ملنے میں مشکلات حائل رہیں اور کئی سال بعد کشمیر میں ان کا رشتہ طے ہو گیا۔ اور شادی بھی ہو گئی۔ ایک سال بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جو پیدا ہو کر جلد ہی فوت ہو گیا حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے انہیں کہا کہ مردوں کو بھی اٹھرا کی بیماری ہوتی ہے۔ آپ کے پہلے بھی ۹ بچے وفات پا چکے ہیں اور یہ دسواں ہے ایسا کرو کہ خود بھی اور اہلیہ کو بھی اٹھرا کی دوائی کھلاؤ انشاء اللہ

آپ کو فائدہ ہوگا آپ حکیم بدرالدین صاحب عامل سے دوائی لے لیں بل میں ادا
کروں گا۔ چنانچہ آپ نے دوائی لی اور دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اب
تک خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے زندہ ہیں۔

چونکہ تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی چند ایک دفاتر میں بطور مددگار کام کرتے رہے
اور عمر بھی زیادہ تھی جلد ریٹائر ہو کر درویشی فیملی سکیل گزارہ بطور پنشن پاتے رہے۔
چونکہ یہ گزارہ محض قوت لایموت کی حد تک ہی تھا یہ اپنے طور پر ایک دوکان میں کبھی
پکوڑے کبھی چائے کبھی پلاؤ پکا کر فروخت کرلیا کرتے۔ جس سے کچھ سہولت سے
گزارا چل جاتا تھا معدہ میں السر کی پرانی تکلیف تھی جس کی وجہ سے انہیں متعدد
مرتبہ امرتسر ہسپتال میں داخل کرا کے بھی علاج کرایا جاتا رہا۔ چٹ پٹے کھانے
ان کی کمزوری تھی۔ اور یہ اس بیماری والے کو موافق نہیں آتے۔ بیماری سے کچھ
فائدہ ہوتا تو پھر جونہی گوشت میسر آتا خوب مرچ مسالحہ ڈال کر پکا کر کھاتے اور
چند مرتبہ بد پرہیزی کرنے سے پھر بیماری عود کر آتی۔ دسمبر ۱۹۹۱ء میں بھی اس
بیماری سے امرتسر میں داخل تھے اور بیماری کے دوران بار بار یہ کہتے تھے کہ دعا
کریں میں اپنے آقا کو قادیان میں دیکھ لوں جب انہیں علم ہوا کہ حضور رحمہ اللہ
تعالیٰ ۱۹ دسمبر کو قادیان پہنچ رہے ہیں تو یہ ہسپتال سے چھٹی لے کر قادیان آگئے اور
ارادہ یہ تھا کہ جب تک میرے آقا قادیان میں رہیں گے میں بھی یہاں رہوں گا
حضور پرنور کے واپس جانے کے بعد پھر امرتسر ہسپتال میں داخل ہو کر بقیہ علاج
کراؤں گا۔ بیمار حالت میں گھر آگئے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع
رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے تو آپ ان گھروں میں پہلے گئے جن کے ہاں کوئی موت
فوت ہو چکی تھی اور دوسرے نمبر پر جن درویشان کے بارہ میں معلوم ہوا کہ وہ علیل
ہیں ان سے بھی ملنے گئے مکرم شاد صاحب سے بھی حضور ان کے مکان پر ملنے گئے۔

اس پر شاد صاحب بہت ہی خوش ہوئے کہ میں نے اپنے آقا کو اپنے گھر میں دیکھ لیا۔
جلسہ سالانہ کے بعد حضور چند دن کے لئے دہلی تشریف لے گئے دس جنوری ۱۹۹۲ء
تک حضور کی واپسی متوقع تھی مگر آپ نے مؤرخہ ۸ جنوری ۱۹۹۲ء کو ایک ہی جست
میں دیار فانی سے جنت ابدی تک کا سفر طے کرلیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون
اللہ تعالیٰ اپنے حضور بھی بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کے دونوں بچوں کا خود
کفیل ہو اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ دونوں بچے قابل شادی ہیں انہیں بہتر
رشتے نصیب ہوں۔

مکرم مرزا محمد زمان صاحب

۱۹۴۳ء کے جلسہ سالانہ قادیان پر میری ڈیوٹی نائب منتظم مکانات حلقہ مسجد مبارک تھی اس وقت مکرم مرزا محمد زمان صاحب ولد مرزا احمد دین صاحب قادیان دفتر جلسہ سالانہ کے سٹور کیپر تھے۔ ان دنوں جو مہمان الگ مکانات میں ٹھہرتے تھے یا جلسہ سالانہ کی طرف سے حاصل کی گئی بیٹھکوں میں ٹھہرائے جاتے تھے انہیں سالن لانے کے لئے برتن، سالن کھانے کے لئے مٹی کے پیالے اور پانی پینے کے لئے آبخورے اور اگر اس مکان میں بجلی نہ ہو تو روشنی کے لیمپ اور پانی سٹاک کرنے کے لئے گھڑے اور وضوء کرنے کے لئے مٹی کے لوٹے فراہم کئے جاتے تھے۔ منتظم مکانات یہ اشیاء جلسہ سالانہ کے سٹور سے حاصل کر کے مہمانوں کو فراہم کر دیتا تھا اور مہمان واپسی پر جو اشیاء محفوظ ہوتیں وہ واپس جمع کرا جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مٹی کے برتنوں کو استعمال کرتے ہوئے ٹوٹ پھوٹ بھی ہو جاتی تھی ٹوٹے ہوئے برتن سٹاک سے خارج کر دیئے جاتے تھے۔ میں نے مرزا صاحب سے کئی سو برتن اور لیمپ حاصل کئے تھے مرزا صاحب سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔

قادیان سے ہجرت کے بعد جن کارکنان کو قادیان رہنے کا حکم تھا مکرم مرزا محمد زمان صاحب بھی ان میں شامل تھے گویا ۳۱۳ درویشان میں آپ کا نام بھی تھا اور اب بھی دفتر لنگر خانہ میں جلسہ سالانہ کے سامان کے سٹور کیپر تھے۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں جلسہ سالانہ کے سٹور کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ درویشان کے علاوہ صرف چند ایک مہمان ہی آسکے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں لاہور سے بھی

قافلہ آگیا تھا اور انڈیا سے بھی مہمان زیادہ آئے تھے۔ جلسہ سالانہ کے سٹور کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے بڑی ذمہ داری سے سٹور کو سنبھالا ہوا ہے اور ہر ایک چیز بڑی احتیاط سے محفوظ رکھی ہے۔ سامان کے سلسلہ میں بجٹ پر کوئی بوجھ نہیں پڑا۔

۱۹۵۲ء میں جب میرا بطور افسر لنگر خانہ و نائب افسر جلسہ سالانہ تقرر ہوا تو اس وقت مرزا صاحب کو جلسہ سالانہ کے علاوہ لنگر خانہ کے سٹاک کا بھی سٹور کیپر اور کلرک دفتر لنگر خانہ مقرر کر دیا گیا تھا گویا دونوں سٹوروں کو مدغم کر دیا گیا تھا ۵۲ء تا ۵۵ء مرزا صاحب نے میرے ساتھ کام کیا۔ مرزا صاحب ایک ذمہ دار کارکن تھے اور ہر طرح قابل اعتماد تھے مرزا صاحب غالباً ۴۰ء میں صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں آئے تھے اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال ہو چکی تھی اس لئے انہیں کلرک کا گریڈ نہیں دیا گیا تھا بلکہ بالمقطہ مشاہرہ پر ملازم ہوئے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کی تبدیلی لنگر خانہ سے دفتر بہشتی مقبرہ میں ہو گئی تھی اور کچھ سال وہاں کام کرنے کے بعد جب کہ نظر بھی کمزور ہو گئی تھی انہیں دفتر کی ڈیوٹی سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ چونکہ بالمقطہ ملازم تھے پنشن کا حق آپ کو حاصل نہیں تھا۔ لیکن درویش بھی تھے اس لئے ان کو فیملی سکیل گزارہ بطور پنشن دے کر فارغ کر دیا گیا تھا۔ چونکہ فارغ رہنا ان کی طبیعت کو پسند نہیں تھا یہ طوعی طور پر مکرم چوہدری فیض احمد صاحب کے پاس ان کے مضامین کے مسودات کی نقول کرنے کا کام شوقیہ طور پر کرتے رہتے تھے۔ یہ مسودات بعد میں ''وہ پھول جو مرجھا گئے'' اور ''اردو ادب کا احمدیہ دبستان'' کے نام سے طبع ہوئے۔ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب کی وفات کے بعد باقی زندگی فراغت میں عبادت اور دعاؤں میں گزاری۔

آپ کی شادی پہلے ہو چکی ہوئی تھی بوقت ہجرت بیوی بچے پاکستان چلے گئے

تھے۔ جب دیگر درویشان کے بیوی بچے پاکستان سے آگئے تو چند سال بعد آپ کی اہلیہ بھی قادیان آ گئی تھیں بچے چونکہ بڑے اور شادی شدہ تھے وہ نہیں آئے۔ جب آپ کی اہلیہ بھی وفات پا گئیں اور مکرم حضرت بھائی اللہ دین صاحب جو دیار مسیح میں ایک کمرہ میں رہتے تھے وہ بھی وفات پا گئے تو مکرم مرزا صاحب کو دیار مسیح میں وہ کمرہ رہائش کے لئے دے دیا گیا۔ آپ کی صحت خاصی کمزور ہو چکی تھی دیار مسیح میں قیام کے دوران حضرت سیدہ ام متین صاحبہ کے مکان میں موجود بیت الخلا کو مرزا صاحب استعمال کرتے تھے۔ ایک روز دوپہر کو جب آپ رفع حاجت کے لئے گئے تو اٹھتے ہوئے گر پڑے آپ کا کندھا سیٹ میں پھنس گیا کمرہ چھوٹا تھا ٹانگیں سیدھی نہ ہو سکتی تھیں اور بایاں ہاتھ جو اوپر تھا وہ کسی سہارا لینے والے کھونٹے تک نہیں پہنچ رہا تھا آپ صرف زبان سے ہوں ہاں کر رہے تھے اندر سے کنڈی بھی نہیں کھول سکتے تھے پتہ نہیں کتنی دیر اس حالت میں پڑے رہے اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا کسی نے آپ کی آواز سنی اور مجھے آکر اطلاع دی (کیونکہ میں جنرل سیکرٹری تھا) میں چند خدام کو ساتھ لے کر فوراً وہاں گیا صورت حالت دیکھی مرزا صاحب کو آواز دی وہ کوئی جواب نہیں دے پائے غالباً تھک گئے تھے میں نے دروازہ توڑنا ضروری خیال کیا اور ایک اینٹ جو صحن میں پڑی تھی اس سے دروازہ پر کئی وار کئے آخر اوپر والی چٹخنی ٹوٹ گئی اور دروازہ کھل گیا مرزا صاحب کو نیم بے ہوشی کی حالت میں وہاں سے اٹھا کر بدن صاف کر کے بستر میں لٹایا گیا پانی پلایا گیا کچھ دیر بعد مرزا صاحب کے ہوش وحواس قائم ہوئے مرزا صاحب بھی کمزور اور بیمار تھے مگر شاد صاحب کی طرح یہ بھی منتظر تھے کہ خدایا مجھے پیارے آقا کی قادیان آمد تک مہلت دے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو بپایہ قبولیت جگہ دی حضور پر نور آئے مرزا صاحب نے جی بھر کر اپنی انتظار دید کی پیاس بجھائی حضور انور کے ساتھ درویشان

کرام کے فوٹو میں حضور پر نور کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا حضور رحمہ اللہ کی لندن واپسی کے معاً بعد ۱۹ جنوری ۱۹۹۲ء کو وفات پائی اور ۲۰ جنوری بعد نماز عصر بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک میں آسودہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قرب میں مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

مکرم عزیز احمد صاحب منصوری

مکرم عزیز احمد صاحب منصوری ولد منشی عبدالخالق صاحب قادیان ، آپ کا تعلق حلقہ ناصر آباد خدام سے تھا۔۱۹۵۰ء میں جب صدر انجمن احمدیہ نے درویشان میں یہ تحریک کی کہ جو درویش کوئی کاربار کر کے اپنا گزارہ چلا سکتے ہوں وہ فارغ ہو جائیں ۔ حلقہ ناصر آباد درویشان میں سے عزیز احمد صاحب منصوری نے بھی اس پر لبیک کہا۔ اس وقت دس بارہ درویشان کی ایک لمیٹڈ فرم بنا کر گورنمنٹ سے قرضہ حاصل کر کے کھڈیاں لگائی گئی تھیں ۔ جو درویش فرم کے ممبر تھے وہ کھڈی پر کپڑا بننے کا کام بھی خود ہی کرتے تھے ۔ اس سکیم سے گورنمنٹ کا مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کو روزگار فراہم کیا جائے ان کا بنایا ہوا کپڑا گورنمنٹ خود خرید لیتی تھی اور اپنے کھدڑ بھنڈاروں پر فروخت کرتی تھی اب تک یہ سکیم جاری ہے ۔مگر درویشان کی فرم دو سال سے زیادہ نہ چل سکی حالانکہ سرکار کی طرف سے یہ بھی رعائت تھی کہ پانچ سال چلنے کے بعد کھڈیوں کے لئے دیا ہو قرضہ چوتھا حصہ معاف کر دیا جائے گا۔ فرم فیل ہو جانے کے بعد مکرم منصوری صاحب نے ہمت نہیں ہاری ۔ دہلی میں ایک احمدی دوست ماربل چپس کی مصنوعات سنک بیسن سیٹ گملے وغیرہ بنانے کا کام کرتے تھے مکرم منصوری صاحب دہلی چلے گئے اور وہاں ان کے پاس ملازم ہو کر ماربل چپس کی مصنوعات بنانے کا کام سیکھا اسی اثنا میں جب یہ وہاں کام سیکھ رہے تھے یوپی کے ایک نوجوان ابرار احمد بھی وہاں کام سیکھنے کی غرض سے آکر ملازم ہوئے تھے تین چار سال وہاں کام سیکھا اور جب محسوس کیا کہ اب ہم آزادانہ طور پر کام کر سکتے ہیں تو

دہلی میں ایک جگہ کرایہ پر لے کر وہاں ابرار احمد صاحب نے اپنے سرمایہ سے ضروری سامان فراہم کیا اور کام شروع کر دیا۔ چونکہ منصوری صاحب کے پاس سرمایہ نہیں تھا آپ ان کے ساتھ بطور کاریگر کام پر لگ گئے ۔ دہلی ترقی پزیر شہر تھا کام کی بہت مانگ تھی ان کا کام اچھا چل نکلا ابرار احمد غیر شادی شدہ نوجوان تھا منصوری صاحب نے دیکھا کہ دینی اور اخلاقی اور کاروباری حالت اچھی ہے اپنی بیٹی کا رشتہ ابرار صاحب سے کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ رشتہ بڑا ہی کامیاب ثابت ہوا خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ فرم اب تک کامیابی سے چل رہی ہے۔ مکرم منصوری صاحب کے دو بیٹے بھی ابرار صاحب کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور ابرار صاحب کے ایک بیٹے کی شادی قادیان میں مکرم ممتاز احمد صاحب ہاشمی کی بیٹی سے ہو چکی ہے۔

منصوری صاحب آخر پر دہلی سے قادیان آ گئے تھے اور انہیں محاسب میں پہرہ دار کی خدمت سپرد ہوئی تھی جسے آپ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہے ۔ آخر میں محاسب کی ڈیوٹی سے بھی فارغ کر دیئے گئے تھے ۔ اور فیملی سکیل گزارہ بطور پنشن ملنا منظور ہوا تھا۔ باوجود خاصی عمر ہو جانے کے صحت مند تھے اور فراغت کے ایام میں بھی اکثر مچھلی کے شکار کے لئے جایا کرتے تھے ۔ مؤرخہ ۲۶ء ستمبر کو آپ کسی غرض سے اٹھے تو صحن میں گر پڑے سر میں سخت چوٹ آئی اہلیہ بھی دہلی گئی ہوئی تھیں اور بچوں میں سے بھی کوئی پاس نہ تھا صرف بہو گھر میں تھیں انہوں نے اپنے گرنے اور سر پر چوٹ آنے کا کسی سے بھی ذکر نہیں کیا صبح تکلیف برداشت سے باہر ہو گئی تو بتایا۔ مقامی انتظامیہ نے انچارج صاحب احمدیہ شفا خانہ کی ہدایت پر امرتسر گورونانک ہسپتال میں لے جا کر داخل کرایا ٹیسٹوں کے بعد معلوم ہوا کہ دماغ میں جریان خون ہوا ہے اس کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی اور اسی بے ہوشی کے دوران

مؤرخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۹۲ء کو امرتسر ہسپتال میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ قادیان لایا گیا اور بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضا کی جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

آپ کی شادی تقسیم ملک سے قبل ہو چکی ہوئی تھی۔ جب درویشان کی فیملیز پاکستان سے آئیں تو آپ کی اہلیہ بھی آ گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو لڑکیاں اور چار لڑکے عطا فرمائے۔ سب بچے شادی شدہ برسر روزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلسلہ کا خادم بنائے۔ آمین

مکرم مولوی عبدالحق صاحب

مکرم مولوی عبدالحق صاحب فضل ولد احمد دین صاحب سکنہ گنج ڈاک خانہ بڈھا گورایا ضلع سیالکوٹ۔ آپ جدی طور سے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے مگر آپ کے والد صاحب ضلع لائل پور کی تحصیل کمالیہ میں جا بسے تھے۔ آپ چار بھائی تھے۔ سب سے پہلے آپ کے بڑے بھائی محمد شریف صاحب کو تبلیغ احمدیت اور لٹریچر ملا اور انہوں نے بیعت کر لی اور ان کے ذریعہ سے مکرم مولوی عبدالحق صاحب فضل کو لٹریچر ملا اور بعد مطالعہ حق کھل جانے پر آپ نے بھی بیعت کر لی۔ آپ کی بھائی بعد میں مخالفت سے گھبرا کر مرتد ہو گئے لیکن مولوی عبدالحق صاحب قائم رہے۔ کچھ عرصہ والدین اور رشتہ داروں نے سمجھا کر احمدیت سے واپس لانے کی کوشش کی جب آپ کو اپنے ارادہ میں اٹل پایا تو پھر تشدد آمیز مخالفت پر اتر آئے۔ آپ کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے آپ کا نکاح فسخ قرار دے دیا گیا اور بیوی چھین کر گھر سے نکال دیا گیا۔ کچھ عرصہ اِدھر اُدھر پریشان رہ کر آپ نے سوچا کہ کیوں نہ میں قادیان ہی چلا جاؤں آپ قادیان آ گئے۔ حسن اتفاق سے ان دنوں دیہاتی مبلّغین کلاس کا داخلہ شروع تھا۔ یہ تیسری کلاس تھی۔ دو کلاسیں فارغ التحصیل ہو کر میدان عمل میں جا چکی ہوئی تھیں۔ آپ بھی اس تیسری کلاس میں داخل ہو گئے۔ ایک سال کا کورس تھا اور اس کلاس نے ستمبر ۱۹۴۷ء میں اپنی تعلیم مکمل کرنا تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے شروع میں ہی فسادات بھڑک اٹھے تھے اور اس کلاس کا بہت سا وقت پہروں اور دیگر خدمت خلق کے کاموں میں صرف ہوتا رہا اور اگست میں ملک تقسیم

ہو کر آزاد ہو گیا۔ آزادی اپنے ساتھ بہت سی تلخیاں لائی تھی۔ قادیان سے جماعت کی اکثریت کو ہجرت کرنا پڑی اور ۳۱۳ افراد مقامات مقدسہ کی آبادی اور خدمت کے لئے قادیان رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ ان ۳۱۳ افراد میں یہ دیہاتی مبلّغین کلاس جس کی تعداد چالیس تھی شامل تھی۔ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو جانے والوں کا آخری کنوائے رخصت ہو گیا اور ۳۱۳ افراد قادیان میں رہ پڑے۔ یہ حالات ۱۹۴۸ء کے آخر تک بڑے صبر آزما تھے۔ اس عرصہ میں سوشل بائیکاٹ بھی ہوتے رہے اور دیگر کئی قسم کی مشکلات دامنگیر رہیں اور اس دیہاتی مبلغین کلاس کا بھی وقت زیادہ تر دیگر مصروفیات میں کٹتا رہا۔ ۱۹۴۹ء میں ان کی پڑھائی باقاعدگی سے شروع ہوئی اور ۱۹۵۰ء کے شروع یعنی جنوری میں ہی اس کلاس کے مبلغین کو ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں بھجوا دیا گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب کو بہار یو پی، حیدر آباد دکن اور متعدد مقامات پر تبلیغ اور تعلیم و تربیت کی خدمات کا موقع ملا۔ جو آپ نے بڑی مستعدی سے خوش اسلوبی سے ادا کیا۔

۱۹۵۲ء میں درویشان کی شادیاں ہونا شروع ہوئی تھیں آپ کی شادی مین پوری یو پی میں مکرم قاضی ظہیر الدین صاحب کی بیٹی سے ہوئی۔ یہ شادی آپ کے لئے بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ گو کہ آپ دیہاتی مبلغین کلاس پاس تھے جس کا کورس ایک سال کا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہین دماغ اور اچھی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں آپ نے اپنے مفوضہ فرائض کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کر کے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا تھا اور آپ کو صدر انجمن احمدیہ نے اَپ گریڈ کر کے مرکزی مبلّغین میں شامل کر لیا تھا۔ ایک عرصہ تک تبلیغی میدان میں خدمات بجالانے کے بعد ریٹائرمنٹ سے کچھ عرصہ قبل آپ کو قادیان بلوا لیا گیا تھا اور آپ مدرسہ احمدیہ میں بطور مدرس مقرر ہوئے ازاں بعد آپ کو نائب ہیڈ ماسٹر اور

ہیڈ ماسٹر کے طور پر بھی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی نیز اخبار بدر کے ایڈیٹر کے طور پر بھی مدرسہ کی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کئی سالوں تک فائز رہے۔ اور آپ کو اخبار کی خدمت کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی طرف سے اظہار خوشنودی عطا ہوا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ خدمت سلسلہ میں مصروف رہے۔ آپ کو مجلس انصار اللہ میں زعیم اعلیٰ کے طور پر بھی خدمت کا موقعہ ملا آپ نے اپنے عرصہ زعامت میں پنجاب میں خاص کر مضافات قادیان میں تبلیغ پر خاص توجہ دی اور اپنی نگرانی میں تبلیغی وفود بھجواتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی کو پھل بھی عطا فرمائے۔

آپ کئی سالوں سے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے مگر بیماری کی پرواہ کئے بغیر خدمات دینیہ میں مصروف رہے۔ لیکن طبیعت آہستہ آہستہ مائل بہ انحطاط تھی اس پر مستزاد یہ کہ آپ کی چھوٹی بچی جس کی شادی قادیان میں ہوئی تھی پہلے بچے کی ولادت کے موقع پر خون زیادہ بہہ جانے اور خون چڑھانے کی صورت میسر نہ آنے کے باعث وفات پا گئیں۔ اس صدمہ نے آپ کو اور بھی نڈھال کر دیا تھا۔ آپ کو جو عوارض لاحق تھے ان کا علاج تو مسلسل جاری تھا مگر کمزوری غالب آتی چلی گئی۔ اور اس حالت میں ہارٹ اٹیک بھی ہوا کئی سال قبل بھی یہ تکلیف ہوئی تھی مگر فوری علاج سے صحت بحال ہو گئی تھی۔ اب کہ پھر احمدیہ شفا خانہ میں داخل کرایا گیا ہر طرح چارہ جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی مگر آپ کا وقت مقدر آن پہنچا تھا۔ آپ نے احمدیہ شفاخانہ قادیان میں ۱۳ مئی ۱۹۹۲ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھ بیٹیاں اور دو لڑکے عطا فرمائے۔ ان میں سے سوائے ایک بیٹی کے باقی سب بچے شادی شدہ صاحب اولاد اور اپنے گھروں میں شاد

آباد اور خدمت دین میں مصروف ہیں۔ ایک بچی کی شادی قادیان سے باہر ہوئی تھی۔ باقی پانچوں بچیوں کی شادیاں مکرم مولوی صاحب نے درویشان کے بیٹوں سے ہی کر دی تھیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ اور ان سب کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم ماسٹر محمد اسمعیل صاحب گجراتی

ولد علم دین صاحب سکنہ چک سکندر ضلع گجرات

آپ ان پڑھ تھے سرکاری پنشن بھی انگوٹھا لگا کر وصول کرتے تھے لیکن اپنے فن کے ماہر تھے۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران ملٹری میں بطور دھوبی بھرتی ہوئے تھے اور جنگ ختم ہونے پر فارغ ہو کر واپس اپنے گاؤں آ گئے تھے۔ جب قادیان میں خدمت کے لئے خدام کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس وقت اس تحریک پر لبیک کہتے ہوئے چک سکندر ضلع گجرات سے چھ خدام آئے تھے جن میں سے ایک مکرم ماسٹر محمد اسمٰعیل صاحب تھے۔ یہ چھ خدام ۳۱۳ درویشان میں شامل کر لئے گئے تھے۔ بعد میں ۱۹۵۵ء میں جن افراد کو گھریلو مجبوریاں تھیں وہ اجازت لے بذریعہ کھوکھرا پار پاکستان چلے گئے تھے۔ مکرم محمد اسمٰعیل صاحب وفات تک عہد وفا کو پورا کرنے والوں میں سے ہیں۔ ابتدائی دو تین سالوں میں پہرہ کی ڈیوٹیوں میں خدمت کا موقع ملا بعد میں جب صدر انجمن احمدیہ نے تحریک کی کہ جو درویش اپنا کوئی کاروبار کر کے اپنا گزارہ چلا سکتے ہیں وہ فارغ ہو کر اپنے خرچ کا بوجھ صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ سے ہلکا کر دیں۔ آپ بھی فارغ ہو گئے۔ آپ کا تعلق خدام حلقہ ناصر آباد سے تھا۔ پہلے قادیان میں لانڈری کھولی اور کئی سال تک کام کیا ان ایام درویشان کی شادیاں ہو رہی تھیں۔ اور یہ بھی مجرّد قابل شادی تھے۔ قادیان میں لانڈری کا کام اتنا نہیں تھا کہ اس میں سے شادی کے مصارف کی گنجائش نکل سکے۔ شہر چھوٹا تھا اور

لوگوں کی مالی حالت بھی تازہ تازہ ہجرت کی وجہ سے (جو غیر مسلم پاکستان سے مہاجر ہو کر آئے) کمزور تھی۔ اس لیئے ماسٹر صاحب اجازت لے کر پٹیالہ چلے گئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا کام خوب چل پڑا۔ قریب دس سال آپ پٹیالہ میں رہے۔ ازاں بعد ہندو پاکستان جنگ ۱۹۷۱ء میں واپس قادیان آ گئے اس وقت قادیان میں بھی کاروباری حالات اچھے ہو چکے تھے قادیان آ کر پھر لانڈری اور ڈرائی کلینز کا کام چالو کر لیا۔ اور شادی کی بھی کوشش کی اور دفتر کی طرف سے آپ کا رشتہ حیدر آباد دکن میں طے ہو گیا اور آپ اپنے دو دوستوں کے ساتھ جا کر شادی کر کے بیوی کو گھر لے آئے اور امن سکون سے زندگی گزارنے لگے۔

عمر ۶۵ سال ہو جانے پر دیگر درویشان کی طرح انہیں بھی فیملی سکیل گزارہ دینا منظور ہو گیا۔ فوجی خدمت کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بطور پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ملتی تھی۔ انجمن کی طرف سے فیملی سکیل گزارہ ملا کر گھر کا خرچ چل جاتا تھا۔ صحت بھی کمزور ہو چکی تھی۔ اس لئے لانڈری کا کام چھوڑ دیا صرف کپڑے پریس کرنے کا کام کرتے تھے۔ دراصل وہ ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے غصہ پر قابو رکھنا مشکل ہوتا تھا۔ کمزوری کے کارن کمی خون کے بھی شکار ہوئے احمدیہ شفاخانہ سے علاج جاری رہا مگر روز بروز کمزوری بڑھتی چلی گئی۔ اور آخر مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۹۳ء کو دل نے زندگی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

آپ کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی بیوہ یادگار تھیں وہ بھی چند سال ہوئے وفات پا چکی ہیں۔ بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی اللہ تعالیٰ دونوں کو بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین

مکرم شیخ محمد ابراہیم صاحب ولد نبی بخش صاحب قادیان

آپ نہایت سادہ اور سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے۔ سادگی آپ کے قول وفعل سے نمایاں تھی۔ ان پڑھ تھے مگر مسلسل قادیان کی رہائش اور سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے خطبات سنتے رہنے کی وجہ سے دینی معلومات اچھی تھیں۔ مکرم عبدالشکور صاحب کنزے جب قادیان اول مرتبہ آئے تھے۔ تو ان ایام میں مکرم شیخ محمد ابراہیم صاحب لنگر خانہ میں آٹا گوندھنے کی ڈیوٹی پر ملازم تھے مکرم عبدالشکور صاحب کنزے کئی ماہ تک قادیان میں مقیم رہے اس موقع پر مکرم شیخ محمد ابراہیم صاحب کی ان سے دوستی بلکہ محبت ہو گئی۔ مکرم عبدالشکور کنزے صاحب کو پرانی ڈاک ٹکٹیں جمع کرنے کا شوق تھا اور یہ ان کا ذریعہ آمد بھی تھا۔ مکرم شیخ محمد ابراہیم صاحب زمانہ درویشی میں بھی ڈاک ٹکٹیں جمع کر کے عبداشکور صاحب کنزے کو بھجوایا کرتے تھے اور ان کی طرف سے آپ کو محبت بھرے خطوط آیا کرتے تھے۔

قادیان سے جماعت احمدیہ کی اکثریت کے ہجرت کر جانے کے موقعہ پر آپ لنگر خانہ کی ملازمت میں ہی تھے پہلے آٹا گوندھنے پر تھے بعد میں بطور نائب نانبائی کے طور پر خدمت بجالاتے رہے ریٹائر ہونے تک اسی خدمت پر رہے۔

آپ نے لمبا عرصہ تجرد میں گزارا عمر خاصی بڑی ہو جانے پر آپ کی شادی مکرم فتح محمد صاحب اسلم دیہاتی مبلغ کی بیٹی سے ہوئی۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بچے ایک لڑکا ایک لڑکی عطا فرمائی۔ لڑکا یہاں قادیان میں ہے اور لڑکی کی شادی ربوہ میں ہوئی۔ دونوں صاحب اولاد اور اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔ بیٹا

قادیان میں معماری کے کام کا ماہر ہے اور نئے بننے والے مکانات کا کام ٹھیکہ پر لے کر کرتا ہے۔ اور اچھی کمائی ہے۔

صد سالہ جوبلی ۱۹۸۹ء کے جلسہ سالانہ پر لنگر خانہ میں روٹی نکالنے والے دو افراد یک دم بیمار ہو گئے اور اس طرح کھانے کی تیاری کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ میں نائب افسر جلسہ سالانہ تھا۔ مجھے افسر صاحب جلسہ سالانہ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہوئی کہ اس مشکل کا جلد کوئی حل نکالا جائے۔ مکرم شیخ محمد ابراہیم صاحب کئی سالوں سے ریٹائر ہو چکے ہوئے تھے۔ میں آپ کے پاس گیا اور صورت حال بتائی مکرم شیخ صاحب اسی وقت میرے ساتھ چل پڑے کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ کے نظام میں رکاوٹ پڑے جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہونے دوں گا اور لنگر خانہ میں آ کر کام سنبھال لیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں رپورٹ کی گئی تو بڑی ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔

گیس والے تنوروں پر کام کرتے کرتے آپ کو دمہ کا عارضہ لاحق ہو چکا ہوا تھا۔ آخر عمر میں کمزور بھی بہت ہو چکے تھے۔ دمہ کا گاہ بگاہ دورہ پڑتا رہتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہائی بلڈ پریشر بھی تھا۔ مؤرخہ ۲ جنوری ۱۹۹۴ء کو دمہ کا جو دورہ پڑا تو وہ جان لے کر ہی سکون پذیر ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ موصی تھے۔ اگلے روز بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ ایک بیوہ اور دو بچے آپ کی یادگار تھے۔ بیوی بھی چند سال ہوئے وفات پا چکی ہیں۔ اور بیٹی کی شادی ربوہ میں ہوئی تھی اس کا خاوند وفات پا چکا ہے۔ مگر اس کے بچے اب سیانے ہو چکے ہیں اور انہوں نے کاروبار سنبھال لیا ہوا ہے لڑکا قادیان میں صاحب اولاد برسر روزگار ہے دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے باپ کی نیکیاں قائم رکھنے کی توفیق دے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم ملک محمد بشیر صاحب

ولد ملک محمد ابراہیم صاحب لالہ موسیٰ ضلع گجرات

نفیس طبیعت نفیس لباس بات چیت میں رکھ رکھاؤ۔ گفتگو میں عمدگی۔ یہ تھے ملک محمد بشیر صاحب۔ تعلیم مڈل تک تھی ہینڈ رائیٹنگ بہت اچھا تھا ملٹری میں بھی کلریکل شاف میں تھے اور ملٹری میں ہی رومن اردو میں میٹرک کے برابر کا امتحان پاس کیا ہوا تھا۔ جنگ بند ہو جانے پر آپ بھی چھانٹی میں آ کر فارغ کر دیئے گئے تھے اور ۱۹۴۵ء کے آخر میں گھر واپس آ گئے تھے پھر یہ معلوم ہونے پر کہ قادیان میں خدام کی ضرورت ہے۔ قادیان آ گئے اور قادیان میں حلقہ ناصر آباد خدام میں شامل ہو کر خدمات بجالانے لگے۔ ۱۹۴۸ء میں جب چار حلقوں کی صورت حال میں خدام کا نظام مقرر ہوا تو آپ صدر حلقہ ناصر آباد کے دفتر میں بطور کلرک مقرر ہوئے ان دنوں حلقہ جات کے خدام کے ماہوار الاؤنس کے بل بنانا، لنگر خانہ سے کھانا حاصل کرنے کی پرچیاں جاری کرنا اور پھر ان کے ماہانہ الاؤنس میں سے کھانے اور چندہ وضع کر کے داخل کرانا حلقہ جات کے نگران صاحبان کے ذمہ ہوتا تھا۔ حلقہ جات ناصر آباد خدام کو کچھ گزارہ بھی ملتا تھا اور اس گزارہ میں سے ماہوار کچھ رقم ان کے بیوی بچوں کو بھی بھجوائی جاتی تھی۔ اس لئے حلقہ ناصر آباد کے کلرک کے لئے کافی کام ہوتا تھا۔ ملک صاحب کئی سال تک یہ کام کرتے رہے۔ جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی تنظیم نو ہوئی تو اس وقت مکرم ملک محمد بشیر صاحب کو دفتر بیت المال میں بطور

کلرک خدمت کا موقع ملا۔ آپ کئی سال تک دفتر بیت المال میں بطور کلرک خدمت کرتے رہے۔ جب صدر انجمن احمدیہ نے درویشان میں یہ تحریک کی کہ جو اپنا کاروبار کر کے اپنا بوجھ انجمن کے بجٹ سے کم کر سکتے ہیں وہ فارغ ہو جائیں ملک صاحب بھی فارغ ہو گئے اور بٹالہ جا کر نکل پلیٹنگ کا کام سیکھا اور احمدیہ چوک میں نکل پلیٹنگ کی دوکان کھولی سال ڈیڑھ سال کوشش کی مگر یہ کام یہاں نہیں چل سکا۔ کام فیل ہو گیا مگر ملک صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور امرتسر جا کر سنگ مرمر میں کھدائی کا کام سیکھا اور قادیان آ کر شروع کیا۔ صرف بہشتی مقبرہ کے کتبہ جات ہی انہیں مل پاتے تھے باقی شہر میں اس کام کی مانگ نہ تھی اور صرف بہشتی مقبرہ کا کام اتنا نہیں ہوتا تھا کہ اس پر ایک فیملی گزارہ کر سکے لہٰذا یہ کام بھی فیل ہو گیا اور آپ مجبور ہو گئے کہ صدر انجمن احمدیہ سے گزارہ لے کر دفاتر میں کوئی ڈیوٹی لیں۔ آپ نے درخواست کی تو صدر انجمن احمدیہ نے انہیں واپس لے لیا اور آپ کا تقرر دفتر تعمیرات میں بطور ایمپرسٹ کلرک ہوا۔ کئی سال آپ نے تعمیر کے دفتر میں کام کیا آڈٹ کے موقعہ پر حسابات میں کچھ گڑ بڑ نکلی چکی ذمہ داری ملک صاحب پر ہی پڑتی تھی اس وجہ سے صدر انجمن احمدیہ نے انہیں پھر ملازمت سے فارغ کر دیا یہ ایام ملک صاحب پر بڑے سخت اور صبر آزما تھے مگر آپ نے بڑے صبر سے دن گزارے۔ اس عرصہ میں آپ نے سائیکلوں کی مرمت کا کام شروع کیا اور مرمت کا کام چل جانے پر نئے سائیکل بھی لا کر فروخت کرنا شروع کر دیئے اور کاروبار کی حالت اچھی ہو گئی آپ نے حسابات میں جو رقم آپ کے ذمہ نکلی تھی وہ بھی ادا کر دی اور معاف بھی کر دیا اسی اثناء میں آپ کی عمر ۶۵ سال ہو چکی تھی درویشان کا فیملی سکیل گزارہ بطور پینشن منظور ہو گیا اور آپ نے اپنا سائیکلوں کا کام بھی جاری رکھا۔

درویشی میں آنے سے قبل آپ کی شادی ہو چکی ہوئی تھی مگر یہ شادی کامیاب

نہیں ہو سکی اور علیحدگی ہو گئی تھی۔ قادیان میں درویشوں کی شادیوں کا آغاز یوپی سے ہوا تھا پھر بہار پھر اڑیسہ حیدرآباد دکن اور چند شادیاں مدراس اور مالابار بھی ہوئیں۔ کشمیر میں شروع میں ہی ایک درویش کی شادی ہوئی جو ناکام ہو گئی اور آگے ایک عرصہ تک ڈیڈ لاک ہو گیا۔ پھر ۱۹۵۳ء میں مکرم ملک صلاح الدین صاحب کے بھدرواہ جانے سے (بھدرواہ میں ایک فیملی ہی احمدی تھی باقی ۸/۱۰ خاندان احمدی تھے مگر ان کا تعلق جماعت لاہور سے تھا ملک صاحب کے جانے پر ان کی اکثریت نئے سرے سے بیعت خلافت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئی صرف دو گھر باقی رہے جو اب تک اہل پیغام کے ساتھ ہیں) وہاں مکرم ملک صاحب نے اپنی دوسری شادی کی اور آپ کے توسط سے مکرم ملک محمد بشیر صاحب کا رشتہ بھی بھدرواہ میں طے پا گیا اور یہ شادی کامیاب اور بابرکت ثابت ہوئی اس میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو لڑکیاں اور تین لڑکے دیئے یہ سب شادی شدہ اور برسر روزگار اور قادیان میں ہی ہیں۔

آپ کو شدید کھانسی کا عارضہ اکثر ہو جاتا کرتا تھا۔ ماہ جنوری ۹۴ء میں جبکہ شدید سردی کا موسم تھا آپ پر کھانسی کا حملہ ہوا جس سے چھاتی میں جکڑن کا احساس شدید ہو گیا۔ احمدیہ شفاخانہ کے علاج کے علاوہ بھاٹیہ ہسپتال میں بھی چند روز داخل کرایا گیا۔ مگر فائدہ نہیں ہوا کمزوری بڑھتی چلی گئی اور ناطاقتی کے باعث کھانس کر بلغم بھی خارج کرنا مشکل ہو گیا اور اسی جان لیوا حملہ کے دوران مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۹۴ء آپ نے نقدِ جاں ملک الموت کے حوالہ کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم ولی محمد صاحب گجراتی

ولد مکرم شاہ محمد صاحب شادی وال گجرات

آپ بھی حلقہ ناصر آباد خدام میں سے تھے۔ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران فوج میں بھرتی ہوگئے تھے اور جنگ ختم ہونے پر فوج سے فارغ ہو کر گھر واپس آگئے تھے اور جب قادیان میں خدام کی ضرورت پڑی تو آپ بھی قادیان آکر خدام حلقہ ناصر آباد میں شامل ہوگئے تھے۔ جماعت کی اکثریت قادیان سے ہجرت کر جانے پر جب قادیان میں ۳۱۳ افراد رکھے جانے کا فیصلہ ہوا تو آپ کو بھی اس فہرست میں سلیکٹ کر لیا گیا۔

دیہاتی وضع داری کا ٹھیٹھ نمونہ تھے۔ ہمیشہ تہبند اور ڈھیلی ڈھالی قمیص زیب تن کی سر پر پگڑی یا پٹکا رکھتے تھے۔ مجھ کو حیرانی ہوتی ہے کہ ملٹری میں یہ پتلون کس طرح پہنتے ہوں گے۔ درویشی میں انہیں پتلون پہنے ہوئے کبھی نہیں دیکھا چونکہ پڑھے ہوئے نہیں تھے کسی دفتری ڈیوٹی پر خدمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ کچھ بعض دفاتر میں بطور مددگار کارکن خدمت کی توفیق ملی۔ پہرہ وغیرہ کی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ ۶۵ سال عمر ہونے تک ڈیوٹیاں دیتے رہے بعد ازاں انجمن نے انہیں بھی فیملی سکیل گزارہ دے کر بطور پنشنر فارغ کر دیا ہوا تھا۔ بھینس پالنے کا شوق آپ کو دیہاتی زندگی سے ہی تھا درویشی میں بھی بھینس پالتے رہے ہیں اور بھینسوں کے چارہ کے لئے زمین ٹھیکہ پر لے کر چارہ اور کچھ غلّہ بھی کاشت کر لیا کرتے تھے۔ یہ شوق آگے آپ کی اولاد میں بھی ہے اور اب بھی ان کے گھر میں بھینس بندھی ہوئی نظر آتی ہیں۔

جب درویشان کی فیملیاں پاکستان سے آئیں تو آپ کی اہلیہ مع دو بچیوں کے آگئی تھیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار لڑکے اور ایک لڑکی عطا فرمائی۔ آپ کی اہلیہ بھی آپ کی طرح دیہاتی وضع داری کا نمونہ تھیں۔ ایک مرتبہ جلسہ سالانہ پر پاکستان سے آنے والے قافلہ میں مکرم جمعدار محمد اشرف صاحب کی والدہ بھی تشریف لائی تھیں۔ انہوں نے چوہدری سکندر خان صاحب مرحوم سے اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے کہا کہ سکندر میں نے دیکھا ہے یہاں پر درویش بن کر درویشوں میں بڑی تبدیلی آئی ہے۔ مگر ولی محمد کا ٹبر سارے کا سارا دیہاتی ہی رہا ہے۔ ان میں کوئی تبدیلی میں نے نہیں دیکھی ضیق النفس کا عارضہ آپ کو پرانا تھا۔ دوائی لگاتار جاری رہتی تھی۔ آج کل اگر امرتسر جائیں اور T.B سپیشلسٹ ڈاکٹر جو امرتسر سینی ٹوریم کے انچارج کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ان کے آفس کے باہر بورڈ پر لکھا ہوا ہے۔ T.B علاج پزیر بیماری ہے۔ اور دمہ علاج پزیر نہیں ہے۔ دمہ میں صرف سہولت سے سانس آنے کے لئے ہی دوائیاں جاری رکھنی پڑتی ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۵ء تک سٹرامونیم سگریٹ ملا کرتے تھے۔ اس کے چند کش لینے سے ہی دمہ کا دورہ سکون پزیر ہو جایا کرتا تھا۔ درویشوں میں ولی محمد صاحب کے علاوہ اور بھی ۱۰ کے قریب درویش اس بیماری میں مبتلا تھے۔ امرتسر میں ڈاکٹر امریک سنگھ صاحب جو چاول منڈی میں پریکٹس کرتے تھے وہ دمہ کے سپیشلسٹ تھے اور ان کی بڑی شہرت تھی۔ محترم حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ خود ان کے پاس جائیں اور صورت حال کا پتہ کر کے آئیں۔ میں گیا ڈاکٹر صاحب بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور بتایا کہ وہ ہر مریض کو دیکھنے کی فیس ۱۶ روپے لیتے ہیں۔ اور ایک ہفتہ کی دوائی ۲۰ روپے میں دیتے ہیں۔ اور ایک مریض کو تین مرتبہ اسی فیس میں دیکھتے ہیں۔ چوتھی مرتبہ نئی فیس ادا کرنا ہوتی ہے۔ میں نے یہ سب سن کر

عرض کیا کہ میں قادیان رہنے والے درویشوں کا نمائندہ ہوں (جنرل سیکرٹری لوکل انجمن احمدیہ) اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ ہم قادیان میں مقدس مقامات کے سیوادار ہیں اور ہمیں لنگر خانہ سے مفت کھانا اور چند روپے متفرق خرچ کے لئے ملتے ہیں اور علاج معالجہ اپنی ڈسپنسری سے فری ہوتا ہے۔ ہم لوگ آپ کے پاس بار بار آنے کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ آنے جانے میں ریل کا خرچ ہی آپ کی فیس اور دوائی کی قیمت سے زیادہ ہے۔ میں تو اس لئے آیا ہوں کہ آپ نسخہ ہمیں دے دیں ہم اپنی ڈسپنسری کو دے کر کہیں گے کہ اس کے مطابق ادویات ہمیں فراہم کرے۔ ڈاکٹر صاحب میری صاف گوئی پر خوش ہوئے اور مجھے چائے بھی پلائی اور نسخہ بھی لکھ کر دیا۔ میں نے واپس آکر حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں رپورٹ دی اور نسخہ بھی ساتھ پیش کر دیا آپ نے بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ آپ خود یہ دوائیاں منگوا کر اپنے پاس سٹاک رکھتے اور دمہ کے مریضوں میں تقسیم فرماتے رہتے۔ یہ سلسلہ کم وبیش چالیس سال تک جاری رہا۔ اب اکثر دمہ کے مریض ان ہیلر استعمال کرنے لگ گئے ہیں۔ اور وہ پرانے مریض وفات پا چکے ہوئے ہیں۔

مکرم ولی محمد صاحب کو بھی دمہ ہی تھا اور گاہ بگاہ اس کا حملہ ہوتا رہتا تھا اسی بیماری کے ایک جان لیوا حملہ میں آپ مؤرخہ ۲۷ فروری ۱۹۹۴ء کو عالم بالا کے سفر کو روانہ ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

بہشتی مقبرہ میں آپ محو خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک بیٹی پاکستان میں ہے ایک امریکہ میں، ایک بیٹا پاکستان میں ہے ایک وفات پا چکا ہے اور باقی ایک بیٹی اور دو بیٹے قادیان میں ہیں۔ دونوں بیٹے دفاتر میں مددگار کارکن کے طور پر خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم محمد سلیمان صاحب

ولد رسول بخش صاحب سرس پور ضلع گوڑگاؤں (دہلی)

محمد سلیمان صاحب اور قمر دین صاحب دونوں ۱۹۴۷ء کے شروع میں ہی اپنے گاؤں سے قادیان آ گئے تھے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ وہاں ہم خالص دینی ماحول میں رہیں گے اور وہیں محنت مزدوری بھی کریں گے ان کے علاقہ میں پھر سے مسلمان گھرانے ہندو مذہب اختیار کر رہے تھے ان کے قادیان آ جانے کے چند ماہ بعد ہی فسادات شدت اختیار کر گئے تھے اور آمد و رفت کا سلسلہ بھی مسدود ہو گیا تھا یہ پھر اپنے گاؤں لوٹ کر نہیں جا سکے۔ قادیان میں کسی کی مکان میں سفیدی کر دی کسی کی چھتوں سے گھاس صاف کر دیا اور اس قسم کی مزدوری سے گزارا چلاتے رہے تا آنکہ ملک تقسیم ہو کر آزاد ہو گیا اور دنیا میں اس قدر عظیم مبادلہ آبادی ہوا کہ اس کی اس سے قبل کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ انہیں یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ ہمارے کنبہ کے افراد اب کس حال میں ہیں اور کہاں ہیں۔ قادیان میں ۳۱۳ درویشان میں یہ دونوں بھی تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا ورنہ قادیان سے باہر ہوتے تو خدا معلوم کس حالت میں ہوتے جو ہوا خوب ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چنیدہ افراد میں شامل فرما دیا۔

۱۹۴۸ء کے جلسہ سالانہ پر ہندوستان سے ۵۰ افراد کا قافلہ جلسہ میں شرکت کے لئے پولیس کی نگرانی میں آیا تھا اس قافلہ میں قمر الدین صاحب کے والد صاحب بھی آئے تھے ان سے معلوم ہوا کہ محمد سلیمان صاحب کا سارا کنبہ پاکستان ہجرت کر

کے جا چکا ہے۔ ان دونوں کی تعلیم پرائمری تک تھی۔ قادیان میں ایک ہی احمدی حجام درویشان میں رہا تھا ۱۹۴۸ء میں وہ یہاں سے فرار ہو گیا۔ قادیان میں سخت وقت کا سامنا ہوا کیونکہ غیر مسلم بھائیوں کی طرف سے بائیکاٹ ہوا تھا اور نیز ہمارا اپنے ایریا سے آزادانہ بازار جانے کا سسٹم شروع نہیں ہوا تھا۔ مکرم بشیر احمد صاحب خادم اور مکرم مولوی بشیر احمد کالا افغاناں اس کام کی کچھ سوجھ بوجھ رکھتے تھے انہوں نے اس بحران کو بڑی جرأت سے حل کیا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود حجامتوں کا کام شروع کر کے سہولت بہم پہنچائی بلکہ محمد سلیمان صاحب دہلوی کو بھی یہ فن سکھا دیا اور محمد سلیمان صاحب پھر زندگی بھر اس کام کو کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

محمد سلیمان صاحب دفتر میں مددگار کارکن کے طور پر کام کرتے تھے اور فارغ وقت میں حجامتوں کا کام۔ صدر انجمن احمدیہ نے ۱۹۶۲ء کے بعد ایک سہولت درویشان کو دی تھی کہ وہ سروس کمشن کا امتحان پاس کر کے بطور محرر سروس کر سکتے ہیں خواہ ان کی بنیادی تعلیم کچھ ہی ہو۔ اس سے متعدد درویشان نے فائدہ اٹھایا تھا۔ مکرم محمد سلیمان صاحب بھی ان میں شامل تھے۔ اور انہیں محرر کے طور پر ملازمت میں شامل کر لیا گیا تھا۔

آپ کی شادی حیدر آباد میں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بیوی سے دو لڑکیاں اور دو لڑکے عطا فرمائے۔ ایک لڑکے کی شادی قادیان میں ہی ایک دوسرے درویش کی بیٹی سے ہو چکی ہوئی ہے۔ دوسرے بیٹے کی حیدر آباد میں۔ جس لڑکے کی شادی قادیان میں ہوئی ان میاں بیوی کے درمیان کچھ نزاع کی صورت پیدا ہو گئی تھی جو چند ماہ کے بعد لڑکے کو الگ مکان کی سہولت مل جانے سے حل ہو گئی۔ والدین نے بچی کو رخصت کر دیا اور معافی بھی مانگی اور درخواست کی کہ آپ ہمارے ہاں آج رات کا کھانا بھی کھائیں مکرم محمد سلیمان صاحب نے دعوت منظور

کر لی اور شام کو دعوت کے لئے جانے کے لئے تیار ہوئے اور اہلیہ کو بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ اہلیہ نے جانے سے انکار کر دیا بہت سمجھایا مگر وہ راضی نہیں ہوئیں آخر وہ خود اٹھ کر چل پڑے کہ میں نے تو ان کی دعوت قبول کر لی تھی میرا جانا فرض ہے۔ ان کے سمبندھی کا گھر احمدیہ کالونی میں کوارٹر نمبر ۱۴ میں تھا۔ آپ کا گھر مسجد مبارک کے قریب تھا۔ افسردہ دل کے ساتھ چل پڑے بہشتی مقبرہ کی طرف ڈھاب کا پل پار کر کے گراؤنڈ میں سے ہوتے ہوئے جا رہے تھے کہ رستہ میں کوئی ٹھوکر لگی یا خدا معلوم کیا ماجرا درپیش ہوا گر پڑے اور گرتے ہی آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضا کی جنتوں میں داخل کرے یہ ماہ اپریل کی پہلی تاریخ اور ۱۹۹۴ء تھا اگلے روز ۲ اپریل ۱۹۹۴ء کو بہشتی مقبرہ میں آپ کا جسم بہشتی مقبرہ کی مقدس زمین کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ کی یادگار دو بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں سب ہی شادی شدہ اپنے گھروں میں شاد و آباد ہیں دونوں بیٹے صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں خدمت بجا لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم سائیں عبدالرحمٰن صاحب

ولد فضل دین صاحب

محلہ باب الانوار قادیان میں رہتے تھے۔ بکریاں پالنا آپ کا شوق اور ذریعہ معاش تھا نیز بکریوں کے ساتھ رپاڑکی کے علاقہ میں گھومتے رہنے کی وجہ سے اس علاقہ میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں کا بھی وسیع علم اور تجربہ رکھتے تھے۔ مجھے ایک دفعہ ایک بوٹی دھوانہ کی ضرورت پڑی ادھر شاہدرہ کے اردگرد کثرت سے مل جاتی ہے۔ میں نے یہاں تلاش کی تو مل نہیں سکی ایک روز سائیں جی سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا تو بتایا کہ یہ کڑی افغاناں میں ملے گی میں نے کہا اگر ادھر ہوتی تو قریب سب گاؤں میں ملنی چاہیئے کہنے لگے نہیں صرف کڑی میں ہی ملے گی۔ ہم دونوں سائیکلوں پر چل پڑے رستہ میں دیکھتے گئے کہیں نہیں ملی آخر کڑی افغاناں جا کر مل گئی۔ اس سفر میں چند سانپوں سے بھی سابقہ پڑا آپ کو سانپوں کے بارہ میں بھی خاصی معلومات تھیں۔ جڑی بوٹیوں کی جانکاری کی وجہ سے چھوٹا علاج معالجہ دوائیوں سے اور دم درود سے بھی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح دانت داڑیں اکھاڑنے کا فن بھی آپ کو آتا تھا۔ یوں تو جمور وغیرہ رکھے ہوئے تھے مگر اکثر اوقات ہاتھ سے ہی دانت نکال دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں ایک چائے کی دوکان میں بیٹھا تھا۔ وہاں ایک اور واقف دوست پہلے سے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے چائے کی دعوت دی میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے دانت میں درد ہے میں چائے نہیں پیوں گا میں نے داڑھ

میں دوائی رکھی ہے۔ وہاں مکرم سائیں جی بھی بیٹھے تھے مجھے کہنے لگے بتایئے کونسی داڑھ ہے۔ میں نے انگلی سے بتایا انہوں نے جوں میرے منہ میں ہاتھ ڈالا ہاتھ باہر آیا تو داڑھ ان کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے کچھ زیادہ تکلیف بھی محسوس نہیں کی۔ واقعی وہ اچھا تجربہ رکھتے تھے۔

زمانہ درویشی کی ابتداء میں ہفتہ میں دو بار گوشت ہوا کرتا تھا۔ مکرم سائیں عبدالرحمٰن صاحب ہی گوشت سپلائی کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اپنی بعض مجبوریوں کے باعث گوشت کا کام بند کر دیا اور پھر مکرم مستری محمد الہ دین صاحب اور مرزا محمود احمد صاحب کئی سال تک گوشت سپلائی کرتے رہے۔ جب صدر انجمن احمدیہ نے درویشان میں تحریک کی کہ جو اپنا کام کر کے اپنے اخراجات چلا سکتے ہیں وہ انجمن کے بجٹ سے اپنا بوجھ کم کر دیں۔ مکرم سائیں جی بھی فارغ ہو گئے تھے اور اردگرد دیہات میں پھیری کے ذریعہ علاج معالجہ اور دانت داڑیں نکالنے کا کام کر کے گزارہ چلاتے تھے۔

آپ کی شادی پہلے ہو چکی ہوئی تھی بچے بھی تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کے وقت ان کی بیوی بچے بھی پاکستان چلے گئے تھے پہلے آپ کی بھی یہ خواہش تھی کہ اہلیہ کو بلوالوں گا اہلیہ نے بچوں کو چھوڑ کر آنا پسند نہیں کیا کئی سال آپ نے تجرد میں گزار دیئے۔ آخر پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد آپ نے اڑیسہ میں شادی کر لی۔ اڑیسہ والی اہلیہ کے ساتھ ایک بچی بھی آئی تھی آپ اپنی ربیعہ سے بڑی محبت سے پیش آتے اور اس کی تربیت اور پڑھائی کا خاص طور پر خیال رکھتے اس اہلیہ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کئی سال بعد آپ کی یہ اہلیہ بھی وفات پا گئیں۔ بچی ربیعہ اب تک جوان ہو چکی تھیں۔ ایک نئے احمدی نوجوان سے اس کی شادی کر کے اس کو گھر داماد رکھ لیا۔ اس داماد نے واقعی آپ کی بڑی خدمت کی آپ کمزوری کے باعث چلنے پھرنے میں

بھی وقت محسوس کرتے تھے داماد انہیں سہارا دے کر جہاں جانا چاہتے لے جاتا بعض اوقات مسجد جاتے تو سیڑھیاں چڑھنا مشکل ہوتا آپ کے داماد آپ کو اپنی پشت پر اٹھا کر سیڑھیاں چڑھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

سائیں جی جب فارغ ہو گئے تو فارغ ہی رہے تا آنکہ آپ کی عمر ۶۵ سال کی حد کو پار کر گئی۔ تب صدر انجمن کی طرف سے فیملی سکیل گزارہ بطور پنشن منظور ہوا۔ اور آخر تک قائم رہا سائیں عبدالرحمٰن صاحب کو بھی ضیق النفس کا عارضہ لاحق تھا روزانہ ایک دو خوراکیں دوائی کھاتے تھے تب وقت گزرتا تھا آہستہ آہستہ دوائی سے بھی پورا فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ بدن دوائی کا عادی ہو جاتا ہے اور کم اثر قبول کرتا ہے اس لئے وہ بھی ان ہیلر کے عادی ہو گئے تھے۔ اور ان ہیلر کئی دفعہ ایسے موقعہ پر ختم ہوتا کہ جب دوسرا مہیا کرنا مشکل ہوتا اور پھر دوسرے دوست جو ان ہیلر کے عادی تھے کو سوتے ہوئے جگا کر عارضی طور پر ان ہیلر لانا پڑتا۔ کمزوری بہت ہو گئی تھی اور ہائی بلڈ پریشر بھی تھا یہ عوارض مل کر آپ کی زندگی کے درپے ہو گئے تھے۔ آخر مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۹۵ء کو وہ وقت مقدر آن پہنچا کہ آپ کا ناطہ عالم فانی سے کٹ کر عالم جاودانی میں جا ناطے ہو چکا تھا۔ آپ ایک جست میں یہ سفر طے کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے پیچھے قادیان میں ایک ربیبہ اور داماد سوگوار رہ گئے اللہ تعالیٰ سائیں جی کو اپنے حضور بلند مقام عطا فرمائے اور پیچھے رہنے والوں کو صبر دے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم قاضی عبدالحمید صاحب

ولد قاضی عبدالعزیز صاحب محلہ دارالبرکات شرقی قادیان

جب قادیان میں رہنے کے لئے ۳۱۳ افراد کا انتخاب کیا جا رہا تھا تو اس وقت عام معمول کی ضروریات کو تو مدنظر رکھا گیا تھا مگر اتنی باریک بینی سے جائزہ نہیں لیا گیا تھا کہ دو چار یا دس سال بعد کیا ضرورتیں پیش آسکتی ہیں اور ان ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر موزوں افراد کو یہاں رکھ لیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا ہی احسان ہے کہ بعد میں جو ضرورت پیش آئی اس کام کو جاننے والے افراد ان درویشوں میں سے ہی نکل آئے۔ درویشی کے چار سال گزر جانے پر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ جماعت کا اپنا کوئی ترجمان اخبار ہونا از بس ضروری ہے۔ اس کے لئے ضروری کارروائی کی گئی اور ہفت روزہ بدر نکالنے کی منظوری مل گئی۔ اس کے لئے کاتب اور سنگ ساز کی ضرورت تھی جب پڑتال کی گئی تو یہ کام جاننے والے درویشوں میں سے ہی ایک نکل آئے مکرم قاضی عبدالحمید صاحب بہت اچھے کاتب سنگ ساز تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے پینٹر بھی تھے یہ مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو گیا اور مکرم قاضی صاحب دس سال تک اکیلے ہی یہ فریضہ انجام دیتے رہے چند بار قاضی صاحب کے علیل ہونے کے باعث یہ ضرورت سامنے آئی کہ قاضی صاحب کا کوئی متبادل ہونا چاہئے تو مکرم قاضی صاحب نے نئی پود میں سے ۸/۱۰ افراد کو یہ فن سکھا کر اس میں ماہر بنا دیا اس وقت سلسلہ کی ضرورت بھی کئی گنا بڑھ چکی تھی اور صیغہ نشر و اشاعت کی طرف سے بہت سا لٹریچر شائع کرنا

ضروری ہو گیا تھا۔

۱۹۸۰ء کے بعد ایک مرتبہ مکرم قاضی صاحب گر پڑے تھے اور کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اس کی وجہ سے آپ ایک عرصہ فریش رہے پھر بساکھی پر چلنا شروع کیا اور دوسرے سال تک چھڑی کے سہارے چلنے لگ گئے تھے اس وجہ سے اب آپ کتابت کا کام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے آپ نے اپنے بیٹے قاضی شاہد احمد صاحب کو پینٹر کا کام بھی سکھا دیا تھا اور یہ عزیز آج تک جماعتی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ دفتر میں بطور کلرک بھی خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

جب درویشان کی فیملیاں پاکستان سے قادیان آئی تھیں تو آپ کی اہلیہ بھی آ گئی تھیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ دونوں لڑکیوں کی شادیاں پاکستان میں ہو چکی ہیں۔ ایک بیٹا بھی پاکستان میں ہے باقی دونوں بیٹے قادیان میں اب تک خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

دوسری عالم گیر جنگ کے دوران بطور فٹر ملٹری میں بھرتی ہو گئے تھے جنگ ختم ہونے پر گھر آ گئے اور قادیان سے ہجرت کے وقت ۳۱۳ درویشان میں ٹھہر گئے نہایت متین سنجیدہ مزاج خاموش طبع عبادت گزار اور اکثر مطالعہ میں مصروف رہنے والے تھے۔ سلسلہ کے افسران کی فرمانبرداری آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔ مؤرخہ گیارہ جون ۱۹۹۵ء نہر پر پکنک منانے اپنی پوری فیملی کے ساتھ گئے تھے وہاں نہر پر نہاتے بھی رہے تیرتے بھی رہے نہایت خوش شام کو گھر لوٹے کھانا کھا کر نماز عشاء ادا کی اور عام معمول کے مطابق سو گئے۔ رات کو ڈیڑھ پونے دو بجے اپنے بیٹے شاہد کو آواز دی وہ فوراً اٹھ کر گئے کہ ابا جان کیا ہے آپ کی طبیعت تو اچھی ہے کہنے لگے میرا سانس رک رہا ہے۔ میں فوراً گیا اور مکرم ڈاکٹر عبدالرشید صاحب بدر کو بلا کر لے آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بعد معائنہ انجکشن دیا جس سے کچھ غنودگی ہو گئی بظاہر یہ محسوس ہوا کہ

آرام ہے مگر ایک گھنٹہ کے اندر اندر آپ نے نہایت آسانی سے سرائے فانی سے کوچ کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

۱۲ جون ۱۹۹۵ء بوقت سحر وفات پائی اور اسی روز بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو آپ کی نیکیاں زندہ رکھنے کی توفیق دے اور ان کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب

ولد نور محمد صاحب چک نمبر ۳۰۶ ملتان

درویشی دور میں جب میں نے مولوی صاحب کو پہلی دفعہ دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ میں نے انہیں پہلے بھی دیکھا ہوا ہے مگر قریب بیٹھنے کے باوجود مولوی صاحب کی طرف سے کوئی ایسا اظہار نہیں ہوا کہ جس سے معلوم ہوتا کہ وہ بھی مجھے جانتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ آدمیوں کے ہم شکل ہوتے ہیں غالباً مولوی صاحب بھی کسی میرے دوست کے ہم شکل ہوں گے جن کا حلیہ اب میرے ذہن میں نہیں آرہا۔ ۱۹۵۲ء کے جلسہ سالانہ پر میرے والد صاحب پاکستان سے قافلہ کے ہمراہ قادیان آئے تو میں نے مولوی عبداللہ صاحب کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھ کر والد صاحب سے کہا کہ ان بھائی صاحب کو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر یاد نہیں آرہا کہ کہاں دیکھا ہے۔ اتنی دیر میں مولوی عبداللہ صاحب ہمارے قریب آگئے تھے والد صاحب انہیں دیکھتے ہی بڑے تپاک سے ملے اور بتایا کہ یہ ہمارے ملٹری کے ساتھی ہیں۔ ہمارے گھر میں جو ملٹری افسران کا گروپ فوٹو تھا اس میں مولوی صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ فوٹو سے آپ نے ان کو دیکھا ہوا ہے۔ تب مجھے یاد آیا کہ واقعی ہمارے گھر میں جو فوٹو تھا اس کو ہم اکثر دیکھتے تھے اور یہ شکل ذہن میں محفوظ ہو چکی ہوئی تھی اس کے بعد مولوی صاحب سے برادرانہ تعلقات قائم رہے۔

مولوی صاحب کو دفاتر کی تنظیم نو ہوتے ہی دفتر میں لگا لیا گیا تھا۔ آپ نائب افسر لنگر خانہ بھی رہے۔ سیکرٹری بہشتی مقبرہ بھی اور نظارت علیا میں خاصی مدت تک نائب ناظر بھی رہے۔ کام کے بہت پکے تھے اور دفتر اوقات میں اپنے دفتر میں پورا ٹائم حاضر رہتے تھے اپنا کام پنڈنگ نہیں چھوڑتے تھے اور دفتر ٹائم کے علاوہ گھر پر ہی رہتے تھے۔ ایک عرصہ تک ایک گائے بھی پال رکھی تھی۔ اس کا چارہ لینے بچوں کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔ جب بچے بڑی کلاسوں میں ہو گئے اور خود بھی کمزور ہو گئے تو پھر یہ شغل بند کر دیا اور دودھ دوسروں سے خریدنے لگے۔

مولوی صاحب کی شادی ملٹری کی سروس کے دوران ہوئی تھی۔ اس بیوی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔ پھر آپ نے دوسری شادی پہلی بیوی کی چھوٹی بہن سے کی جب آپ خدمت مرکز کے لئے قادیان آگئے تو یہ اہلیہ اپنے میکے رہ گئی تھیں جب درویشان کی بیویاں پاکستان سے قادیان آئیں تو آپ کی فیملی بھی قادیان آگئی۔ اس اہلیہ کے بطن سے آپ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہ اہلیہ بھی ایک بچی کی پیدائش کے موقعہ پر وفات پا گئیں پھر آپ نے بھاگل پور بہار میں تیسری شادی کی اس اہلیہ کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ازاں بعد اس اہلیہ سے علیحدگی ہو گئی اور پھر آپ نے کشمیر میں چوتھی شادی کی اس اہلیہ کے بطن سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اس طرح کل ملا کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھ لڑکے اور سات لڑکیاں عطا فرمائی ہیں جن میں سے دو لڑکے اور دو لڑکیوں کے علاوہ باقی سب بچے شادی شدہ اپنے گھروں میں آباد اور شاد ہیں۔

مولوی صاحب کو اکثر نزلہ اور زکام کا عارضہ لاحق رہتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ یہ بیماری ضیق النفس کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ ماہ اگست ۱۹۹۵ء کے شروع میں آپ کی اہلیہ کو ٹائیفائیڈ ہوا اور انہیں اس وجہ سے احمدیہ ہسپتال داخل کرانا پڑا۔ انہی ایام

میں جب کہ اہلیہ ہسپتال میں داخل تھیں۔ مؤرخہ ۲ اور ۳ اگست کی درمیانی رات کو آپ پر دمہ کا حملہ ہوا۔ گھر میں صرف بچے ہی تھے۔ دورہ شدید تھا اور اسی دورہ کے دوران آپ کی روح دار فانی میں اپنے قیام کی مدت پوری کر کے ملک بقا کے سفر پر روانہ ہو گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مؤرخہ ۳ اگست ۱۹۹۵ء بعد نماز عصر آپ کے جسم خاکی کو بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک کے سپرد کر دیا گیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے غلاموں کے مقام پر جگہ دے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم امیر احمد صاحب

ولد مہر دین صاحب خادم مسجد مبارک قادیان

۱۹۴۷ء سے قبل ایک خاصی مدت آپ مسجد مبارک میں خدمت بجالاتے رہے ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں احرار کے فتنہ کے ایام میں جب قصر خلافت پر مغربی جانب سے حملہ کرنے کی غرض سے دو مرتبہ کوشش کی گئی تو جماعت کی طرف سے الدار کے خصوصی پہرہ کا انتظام کیا گیا۔ محلّہ جات سے باری باری خدام اس غرض سے آتے تھے۔ ایک پہرہ کی پکٹ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کے سامنے تھڑے پر ہوتی تھی۔ دوسری پکٹ مسجد مبارک کی بڑی سیڑھیوں کے پاس ہوتی تھی اور ایک دفاتر تحریک جدید کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ ان جگہوں پر ڈیوٹی کے لئے جو خدام آتے تھے وہ بڑے دفاتر کے سامنے تھڑے پر دو چٹائیاں ہوتی تھیں جن کی ڈیوٹی ہوتی وہ جاگ کر مسجد اقصیٰ کے بڑے گیٹ تک گھوم کر پہرہ دیتے اور جن کی باری بعد میں ہوتی وہ ان چٹائیوں پر سو لیتے تھے۔ سردیوں میں بڑے دفاتر کی ڈیوڑھی میں گزارہ کر لیتے۔ تحریک جدید کی طرف والے تحریک جدید دفتر کے برآمدہ سے فائدہ اٹھا لیتے۔ بعد میں گیٹ قصر خلافت کے باہر ایک کمرہ بھی بنا دیا گیا تھا جس میں رات کو پہرہ دار ہوتے اور دن بھر حضور کی ملاقات کے لئے آئے افراد کے لئے انتظار گاہ کا کام دیتا۔ مسجد مبارک کی طرف کوئی ایسی جگہ نہیں تھی گرمیوں میں تو سڑک پر بھی گزارہ ہو جاتا۔ بارش اور سردی میں ان کو مسجد مبارک میں جانا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے ان کا خادم مسجد امیر احمد صاحب

سے بعض اوقات نزاع ہو جاتا۔ کیونکہ وہ مسجد کو سونے کے لئے ناپسند کرتے تھے۔ خود بھی وہ مسجد میں ہی ہوتے مگران کے استعمال میں وہ کمرہ تھا جو سرخی کے نشان والا کمرہ مشہور ومعروف ہے۔

امیر احمد صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ وہ خود ہی یہ معاملہ حضور کی خدمت میں لے گئے۔ اس پر جب حضور نے تحقیقات کرائی تو صورت حال کے مطابق کچھ ہدایات پہرہ داروں کے لئے فرمائیں اور امیر احمد صاحب کو بھی تحمل سے کام لینے کی ہدایت ہوئی۔ ۱۹۴۵ء کے آخر اور ۴۶ء کے شروع میں امیر احمد صاحب اس مسئلہ کی وجہ سے سخت پریشانی کا اظہار کرنے لگے۔ جس پر حضور انور نے فرمایا کہ ان کی جگہ اور انتظام کر کے انہیں گرمیوں میں کشمیر بھجوایا جائے اور حضور نے فرمایا کہ ان کا خرچ میں ادا کروں گا۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں ماہ اپریل میں انہیں کشمیر جماعت آسنور میں بھجوا دیا گیا اور وہاں سے یہ اکتوبر میں واپس آئے تو صحت ماشاء اللہ اچھی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں پھر بھجوانا تھا مگر حالات خراب ہو جانے کی وجہ سے بھجوایا نہیں جا سکا اور ملک آزاد ہو گیا ۳۱۳ درویشان میں امیر احمد صاحب درویشوں میں شامل ہو گئے۔

۱۹۴۹ء کے آخر تک پہرہ وغیرہ کی ڈیوٹیوں میں مصروف رہے انہیں مسجد کی خدمت سپرد نہیں کی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں انہیں نظارت دعوۃ تبلیغ میں لٹریچر برانچ میں متعین کر دیا گیا۔ اور پھر ۱۹۵۳ء میں ان کو مالیر کوٹلہ میں بغرض تعلیم وتبلیغ بھجوا دیا گیا۔ دو سال تک وہاں خدمت کے بعد پھر انہیں واپس بلوا کر لٹریچر برانچ میں متعین کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ ریٹائر ہونے تک اسی دفتر میں ہی خدمت کرتے رہے۔

بڑا لمبا عرصہ تجرد میں گزار۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کے بھائیوں اور والدہ نے انہیں ربوہ بلوا کر ان کی شادی کا انتظام کیا تھا۔ شادی ہو کر وہاں ربوہ میں ہی ناچاکی کی

صورت پیدا ہو گئی اور آپ اہلیہ سے علیحدگی کے بعد واپس قادیان آ گئے۔ یہاں عمر کا باقی حصہ تجرد میں ہی گزارا۔ آخری سالوں میں چیک ہوا کہ آپ بلڈ شوگر کے مریض ہیں۔ ایک زخم کی وجہ سے جو اچھا نہیں ہو رہا تھا یہ بات سامنے آئی امرتسر میں داخل کرایا گیا۔ کئی ماہ تک علاج ہوتا رہا پاؤں کا ایک انگوٹھا اور ایک انگلی بھی کاٹ دینا پڑی۔ پھر گھر تو آ گئے مگر شوگر بار بار بڑھ جاتی تھی اور پریشانی کا موجب بنتی تھی ہائی بلڈ پریشر اس پر مستزاد تھا۔ یہ اتار چڑھاؤ جاری رہا اور کمزور ہوتے چلے گئے۔ خوراک شوگر کی وجہ سے پہلے ہی کم تھی۔ بڑھتے بڑھتے یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور مؤرخہ ۳ جنوری ۱۹۹۶ء کو آپ نے نہایت خاموشی کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

مکرم عبدالکریم صاحب

ولد مولا بخش صاحب رعیہ ضلع امرتسر

آپ کے والد صاحب پرانے احمدی تھے۔ آپ کو بھی تبلیغ کا بے حد شوق تھا۔ ان کی اپنی تعلیم گو معمولی ہی تھی مگر الفضل اخبار خریدنے اور پڑھنے کے لئے غیروں کو دیتے نیز سلسلہ کا لٹریچر منگوا کر تقسیم کرتے رہتے تھے آپ باورچی کا کام بھی جانتے تھے اور ایک عرصہ مکرم ملک صاحب خان نون ڈپٹی کمشنر کے ہاں باورچی رہے تھے۔ آپ کا نام عبدالکریم ڈی سی پڑ گیا ہوا تھا اور آپ نے خود بھی اس کو اپنا لیا تھا۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر ربوہ گئے ہوئے تھے مکرم عبدالکریم صاحب کے والد صاحب بھی اپنے بیٹے کو ملنے ربوہ آئے ہوئے تھے انہیں کچھ تکلیف ہوگئی فضل عمر ہسپتال دکھایا گیا تو انہوں نے داخل کرلیا۔ ان کا اصرار تھا کہ میں نے حضور کا خطاب سننے ضرور جانا ہے۔ اس لئے انہیں انچارج صاحب فضل عمر ہسپتال نے اجازت دے دی کہ حضور کا خطاب سن کر واپس ہسپتال آجائیں مکرم مولا بخش صاحب والد بزرگوار مکرم عبدالکریم صاحب حضور کا خطاب سن کر جب واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے بیڈ پر کوئی جانگلی مریض لیٹا ہوا تھا انہوں نے آکر اس کو کہا آپ میرے بیڈ پر کیوں لیٹے ہو۔ اس نے کہا نرس یہاں چھوڑ گئی تھی میں خالی دیکھ کر لیٹ گیا انہوں نے کڑک کر کہا کہ پتہ نہیں میں ڈی سی کا باپ ہوں یہ سن کر وہ جنگلی بڑا گھبرایا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ ڈی سی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ نہ صرف عبدالکریم صاحب نے

اپنا لیا تھا بلکہ آپ کے گھر کے دیگر افراد بھی اس کو پسند کرتے تھے۔

جنگ عالم گیر ثانی میں عبدالکریم صاحب بھی فوج میں بھرتی ہوگئے تھے۔ مکرم بشیر احمد صاحب خادم بھی اس کمپنی میں تھے ان کا بیان ہے کہ فوج میں بھی لٹریچر پاس رکھتے تھے اور تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ جب چھٹی آتے تو مزید لٹریچر لے جاتے۔ ان کی تبلیغ سے ہی مستری محمد یوسف صاحب کھڈہ احمدی ہوئے یہاں درویشی دور میں بھی تبلیغ کے لئے چھٹی کے دن باہر دیہات میں نکل جایا کرتے تھے اور تبلیغ میں مصروف رہتے۔ ہر سال ڈیرہ بابا نانک جانے والا پیدل سنگ قادیان سے گزرا کرتا ہے آپ لٹریچر ساتھ لے کر ان میں شامل ہو کر چلے جاتے اور دو چار روز کے بعد لوٹتے کوئی نہ کوئی آدمی ساتھ لاتے اور اس کو قادیان میں مختلف افراد جن کو تبلیغ کا شوق تھا ملوایا کرتے اور اس کی ضیافت کرتے۔

طبیعت ذرا سخت پائی تھی۔ اپنی بات کے خلاف دوسرے کی بات نہیں سن سکتے تھے۔ اس لئے اکثر احباب سے نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی بلکہ بعض اوقات لڑائی جھگڑے کی نوبت آئی۔ غالباً ہائی بلڈ پریشر تھا جب اس کا زور ہوتا تو پھر کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ اپنی طبیعت کے خلاف کوئی بات بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔

عبادت گزار تھے نمازوں میں بڑے باقاعدہ اور تہجد گزار تھے۔ نماز میں رو رو کر دعائیں کرتے۔ اونچی اونچی ڈھائیں مار کر رویا کرتے تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ جب قادیان آئے تو عبدالکریم صاحب اپنے دروازہ کے سامنے کھڑے تھے۔ جب حضور ان کے سامنے آئے تو ایک لمبی آہ مار کر حضور سے لپٹ گئے اور دیر تک روتے رہے حضور نے دلاسا دیا اور شفقت سے نوازا۔ جلسہ کے دنوں میں دیار مسیح میں ٹھہرنے والے مہمانوں کے کھانا بنانے پر کئی سال ڈیوٹی دی۔ عمر کے لحاظ

سے اسّی سے اوپر ہی تھے اور کمزور ہوتے جا رہے تھے اور علاج معالجہ ہوتا چلا آرہا تھا۔ ماہ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں خاص طور پر کمزور رہنے لگے آہستہ آہستہ صحت گرتی ہی چلی گئی۔ ۸ نومبر کو زیادہ تکلیف محسوس کرنے لگے تو انچارج صاحب احمدیہ ہسپتال قادیان نے ہسپتال میں داخل ہو کر علاج کرانے کی ہدایت کی لہٰذا داخل کرا دیا گیا۔ رات کو طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو اٹھ کر کبھی اندر آتے کبھی باہر صحن میں اور سخت گھبراہٹ کا اظہار کرتے اور کہتے سر میں سخت درد ہے۔ ڈیوٹی پر موجود نرسوں نے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا کہ عبدالکریم صاحب کی حالت خراب ہے آپ آئیں ڈاکٹر نے معذرت کرتے ہوئے فون پر ہی ہدایت دی کہ انہیں فلاں دوائی اور فلاں انجکشن دے دیں۔ میں صبح معائنہ کروں گا۔ نرسوں نے تعمیل کی اور انجکشن لگنے کے بعد کچھ غنودگی ہوگئی۔ جس سے تیماردار اور نرسوں نے یہ تاثر لیا کہ اب کچھ افاقہ ہو گیا ہے۔ مگر وہ اس غنودگی کے دوران ہی عالم بالا کے لئے روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب یہ محسوس کیا گیا کہ غنودگی میں بے خبری کیوں شامل ہو گئی ہے۔ فوراً آکسیجن لگائی گئی مگر وہاں روح تو تھی نہیں صرف جسم خاکی ہی موجود تھا۔ روح پرواز کر چکی تھی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

مؤرخہ ۹ نومبر ۱۹۹۶ء کو رات یا ۹ نومبر کے دن صبح بوقت سحر اغلباً تین بجے وفات پائی اور اسی روز بعد نماز عصر بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

درویشان کی فیملیاں جب پاکستان سے آئی تھیں تو عبدالکریم صاحب کی اہلیہ بھی آئی تھیں۔ اس وقت دو بچے ساتھ تھے اور ایک بڑا پاکستان ہی رہ گیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں تین لڑکیاں اور ایک لڑکا عطا فرمایا اس طرح کل ملا کر آپ کے ۴ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں سب اپنے گھروں میں آباد اور خوشحال ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

مکرم محمد الدین صاحب بدر

ولد غلام نبی صاحب محلہ دار الفضل قادیان

بوٹ پالش کئے ہوئے شلوار قمیض پریس کئے ہوئے سر پر کلّے پر کلف اور ابرک لگی ہوئی پگڑی باندھے ہوئے۔ روزانہ وقت پر کارخانہ ''میک ورکس'' میں حاضر ہوتے۔ کام کے لحاظ سے آپ کا تعلق نکل پلانٹ سے تھا۔ نکل پلانٹ کا کام تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اوّل جس چیز کو نکل کرنا ہے اس کو زنگ اور چکنائی سے صاف کر کے چمڑے کی بف پر اچھی طرح اس کی سطح کو پالش کرنا، دوم تیار شدہ اشیاء کو چند منٹ ایسڈ ملے پانی میں رکھ کر پھر صاف پانی سے دھو کر نکل سالٹ والے حوض میں لٹکانا اور وقت مقررہ کے بعد نکال کر اس کو بورے میں خشک کرنا۔ سوم نکل ہو چکی اشیاء کو کپڑے کی بف پر پالش کر کے خوب چمکانا۔ محمد الدین صاحب کا تعلق نمبر ۲ والے عملہ سے تھا۔ شلوار کے نیچے نکر پہن کر جاتے تھے اور کارخانہ میں شلوار قمیض اتار کر نکر اور بنیان پہن کر جاتے تھے۔ حالانکہ عام طور پر کاریگر کارخانوں میں معمولی لباس پہن کر جاتے ہیں مگر آپ اپنی وضع داری پر قائم رہتے تھے۔ کارخانہ میں اور بھی محمد الدین نام کے آدمی کام کرتے تھے۔ اس لیئے ہر ایک کی پہچان کے لئے کوئی نہ کوئی شناختی لقب مقرر تھا ان کا لقب محمد الدین تھانیدار تھا۔ محلّہ دار الفضل میں ڈپٹی ظفر الحق صاحب کے مکان کے مشرق کی طرف ان کا مکان تھا۔ ریلوے روڈ کی طرف چار دو کانوں کی جگہ چھوڑ کر رہائشی کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے مکان کے شمال میں

ایک اور مکان چھوڑ کر اگلا مکان مکرم ملک مولا بخش صاحب پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی قادیان کا مکان تھا۔

قادیان سے جماعت احمدیہ کی اکثریت کی ہجرت کے موقع پر محمد الدین صاحب بھی ۳۱۳ درویشان میں رہ پڑے تھے آپ کا تعلق درویشان حلقہ مسجد مبارک سے تھا۔ ۱۹۵۲ء میں جب قادیان سے اخبار بدر جاری ہوا تو اس وقت مکرم محمد الدین صاحب کی ڈیوٹی بطور مددگار کارکن دفتر بدر میں لگ گئی تھی اور ایک لمبا عرصہ اخبار بدر سے ہی وابستہ رہے۔ اس وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ بدر کا اضافہ ہو کر آپ کا پورا نام محمد الدین بدر ہو گیا۔ جب آپ بطور درویش قادیان میں ٹھہرے تو آپ کی تیس سال اندازاً ہو گی۔ آپ کی شادی ہو چکی ہوئی تھی دفتر بدر سے ہی آپ ریٹائر ہوئے۔ عام کارکنان صدر انجمن احمدیہ ۶۰ سال کی عمر میں ریٹائر ہوتے ہیں۔ مگر فیملی سکیل گزارہ پانے والے درویشان کو ۶۵ سال کی عمر میں ریٹائر سمجھا جاتا تھا۔ آپ بھی ۶۵ سال کی ہی عمر میں ریٹائر ہوئے۔

طبیعت میں مزاح کا مادہ بھی پایا جاتا تھا۔ گو عام طور پر کم بولتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے جب آنکھیں بنوائیں ہوئی تھیں اور اپنے بچوں کی دوکان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے تو مکرم عبد العظیم صاحب درویش نے آپ سے پوچھا کہ بھائی محمد الدین صاحب آپ کی آنکھیں ٹھیک بن گئی ہیں۔ اور نظر بھی ٹھیک ہو گئی ہے تو جواباً کہا ہاں میری آنکھیں ٹھیک بن گئی ہیں اور رہا نظر کا سوال تو نظر بھی بہت اچھی ہے۔ مجھے اپنی قبر کی جگہ صاف دکھائی دے رہی ہے۔

درویشی میں آنے سے قبل آپ کی شادی قریب ۴۰ء میں ہو چکی ہوئی تھی اس میں سے ایک لڑکا بھی تھا۔ تقسیم ملک کے وقت بیوی بچہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ جب درویشان کی فیملیز پاکستان سے قادیان آرہی تھیں۔ تو محمد الدین صاحب

کی اہلیہ نے یہ چونکہ غیر احمدی والدین کی بیٹی تھی اور گزشتہ ۷/۶ سال سے ان کے ہاں ہی رہ رہی تھی اس نے قادیان آنے سے انکار کر دیا اس وجہ سے محمد الدین صاحب نے اس اہلیہ کو فارغ کر دیا اور یہاں دیگر درویشان کی طرح حیدر آباد میں دوسری شادی کر لی اس اہلیہ میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں عطا فرمائیں۔ پہلی بیوی میں سے جو لڑکا تھا بعد کی اطلاع کے مطابق وہ فوت ہو گیا تھا۔

آپ قریب دو سال سے علیل کمزور اور صاحب فراش تھے۔ علاج کے باوجود کمزوری بڑھتی چلی گئی اور آخر ۷ جنوری ۱۹۹۸ء کو حضرت عزرائیل نے آپ کی روح کو اپنی حفاظت میں لے کر عالم بالا میں پہنچا دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات سے نوازے اور آپ کی اولاد کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مکرم چوہدری شریف احمد صاحب ڈوگر

ولد چوہدری سردار خاں صاحب بمقام چینے کے سیالکوٹ

آپ کا تعلق درویشان حلقہ ناصر آباد سے تھا۔ دوسری جنگ عالم گیر کے دوران بھرتی ہوئے تھے اور جنگ ختم ہونے پر چھانٹی میں آخر فارغ ہو کر ۱۹۴۶ء میں گھر واپس آ گئے تھے اور پھر ۱۹۴۷ء میں مرکز قادیان میں ضرورت پڑنے پر خدمت کے لئے قادیان آ گئے تھے اور پھر ہجرت کے وقت درویشان قادیان میں شامل ہو کر مستقل طور پر قادیان کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ شلوار قمیض شیروانی اور کلے پر پگڑی آپ کا پسندیدہ لباس تھا۔ کھیتی باڑی اور دودھ دینے والے جانور پالنے میں آپ کو مہارت تھی۔ اخلاص اور سلسلہ کی فرمانبرداری آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب صدر انجمن احمدیہ نے تحریک فرمائی کہ جو درویش اپنا کوئی کاروبار کر سکتے ہیں فارغ ہو کر بجٹ سے اپنے خرچہ کا بوجھ کم کر دیں تو آپ بھی بڑے خلوص سے اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ کاشتکاری تو جانتے تھے مگر سبزیوں کی کاشت کا تجربہ نہ تھا۔ احمدیہ ایریا کے پاس اس قدر کھلی اراضی نہ تھیں کہ جن پر گندم گنا چاول بو کر گزارہ نکالا جا سکے تھوڑی سی زمین پر تو سبزیاں ہی کاشت کر کے فیملی کا گزارہ نکالا جا سکتا تھا اور اس کا آپ کو تجربہ نہ تھا۔ کچھ زمین ٹھیکہ پر لے کر چارہ کاشت کیا اور ایک بھینس رکھ لی اور کچھ زمین پر گندم کاشت کی یہ ابھی آزادی کے بعد ابتدائی سالوں کا ذکر ہے۔ مصنوعی کھادوں کا استعمال عام نہیں ہوا تھا اور بغیر اس کے ایک ایکڑ میں

گندم بمشکل ۱۲/۱۰ من ہوتی تھی اس قدر کم جھاڑ میں ٹھیکہ پورا کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ایک دو سال کے تجربہ کے بعد آپ نے صرف تھوڑی سی زمین لے کر چارہ کاشت کر لیا تاکہ بھینس کو سستا چارہ ملتا رہے اور خود سبزی کی دوکان ڈال لی۔ دوکانداری بھی تجربہ چاہتی ہے خاص کر سبزی کی دوکان۔ کیونکہ یہ جنس سٹاک نہیں رہ سکتی ساتھ کے ساتھ بکنی چاہیئے ورنہ خراب ہو کر نقصان کا موجب ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہوا اور سبزی کی دوکان بھی فیل ہو گئی۔ پھر صدر انجمن احمدیہ سے واپس آنے کی درخواست کرنا پڑی اور صدر انجمن احمدیہ نے واپس لے کر فیملی سکیل گزارہ منظور کر دیا جو آخر تک قائم رہا۔ البتہ بھینس آپ جب تک صحت نے ساتھ دیا رکھے رہے تا گھر میں دودھ آسانی سے ملتا رہے۔ آپ کو بھی دمہ کا عارضہ جوانی سے ہی لاحق تھا جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ دیگر دمہ کے مریضوں کی طرح یہ بھی روزانہ دوائی کے سہارے ہی دن کو رات اور رات کو دن کرتے چلے جاتے تھے۔ نماز بڑی پابندی سے باجماعت ادا کرتے تھے۔ آپ کا قیام مکرم عبدالغنی خان صاحب کی کوٹھی کے ایک حصہ میں تھا وہاں سے سردی ہو یا گرمی اس کی پرواہ کئے بغیر اذان سنتے ہی مسجد مبارک کے لئے روانہ ہو پڑتے۔ نماز جمعہ کے لئے اوّل وقت میں آتے اور رستہ میں جو درویش ملتا اس کو تحریک کرتے جاتے کہ آؤ اونٹ کی قربانی کا ثواب حاصل کرنے۔

جب درویشان کی فیملیز پاکستان سے قادیان آئیں تو ان کی اہلیہ بھی آئی تھیں۔ ان کے ہمراہ ایک بیٹی بھی تھی۔ یہاں آپ کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے جو چند یوم زندہ رہ کر فوت ہو جاتے رہے۔ کچھ عجیب سی بیماری تھی۔ بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے منہ پر جھریاں جس طرح سو سال کی عمر کے بزرگ کے منہ پر جھریاں ہوتی ہیں۔ اور جسم پر گوشت برائے نام جیسے ہڈیوں پر کھال چڑھا دی گئی ہو۔ پہلے بچے کی وفات پر اگلے بچہ کے موقع پر اٹھرا کا مکمل کورس بھی پوری احتیاط سے کھایا گیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا اور

دوسرا بچہ بھی اس بیماری کو لے کر آیا اور چند یوم رہ کر وفات پا گیا۔ ایک بچی بھی پیدا ہوئی جو ٹھیک ٹھاک تھی۔ دونوں بچیاں خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ٹھیک ہیں۔ شادی شدہ صاحب اولاد ہیں۔

ستمبر ۱۹۹۸ء کی بات ہے کہ آپ کی اہلیہ بیمار تھیں۔ اور گھر میں بچی اور آپ خود ان کے تیمار دار تھے آپ نماز پڑھ کر گھر گئے اور اہلیہ کی چار پائی کے پاس کرسی پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ پھر اچانک کرسی سے گر پڑے۔ فوراً گھر والوں نے دیکھا سمجھا بیہوش ہیں۔ اڑوس پڑوس میں خبر کی تو کئی افراد جمع ہو گئے۔ آپ وفات پا چکے تھے۔ کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ آپ فوت ہو کر کرسی سے گرے ہیں۔ یا گر کر فوت ہوئے ہیں۔ یہ ماہ ستمبر کی ۱۹ تاریخ اور ۱۹۹۸ء تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند مقام عطا فرمائے۔ اور دونوں بیٹیوں کو اور ان کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم مولوی بشیر احمد صاحب بانگروی

ولد محمد اسمٰعیل صاحب موضع گھنیو نکے بانگر ضلع گورداسپور

بٹالہ سے شمال مشرق میں علی وال ایک مشہور گاؤں ہے۔ جہاں اپر باری دوآب کی نہر آ کر دو برانچوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک شاخ لاہور برانچ کہلاتی ہے دوسری امرتسر برانچ۔ امرتسر برانچ ضلع امرتسر کے ایک بڑے حصہ کو سیراب کرتی ہوئی باقی پانی ہری کے پتن ڈیم میں ڈال دیتی ہے۔ علی وال ایک پر فضا مقام ہے جہاں کالجوں اور سکولوں کے طلباء اور دیگر دفتری افراد پکنک منانے جاتے رہتے ہیں۔ علی وال سے چند میل کے فاصلہ پر کالا افغاناں ایک بڑا گاؤں ہے۔ اسی گاؤں کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ اس کا نام گھنیو نکے باگر ہے۔ مولوی بشر احمد صاحب اس گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مڈل تک تعلیم رکھتے تھے اور دیہاتی مبلغین کلاس نمبر ۳ جو پوری کی پوری درویشان میں شامل کر دی گئی تھی اس میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ملک آزاد ہو گیا۔ بیوی بچے اور دیگر خاندان ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور خود بطور درویش قادیان رہ پڑے۔

۱۹۵۰ء میں جب معلمین کا پہلا گروپ ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں بھجوایا گیا تو انہیں بھی بہار بھجوا دیا گیا تھا۔ وہاں مکرم سید وزارت حسین صاحب صوبائی امیر کی ہدایات پر بھاگل پور، مونگیر، اورین، بلاری، رانچی میں تربیتی خدمات بجا لانے کی توفیق پائی۔ کئی سال بہار میں خدمات بجا لانے کے بعد قادیان میں بلوا لیا گیا اور

یہاں دفتر زائرین میں لگایا گیا۔ دفتر زائرین شروع درویشی میں اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ جو لوگ قادیان آتے ہیں خصوصاً غیر مسلم افراد وہ مینارۃ المسیح دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ انہیں مینارۃ المسیح اور دیگر مقامات مقدسہ مسجد مبارک بہشتی مقبرہ دکھاتے ہوئے ساتھ جماعت کے پرامن مشن کے بارہ میں بھی معلومات دی جائیں۔ اس ذریعہ سے ماحول قادیان کی فضاء کو ہموار کرنے میں بڑی مدد ملی اور اس کی افادیت کے باعث اس کو ایک مستقل ادارہ کی حیثیت حاصل ہوگئی اور یہ ادارہ اب تک قائم ہے۔ مولوی صاحب ریٹائر ہونے تک اسی ادارہ سے منسلک رہے۔

۱۹۸۲ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر ملاقات کے دوران سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے درویشان کو ہدایت فرمائی کہ آپ لوگ مضافات قادیان میں باقاعدہ تبلیغ شروع کریں۔ اس ارشاد کی تکمیل میں فروری ۱۹۸۳ء میں مکرم و محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ حضرت مرزا وسیم احمد صاحب نے لوکل انتظامیہ کی میٹنگ بلا کر ایک پروگرام طے کیا اور ابتداء میں قادیان کے گرد اگرد دس میل کے سرکل میں تبلیغی وفد بھجوانے کی تجویز کی۔ اور اس کی نگرانی کے لئے خاکسار کو جنرل سیکرٹری ہونے کی وجہ سے مقرر کیا۔ سارا کام رضا کارانہ ہی کرنا تھا تاہم چند ایک افراد جو ہوں بھی رضا کار مگر فل ٹائم دے سکیں، کی بھی ضرورت تھی۔ میں نے محترم امیر صاحب کی اجازت سے ریٹائر افراد میں سے تحریک کر کے چند افراد کو فل ٹائم دینے کے لئے آمادہ کر لیا اور محترم امیر صاحب کی خدمت میں ان کے نام پیش کر کے منظوری حاصل کر لی۔ یہ سب ریٹائر زندگی گزار رہے تھے۔ ان میں مولوی بشیر احمد صاحب بانگروی بھی تھے۔ مکرم مولوی محمد احمد صاحب کالا افغاناں، مکرم چوہدری سکندر خان صاحب، مکرم غلام حسین صاحب، مکرم چوہدری سکندر خان صاحب دفتری امور کے لئے مکرم مولوی محمد احمد صاحب تبلیغی محاذ پر عمل درآمد کے لئے مولوی

بشیر احمد صاحب تربیتی محاذ پر اور مکرم غلام حسین صاحب بطور مددگار کارکن دفتر۔

قادیان سے مشرق کی طرف ایک گاؤں بھام ہے وہاں دو بھائی جو مسلمان تھے اور کفش دوزی کا کام کرتے تھے۔ وہاں کے سکھ بھائیوں نے پاکستان جانے سے روک لئے تھے اور ان کو تحفظ فراہم کیا تھا ان کے ہاں اولاد ہو کر یہ ۵۰ افراد ہو چکے تھے۔ قادیان آتے جاتے تھے عیدیں پڑھنے بھی آیا کرتے تھے مگر جماعت میں نہیں تھے۔ حضور انور کی توجہ اور دعا کا اثر تھا کہ ادھر ہم نے ایسے افراد میں باقاعدہ تبلیغ کا پروگرام بنایا ادھر ان کے دل میں فرشتوں نے تحریک کی اور یہ خود قادیان آ گئے اور کہا کہ ہمیں جماعت میں داخل کر لیں ہم پر سچائی کھل گئی ہے۔ اسی طرح دھاریوال میں تین چار گھر تھے وہ بھی چند روز میں جماعت میں داخل ہو گئے یہ عورتیں بچے ملا کر ۳۷ تھے۔ اسی طرح بٹالہ میں بھی ایک گھرانہ نے بیعت کی یہ بھی سات افراد تھے۔ اس طرح یہ تین مقامات ہو گئے جہاں اب تبلیغ کی نہیں تربیت کی ضرورت تھی ان مقامات کے لئے مولوی بشیر احمد بانگوی کی ڈیوٹی لگائی اور انہوں نے ان مقامات پر جا جا کر ۱۲ بچوں کو قرآن کریم پڑھایا اور بڑی عمر کے افراد کو نماز سکھائی۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۳ء تک مولوی صاحب نے دھاریوال، بھام بٹالہ، کالیکی، دولی کے ڈورے، ڈریوالی۔ مالیہ، ٹھکر سندھو، ارلی بھن، ہجووال، سوچاں میں تربیتی کام کیا۔ ازاں بعد مولوی صاحب کی عمر اسی سے تجاوز کر چکی تھی اور سفر کرنا مشکل تھا۔ مولوی صاحب کو شکریہ کے ساتھ فارغ کر کے درخواست کی گئی کہ آپ دعائیں کرتے رہیں۔

مولوی صاحب کی شادی دیہاتی مبلغین میں داخلہ سے قبل ہو چکی ہوئی تھی۔ جب دیگر درویشان کے اہل وعیال پاکستان سے آئے تو آپ کی اہلیہ بھی آ گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں عطا فرمائیں۔ لڑکوں میں سے ایک لڑکا وفات پا چکا ہوا ہے۔ چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں سب شادی شدہ اور اپنے

گھروں میں خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

مولوی صاحب بڑے کمزور ہو گئے تھے اس لئے زیادہ وقت گھر پر ہی مطالعہ کتب میں گزارتے تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ جب قادیان تشریف لائے تو سب سے پہلے مولوی صاحب کے گھر گئے اور خیریت معلوم کی۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے ویل چیئر استعمال کرنا شروع کر دی تھی کیونکہ کمزوری کے باعث چلنا مشکل ہو گیا تھا زیادہ کمزوری بڑھتے بڑھتے ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء آن پہنچی اور یہ تاریخ اس سال کے تیسرے درویش کو ہم سے چھین کر لے گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

دوسرے روز ان کی بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور ان کے نفوس واموال میں برکت دے۔ آمین

مکرم شریف احمد صاحب شیخوپوری

ولد مکرم حسن محمد صاحب کوٹ رحمت خان ضلع شیخوپورہ

آپ کا تعلق درویشان حلقہ مسجد اقصیٰ سے تھا۔ قادیان میں ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو صرف میاں مولا بخش صاحب باورچی رہ گئے تھے اور یہ بھی ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ چکے ہوئے تھے۔ اس لئے لاہور لکھا گیا تھا کہ کوئی ٹرینڈ باورچی اگلی کنوائے میں بھجوایا جائے۔ جنوری میں جو کنوائے آیا اس میں صرف دس افراد آئے تھے اور ان میں بھی کوئی باورچی نہیں آیا تھا اس خیال سے کہ شاید اگلا کنوائے آنے میں دیر لگ جائے یہاں یہ تجویز کیا گیا کہ کوئی نوجوان میاں مولا بخش کے ساتھ لگا کر ٹرینڈ کر لیا جائے۔ سو مکرم شریف احمد صاحب کو میاں مولا بخش کے ساتھ لگا کر ٹریننگ دینا شروع کر دیا گیا گو ماہ مارچ میں ۴۸ء میں جو کنوائے آیا تھا اس میں بابا نور احمد صاحب کو جو ٹرینڈ باورچی تھے بھجوا دیا گیا تھا مگر آپ بھی پچاس سال کے پیٹے میں تھے۔ اس لئے آپ کی آمد کے باوجود شریف احمد صاحب کو ٹریننگ دینا جاری رکھا گیا۔ میاں مولا بخش صاحب ریٹائر ہونے کے بعد بھی پانچ چھ سال تک لنگر خانہ میں ہیڈ باورچی کے طور پر خدمت بجالاتے رہے تا آنکہ شریف احمد صاحب نے پورے ٹرینڈ ہو کر انہوں نے کام سنبھال لیا۔ ان کے ٹرینڈ ہو جانے پر اس طرح تقسیم کار ہوا کہ بڑی ہانڈی دیگ خواہ ایک ہو یا چار چھ ہوں اس کی تیاری شریف احمد صاحب کے سپرد کر دی گئی اور چھوٹی ہانڈیاں جس میں بیمار افراد کے لئے پرہیزی کھانا چاول کھچڑی دلیہ وغیرہ شامل تھا اس کی تیاری بابا نور احمد صاحب کے ذمہ رہی۔ بابا نور احمد صاحب بھی

اپنی عمر پوری ہونے پر ریٹائر ہو گئے۔ اور ان کی عام صحت بھی کمزور ہی تھی۔ ۱۹۷۳ء میں وفات بھی پا گئے مکرم شریف احمد صاحب نوجوان تھے خاصا لمبا عرصہ خدمت کا موقعہ ملا۔ جب آپ کی عمر بھی ریٹائرمنٹ کے قریب ہوئی تو اور نوجوانوں کو ساتھ لگا کر ٹرینڈ کر لیا گیا۔ شریف احمد صاحب کے وقت میں ہی جلسہ سالانہ کی حاضری دو تین ہزار سے بڑھ کر ۸/۱۰ تک ہو گئی تھی آپ بڑی جواں ہمتی سے سب کام کرتے اور جب دیگر درویشان کی شادیاں ہونا شروع ہوئیں تو ان کی شادی بھی امروہہ یوپی میں ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اہلیہ کے بطن سے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں عطا فرمائیں۔ ایک لڑکا وفات پا چکا ہوا ہے۔ باقی سب بچے شادی شدہ اور اپنے گھروں میں خوش باش ہیں۔ صحت عام طور پر اچھی تھی اور شاذو نادر ہی بیمار ہوتے تھے۔ بھینس رکھنے کا خاص شوق تھا باورچی کے کام کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی بھینسیں پال رکھی تھیں۔ دودھ فروخت کرتے تھے آپ کے بچے آپ کے ساتھ پوری معاونت کرتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد بھی بچے یہ کام جاری رکھے ہوئے ہیں بھینسوں کے چارہ کے لئے زمین ٹھیکہ پر لے کر چارہ اور غلہ و چاول کی کاشت بھی کرتے تھے۔ ۱۹۹۸ء کے شروع میں ایک مرتبہ ہارٹ اٹیک ہوا فوری طور پر طبی امداد مل جانے سے طبیعت سنبھل گئی اور پھر پوری سرگرمی سے کاروبار زندگی کرنے لگے۔ ماہ نومبر کے وسط میں پھر ہارٹ اٹیک ہوا اور فوری طور پر احمدیہ شفاخانہ میں داخل کرایا گیا وہاں زیر علاج ہی تھے کہ پھر مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۹۸ء کو تیسرا ہارٹ اٹیک ہوا اور یہ حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور آپ نے نہایت سکون سے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کی وصیت گزشتہ چند سال سے منسوخ تھی۔ اور ابھی تک بحال نہیں ہو سکی تھی۔ اس لئے بچہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ اور جنت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے آمین

مکرم مولوی منظور احمد صاحب گھنو نکے ججہ

ولد مکرم ماسٹر محمد یعقوب صاحب ضلع سیالکوٹ

آپ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان سے آکر درویشان میں شامل ہوئے اور یہاں آکر تعلیم جاری رکھی۔ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی، مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری، مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ رضی اللہ عنہ ناظر اعلیٰ اور امیر جماعت احمدیہ وفقہ کے ماہر ترین اساتذہ میں شامل ہوتے ہیں، سے تحصیل علم کرتے رہے۔ پنجاب یونیورٹی میں ابھی تک عربی علوم کے امتحانات کی سہولت فراہم نہیں ہوئی تھی حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور چوہدری مبارک علی صاحب نے ۱۹۵۲ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل فی التفسیر کا امتحان پاس کیا تھا اور مکرم چوہدری مبارک علی صاحب کی درخواست پر فاضل فی التفسیر کی سند کو مولوی فاضل کے برابر تسلیم کر کے انہیں مرکزی مبلّغین میں شمار کر لیا تھا اور اسی کیڈر کا گریڈ دینا منظور کر لیا۔ اس سے مکرم منظور احمد صاحب کو بھی یہ تحریک ہوئی کہ کیوں نہ میں بھی فاضل فی التفسیر کا ہی امتحان پاس کر لوں آپ نے بھی کوشش کی اور لکھنؤ سے فاضل التفسیر کا امتحان پاس کر لیا اور صدر انجمن نے انہیں بھی مولوی فاضل تسلیم کر کے مرکزی مبلغین کے گریڈ میں سروس میں لے لیا۔

نظر میں تھرتھراہٹ کا عارضہ آپ کو شروع میں ہی تھا۔ مگر ابتداء میں کم تھا آہستہ آہستہ یہ تکلیف بڑھ رہی تھی۔ تاہم دن کے وقت وہ ٹک کر ایک جگہ بیٹھ جاتے تو کچھ

اپنی عمر پوری ہونے پر ریٹائر ہو گئے۔ اور ان کی عام صحت بھی کمزور ہی تھی۔ ۱۹۷۳ء میں
وفات بھی پا گئے مکرم شریف احمد صاحب نوجوان تھے خاصا لمبا عرصہ خدمت کا موقعہ ملا۔
جب آپ کی عمر بھی ریٹائرمنٹ کے قریب ہوئی تو اور نوجوانوں کو ساتھ لگا کر ٹرینڈ کر لیا
گیا۔ شریف احمد صاحب کے وقت میں ہی جلسہ سالانہ کی حاضری دو تین ہزار سے بڑھ کر
۸/۱۰ تک ہو گئی تھی آپ بڑی جواں ہمتی سے سب کام کرتے اور جب دیگر درویشان کی
شادیاں ہونا شروع ہوئیں تو ان کی شادی بھی امروہہ یوپی میں ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو اس اہلیہ کے بطن سے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں عطا فرمائیں۔ ایک لڑکا وفات پا چکا
ہوا ہے۔ باقی سب بچے شادی شدہ اور اپنے گھروں میں خوش باش ہیں۔ صحت عام طور پر
اچھی تھی اور شاذونادر ہی بیمار ہوتے تھے۔ بھینس رکھنے کا خاص شوق تھا باورچی کے کام
کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی بھینسیں پال رکھی تھیں۔ دودھ فروخت کرتے تھے آپ کے
بچے آپ کے ساتھ پوری معاونت کرتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد بھی بچے یہ کام
جاری رکھے ہوئے ہیں بھینسوں کے چارہ کے لئے زمین ٹھیکہ پر لے کر چارہ اور غلہ و چاول
کی کاشت بھی کرتے تھے۔ ۱۹۹۸ء کے شروع میں ایک مرتبہ ہارٹ اٹیک ہوا فوری طور پر
طبی امداد مل جانے سے طبیعت سنبھل گئی اور پھر پوری سرگرمی سے کاروبار زندگی کرنے
لگے۔ ماہ نومبر کے وسط میں پھر ہارٹ اٹیک ہوا اور فوری طور پر احمدیہ شفاخانہ میں داخل
کرایا گیا وہاں زیر علاج ہی تھے کہ پھر مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۹۸ء کو تیسرا ہارٹ اٹیک ہوا اور یہ
حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور آپ نے نہایت سکون سے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر
دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کی وصیت گزشتہ چند سال سے منسوخ تھی۔ اور ابھی تک بحال نہیں ہو سکی
تھی۔ اس لئے بچہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔
اور جنت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے آمین

مکرم مولوی منظور احمد صاحب گھنو نکے ججہ

ولد مکرم ماسٹر محمد یعقوب صاحب ضلع سیالکوٹ

آپ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان سے آکر درویشان میں شامل ہوئے
اور یہاں آکر تعلیم جاری رکھی۔ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی، مکرم مولوی
محمد حفیظ صاحب بقاپوری، مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی اور حضرت مولانا
عبدالرحمٰن صاحب جٹ رضی اللہ عنہ ناظر اعلیٰ اور امیر جماعت احمدیہ وقفہ کے ماہر
ترین اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، سے تحصیل علم کرتے رہے۔ پنجاب یونیورٹی میں
ابھی تک عربی علوم کے امتحانات کی سہولت فراہم نہیں ہوئی تھی حضرت صاحبزادہ مرزا
وسیم احمد صاحب اور چوہدری مبارک علی صاحب نے ۱۹۵۲ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے
فاضل فی التفسیر کا امتحان پاس کیا تھا اور مکرم چوہدری مبارک علی صاحب کی درخواست
پر فاضل فی التفسیر کی سند کو مولوی فاضل کے برابر تسلیم کر کے انہیں مرکزی مبلّغین میں
شمار کر لیا تھا اور اسی کیڈر کا گریڈ دینا منظور کر لیا۔ اس سے مکرم منظور احمد صاحب کو بھی
یہ تحریک ہوئی کہ کیوں نہ میں بھی فاضل فی التفسیر کا ہی امتحان پاس کر لوں آپ نے بھی
کوشش کی اور لکھنؤ سے فاضل التفسیر کا امتحان پاس کر لیا اور صدر انجمن نے انہیں بھی
مولوی فاضل تسلیم کر کے مرکزی مبلغین کے گریڈ میں سروس میں لے لیا۔

نظر میں تھرتھراہٹ کا عارضہ آپ کو شروع میں ہی تھا۔ مگر ابتداء میں کم تھا آہستہ
آہستہ یہ تکلیف بڑھ رہی تھی۔ تاہم دن کے وقت وہ ٹک کر ایک جگہ بیٹھ جاتے تو کچھ

لکھ پڑھ سکتے تھے۔ رات کو نظر نہیں آتا تھا اور چلنے پھرتے بھی سامنے کی اشیاء رقص کرتی ہوئی نظر آتی تھیں بدیں وجہ اکیلے سفر نہیں کر سکتے تھے نہ سائیکل چلا سکتے تھے۔ نہ ایسی سڑک سے پیدل گزر سکتے تھے جہاں تیز رو ٹریفک ہو۔ آپ کا تقرر کشمیر میں ہوا وہاں بھی آپ کو یہ مشکل تھی۔ سری نگر میں صرف دو گھر تھے وہ بھی مسجد سے میلوں دور ان کے ساتھ باہر پھرنے والا کوئی نہ تھا تبلیغ کے لئے باہر جانا ضروری تھا ٹریفک کی وجہ سے آپ اکیلے گھوم نہیں سکتے تھے۔ جو گاؤں پورے احمدی ہیں اور بڑی جماعتیں ہیں۔ وہاں شہر جیسی سہولیات نہیں تھیں رفع حاجت کے لئے باہر جانا پڑتا تھا اور زمین ناہموار ہونے کی وجہ سے آپ کو وہاں قیام میں مشکل پیش آتی تھی۔ اس پر آپ کا تبادلہ بھاگل پور بہار اور پھر بنارس کیا گیا بنارس بھی بڑا شہر ہے اور ٹریفک عام اور تیز رفتار ہے۔ مسجد باقی احمدی گھروں سے دور ہے اور ان کا تربیتی اغراض سے بھی نقل و حرکت کرنا مشکل تھا۔ اس پر آپ کا تقرر یادگیر میں کیا گیا جہاں ایک بڑی دیہاتی ٹائپ جماعت تھی اور شہر والی تمام سہولیات بھی میسر تھیں۔ اور مسجد کے ساتھ مبلغ کی رہائش کی سہولت تھی اور آپ کو وہاں نمازوں کی امامت کے لئے جانے میں بھی مشکل نہیں تھی۔ آپ کئی سال تک یادگیر میں تبلیغی اور تربیتی کام کرتے رہے ازاں بعد آپ کو قادیان بلوا لیا گیا اور دفتر نظارت دعوۃ و تبلیغ میں باہر سے آئے ہوئے خطوط جن میں احمدیت کے بارے میں سوالات پوچھے جاتے تھے، کے جوابات تیار کرنے کی ڈیوٹی سپرد ہوئی جو خطوط اس غرض سے آتے آپ قادیان میں موجود علماء کرام سے مشورہ کر کے اس کا جواب تیار کرتے اور سائل کو بھجوا دیا جاتا۔ اس خدمت پر بھی آپ چند سال قائم رہے پھر نظر کی کمزوری زیادہ ہو جانے کے باعث آپ کو دفتری خدمات سے بھی فارغ کر دیا گیا۔ اسی عرصہ میں آپ مسجد اقصیٰ میں امامت کے لئے منظور شدہ افراد کی فہرست میں تیسرے نمبر پر تھے۔ جب تک چلنے پھرنے کی ہمت

رہی آپ نماز باجماعت کے لئے بڑی باقاعدگی سے آتے تھے۔

نظر اور جسم کی کمزوری بڑھتی ہی چلی گئی اور آخری سال میں تو آپ پورا وقت گھر پر ہی گزارتے تھے۔ جلسہ سالانہ ۱۹۹۸ء کا درمیانہ دن تھا کہ پہلا اجلاس ختم ہونے سے قبل ہی یہ اعلان ہوا کہ مکرم بشیر احمد صاحب حافظ آبادی جہاں بھی ہوں مکرم منظور احمد صاحب گھنوکے کے مکان پر پہنچ جائیں۔ اعلان سنتے ہی دل میں ایک فکر سا پیدا ہوا۔ اور جلسہ کا درمیانی وقت جو نماز ظہر کی تیاری کا وقفہ ہوتا ہے۔ میں نے آ کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ہمارا یہ بھائی دنیا سے منہ موڑ کر عالم جاودانی میں جا بسا ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔ آپ کی شادی بھی قادیان کے دیگر درویشان کی طرح ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس اہلیہ کے بطن سے آپ کی اولاد دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا شادی شدہ ہیں۔ اور ایک لڑکا اور لڑکی ابھی بغیر شادی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی اپنی جناب سے بہتر سامان فراہم کر کے سب بچوں کو باپ کی نیکیاں زندہ رکھنے کی توفیق دے اور اپنی رضاء کی راہوں پر چلائے۔ آپ کی اہلیہ ابھی بقید حیات ہیں۔ اور علیل ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

مکرم چوہدری غلام ربانی صاحب

ولد چوہدری غلام محمد صاحب قادیان

آپ نے فارمیسسٹ کا کورس کیا تھا۔ اسی اثناء میں جنگ شروع ہوگئی اور آپ دوسری عالم گیر جنگ میں بطور کمپونڈر بھرتی ہو گئے جنگ ختم ہونے پر واپس آئے تو قادیان میں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی کوٹھی کے جنوب میں ایک مارکیٹ بنائی تھی اس کا نام آپ نے ناصری گنج رکھا تھا۔ اس مارکیٹ میں حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے ایک دوکان میں انگریزی ادویات کی دوکان کھولی تھی تا کسی بھی ڈاکٹر کے نسخہ کے مطابق عوام کو وہاں سے ادویات مل سکیں۔ اس دوکان میں بطور سیل مین مکرم ربانی صاحب نے ملازمت اختیار کر لی۔ بمشکل ایک سال گزرا تھا کہ ملک تقسیم ہوکر آزاد ہوگیا۔ نور ہسپتال پر گورنمنٹ نے قبضہ کرلیا تھا۔ ڈاکٹر صاحبان مع حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب پاکستان ہجرت کر گئے اور مکرم ربانی صاحب قادیان میں درویشان میں رہ پڑے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو آخری کنوائے چلے جانے کے بعد جو درویش یہاں رہ گئے تھے ان میں ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب بھی خدمات کے لئے ٹھہر گئے تھے۔ ان کے ساتھ بطور کمپوڈر مکرم چوہدری غلام ربانی صاحب کو مقرر کیا گیا۔ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو جو کنوائے آیا اس میں کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کو قادیان بھجوایا گیا تھا۔ مکرم ربانی صاحب یہاں پر اپنی پوسٹ پر قائم رہے۔

ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور قادیان میں اور مضافات قادیان میں ضلع سیالکوٹ کے مہاجرین ہی آکر آباد ہوئے تھے۔ اس احمدیہ شفاخانہ کو جو ابتدائی طور پر ڈاکٹر احسان الٰہی صاحب والی دوکان میں جاری کیا گیا تھا بڑی شہرت ملی اور لوگ جوق در جوق علاج کے لئے آنے لگے۔ اس سے قادیان کے گرد ماحول کو سازگار کرنے میں بھی بڑی مدد ملی۔ مریضوں کی بہتات کو مدنظر رکھتے ہوئے شفاخانہ دفتر دعوۃ وتبلیغ اور دفتر الفضل والی بلڈنگ میں منتقل کر دیا گیا اور پھر اس بلڈنگ میں بھی داخل ہوکر علاج کرانے والے مریض نہ سما سکنے کے باعث ساتھ لگتے ہوئے اور چار مکان بھی ہسپتال کے ساتھ شامل کر دیئے گئے۔ ایک ڈاکٹر اور ایک کمپونڈر سے یہ پورا کام ہونا مشکل تھا۔ اس لیئے درویشان میں اور چار پڑھے لکھے نوجوان ڈاکٹر صاحب کو دے دیئے گئے کہ وہ انہیں ٹرینڈ کر کے کام لیں۔ نیز ایک ٹرینڈ نرس عیسائی بھی ملازم رکھ لی گئی۔ ۱۹۵۵ء تک خوب کام چلا اور علاقہ بھر میں احمدیہ شفاخانہ کی شہرت ہوگئی۔ ازاں بعد مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب اپنی بعض خاندانی مجبوریوں کے باعث اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ احمدیہ شفاخانہ میں مکرم ربانی صاحب سینئر کارکن تھے۔ ان کو انچارج مقرر کر دیا گیا۔ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کے چلے جانے کے باعث مریضوں کی آمد آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ دو سال بعد احمدیہ شفاخانہ کو دیئے گئے چار کارکنوں میں سے دو کو واپس دفاتر میں منتقل کر دیا گیا اور ایک مکرم ربانی صاحب انچارج وڈسپنسر اور ایک نرس عملہ باقی رہ گیا۔ مزید ایک سال بعد اور بھی کمی محسوس ہوئی تو یہ پروگرام بنایا گیا کہ قادیان کے جنوب مشرق میں دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں موضع بھرتھہ میں ایک شاخ احمدیہ شفاخانہ کی کھولی جائے۔ چنانچہ مکرم ملک بشیر احمد صاحب ناصر جو ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کے دور میں احمدیہ شفاخانہ میں لگائے گئے تھے اور اب تک اچھے ٹرینڈ ہو چکے تھے کو بھرتھہ میں احمدیہ شفاخانہ

کی برانچ کا انچارج مقرر کر کے ایک مددگار کارکن ساتھ دے دیا گیا۔ اور قادیان میں احمدیہ شفاخانہ میں صرف مکرم غلام ربانی صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ اور محمد احمد صاحب نسیم مالا باری بطور کمپوڈر اور ایک نرس سرمیت کور رہ گئے۔ بعد میں یہ تجربہ کہ ایک برانچ گاؤں میں کھولی جائے ناکام ثابت ہوا۔ اور مکرم ملک بشیر احمد صاحب ناصر جو اس برانچ کے انچارج تھے نے یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت سے فارغ ہو کر اپنے طور پر اس برانچ کو ذاتی طور پر چلائیں گے۔ اور احمدیہ شفاخانہ کی ملازمت سے فارغ ہو گئے۔ لیکن مکرم چوہدری غلام ربانی صاحب بحیثیت انچارج احمدیہ شفاخانہ بیس سال تک خدمت بجالاتے رہے۔ ازاں بعد آپ کی عمر زیادہ ہو جانے اور نظر کی اور جسمانی کمزوری کے باعث آپ نے ریٹائرمنٹ لے لی۔ اور کانپور سے مکرم ڈاکٹر سید منظور علی صاحب کو بلا کر انچارج احمدیہ شفاخانہ مقرر کیا گیا۔

مکرم چوہدری غلام ربانی صاحب کے بیٹے عزیز ہمایوں کبیر فارمیسٹ کا کورس کر کے آگئے تھے۔ انہوں نے بس اڈہ کے پاس ایک دوکان کرایہ پر لے کر اس میں انگریزی دوائیوں کی دوکان کھول لی۔ مکرم چوہدری غلام ربانی صاحب ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے بیٹے کی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ جب تلک صحت نے اجازت دی آپ وہاں جاتے رہے ازاں بعد کمزوری بے حد بڑھ گئی۔ اور چیک کرانے سے معلوم ہوا کہ آپ کو ہارٹ کا بھی عارضہ ہے۔ آپ نے دوکان پر جانا چھوڑ دیا اور پورا وقت گھر پر ہی گزارنے لگے اہلیہ محترمہ بھی علیل تھیں۔ انہی ایام میں اپنے بیٹے ہمایوں کبیر کی بھی شادی کر دی۔

آپ کی رہائش مکان بیت الامن کے مغربی حصہ میں تھی۔ ۱۹۹۲ء میں آپ نے اپنی رہائش احمدیہ بیوت الحمد کالونی قادیان کے کوارٹر نمبر ۷ میں منتقل کر لی تھی آپ کے

جواں سال بیٹے ہمایوں کبیر صاحب اپنی دوکان کے کسی کام کے سلسلہ میں موٹر سائیکل پر بٹالہ گئے ہوئے تھے۔ انہیں بٹالہ سے واپس آتے ہوئے رات کا وقت تھا اور یہ جلدی میں آرہے تھے آگے ایک بس آرہی تھی وہ رستہ میں کسی سواری کو اتارنے کے لئے ٹھہری۔ انہوں نے بس کو کراس کرنا تھا جونہی یہ بس کی کھڑکی یعنی دروازہ کے قریب پہنچے تو کنڈیکٹر نے ایک دم دروازہ کھولا یہ دروازہ سے ٹکرا کر وہاں سڑک پر گر پڑے کنڈیکٹر نے خیال ہی نہیں کیا اور وسل دے دی ڈرائیور گاڑی لے کر قادیان پہنچ گیا اور بعد میں کسی اور آنے والے مسافر نے دیکھا کہ ایک موٹر سائیکل سوار گرا پڑا ہے دیکھا تو وہ وفات پا چکا ہوا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اس نے قادیان آکر اطلاع دی اور نعش حادثہ کے مقام سے اٹھا کر قادیان لائی گئی۔ مکرم چوہدری غلام ربانی صاحب کو جو صدمہ ہوا اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ سارے احمدیہ محلّہ پر غم و اندوہ کے بادل چھا گئے ہر ایک افسردہ و غمگین تھا قادیان میں جواں سال بچوں کی وفات کا یہ تیسرا موقعہ تھا اس سے قبل دو حادثات گزر چکے تھے۔ مکرم محمد عزیز صاحب گجراتی مرحوم کا بیٹا ایک بس حادثہ میں موقعہ پر ہی وفات پا گیا تھا اور مکرم غلام حسین صاحب مرحوم کا بیٹا انتہا پسندوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہوا تھا۔ اس صدمہ کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا۔ ربانی صاحب اور آپ کی اہلیہ جو پہلے ہی بیمار اور بے حد کمزور تھے۔ اس جانکاہ صدمہ کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے اور مؤرخہ ۱۰ فروری ۱۹۹۹ء کو میں جب صبح دوکان پر آنے کے لئے گھر سے رکشا پر سوا ہوا تو رکشا والے نے پوچھا آپ غلام ربانی کے ہاں جائیں گے میں نے پوچھا کیوں تو بتایا مکرم ڈاکٹر صاحب وفات پا گئے ہیں۔ میں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ پہلے ان کے ہاں چلو۔ اسی روز بعد نماز عصر آپ کا جسم بہشتی مقبرہ کی مقدس مٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کو

جلد اپنے بیٹے سے ملا دے اور اپنے حضور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ اور آپ
کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے آپ کے دو بیٹے اور سات لڑکیاں تھیں
دونوں بیٹے وفات پا چکے ہوئے ہیں۔ لڑکیاں خدا تعالیٰ کے فضل سے شادی شدہ
صاحب اولاد اپنے گھروں میں سکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

دونوں بیٹوں کے ہاں ایک ایک بیٹا اور ایک ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ گویا آپ
کے دو پوتے اور دو پوتیاں ہیں۔ ایک پوتی کی شادی پاکستان میں ہو چکی ہوئی ہے۔
ایک پوتا قادیان میں قابل شادی ہے۔ ایک پوتی اور پوتا کم سن ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں
اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

مکرم محمد یوسف صاحب گجراتی

ولد مکرم محمد اسمٰعیل صاحب۔ بمقام نصیرہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

نصیرہ کھاریاں کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں تھا آزادی کے بعد جب کھاریاں
میں چھاؤنی بنی تو یہ گاؤں چھاؤنی میں آ گیا تھا اور اس میں بسنے والے تمام افراد کچھ
کھاریاں میں اور بعض دیگر کئی مقامات میں آباد ہو گئے تھے۔ نصیرہ سے دو برادران
مکرم مولوی برکت علی صاحب اور محمد یوسف صاحب قادیان میں خدمت کے لئے
جون ۱۹۴۷ء میں آئے تھے اور پھر قادیان سے جماعت کی اکثریت کے ہجرت کر
جانے پر درویشان قادیان میں رہ پڑے تھے۔ محمد یوسف صاحب بڑی سلجھی ہوئی
طبیعت کے مالک تھے۔ جو کام کرتے بڑے توجہ اور ذمہ داری سے کرتے۔ اس لئے
افسران ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ موضع ستھیالی سے احمدیوں کو بحفاظت نکال کر
لانے کی جن خدام کی ڈیوٹی تھی ان میں محمد یوسف صاحب بھی تھے۔

جب قادیان سے اپنا اخبار جاری کرنے کا پروگرام بنا تو دو خدام کو ربوہ بھجوا کر
پریس کا کام سکھایا گیا تھا۔ ان میں ایک محمد یوسف صاحب تھے فوری طور پر قادیان
میں پریس نہیں لگایا جا سکا۔ جو پریس موجود تھا وہ پرانا تھا اور بہت سی مرمت چاہتا تھا
وہ فروخت کر دیا گیا تھا اور اخبار بدر امرتسر سے چھپوانا شروع کر دیا گیا تھا جو کم وبیش
بیس اکیس سال تک امرتسر سے ہی چھپتا رہا۔ قادیان میں کوئی گاڑی کار یا وین نہیں
تھی اور نہ قادیان میں ٹیکسی تھی۔ صرف ریل گاڑی پر ہی آمد و رفت ہو سکتی تھی اور بعض

اوقات کسی مریض کو فوری طور پر امرتسر لے جانا ہوتا تو کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس مشکل کو دیکھ کر مکرم و محترم سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی نے اپنی مملوکہ وین قادیان کے لئے وقف کر دی۔ اس وین کی ڈرائیوری کے لئے گنا مکرم محمد یوسف صاحب کے نام نکلا۔ انہیں جالندھر بھجوا کر ڈرائیوری سکھائی گئی اور ٹریننگ لائیسنس دلوا کر وین سپرد کی گئی۔ آپ بڑی ذمہ داری سے یہ فرض ادا کرتے رہے کچھ سالوں بعد وین ایک درخت سے ٹکرا گئی اور نا قابل مرمت ہوگئی پھر انجمن کی ضروریات اور درویشوں کی ایمرجنسی ضروریات کے مدنظر مکرم و محترم سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی نے ایک نئی ایمبیسڈر کار خرید کر وقف کر دی اور آپ اس کار کے ڈرائیور مقرر ہوئے اور آپ نے یہ گاڑی بیس سال تک بڑی حفاظت سے چلائی۔ ازاں بعد ایک اور ایمبیسڈر کار خرید لی گئی۔ اور آپ نئی کار کے ڈرائیور مقرر ہوئے اور دوسری کار کے لئے الگ ڈرائیور رکھ لیا گیا۔ یوں تو ۱۹۸۱ء سے آپ کی ریٹائرمنٹ ڈیوٹی تھی مگر آپ کی صحت اچھی تھی اور آپ کی کارکردگی بہت تسلی بخش تھی اس لئے ری ایمپلائی کر کے آپ سے مزید سات آٹھ سال تک کام لیا جاتا رہا۔ پھر آپ نے خود اپنی صحت اور نظر کی کمزوری کے باعث معذرت کر کے ریٹائرمنٹ لے لی۔

آپ کبڈی کے بھی اچھے کھلاڑی تھے۔ شروع درویشی میں جہاں احمدیہ شفاخانہ نے ماحول سازگار کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ وہاں جماعت احمدیہ کی دو ٹیموں کے ذریعہ پنجاب میں آمد و رفت کے دروازے کھلے۔ ایک کبڈی کی ٹیم تھی دوسری والی بال کی۔ آپ دونوں ٹیموں کے اچھے کھلاڑی تھے۔ خاص کر ہمارے سب کھلاڑی اچھے جسم والے اور اچھی کھیل پیش کرنے والے تھے اور جہاں بھی جاتے لوگ دور دور سے دیکھنے آتے تھے۔ کھیل کم دیکھتے تھے کھلاڑیوں کو زیادہ دیکھتے تھے۔

آپ دوسری عالمی جنگ کے دوران ملٹری میں بھی رہ چکے ہوئے تھے۔ ملٹری

سے فارغ ہو کر گھر آئے تو قادیان میں خدمت کے لئے حاضر ہو گئے شادی ہو چکی ہوئی تھی جب درویشان کی فیملیاں قادیان منگوانے کا پروگرام بنا تو ان کی اہلیہ نے قادیان آنے سے انکار کر دیا۔ بدین وجہ آپ نے اس کو طلاق دے دی اور یہاں بھارت میں مین پور صوبہ یوپی میں داروغہ شاد بخش صاحب کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکا اور سات لڑکیاں عطا فرمائیں۔ آپ کا بیٹا صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں ہے۔ اور سب لڑکیاں شادی شدہ ایک بیٹی کینسر سے وفات پا گئی ہے۔ باقی سب اپنے گھروں میں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ان سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

محمد یوسف صاحب عام طور پر زندگی بھر صحت سے رہے بہت کم بیمار ہوئے البتہ آخری سالوں میں شوگر کے مریض بھی ہو گئے تھے۔ اچانک ایک روز پیٹ میں درد اور چند الٹیاں بھی آئیں۔ فوری طور پر احمدیہ شفاخانہ سے رجوع کیا گیا انہوں نے اپنے ذرائع کے مطابق علاج کیا مگر تسلی بخش فائدہ نہیں ہوا۔ اس پر انہیں امرتسر لے جایا گیا وہاں انہوں نے معدہ کا اپریشن کیا اور علاج جاری رکھا۔ پندرہ بیس دن علاج ہوتا رہا آخر مؤرخہ ۱۹ مارچ ۱۹۹۹ء کو آپ نے امرتسر ہسپتال میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

امرتسر سے نعش قادیان لائی گئی اور بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلند درجات عطا فرمائے۔ اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور آپ کے بچوں کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم محمد اسحٰق صاحب

ولد مکرم مستری محمد الدین صاحب موضع گجو چک ضلع گوجرانوالہ

تلونڈی راہوالی سے گکھڑ کی طرف ایک میل چلیں تو ایک راجباہ آتا ہے اس راجباہ کے ساتھ ساتھ جدھر سے پانی آرہا ہے تین میل تک چلیں تو ایک پل راجباہ آتا ہے۔ یہاں کھڑے ہوں تو بائیں طرف تلونڈی کھجور والی اور دائیں طرف گجو چیک ہے۔ اس گاؤں کی نصف سے زیادہ آبادی احمدی ہے۔ یہاں پر مکرم مستری محمد الدین صاحب گاؤں میں لوہار کا کام کرتے تھے اور خراس بھی لگایا ہوا تھا۔ بہت اچھے اور نیک طبیعت آدمی تھے۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے جو اپنے کام میں ماہر تھے۔ جب جنگ عالم گیر ثانی شروع ہوئی تو ان کے بیٹوں میں سے دو ملٹری میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ان دو میں سے ایک محمد اسحٰق صاحب تھے۔ ۱۹۴۱ء میں مکرم مستری محمد الدین صاحب گجو چیک سے ہجرت کے قادیان آ گئے تھے اور محلہ دارالفضل کے مشرقی حصہ میں ریلوے لائین کے قریب آپ نے مکان بنایا تھا۔ اس جگہ پر آج کل مارک فیڈ کے گودام ہیں۔ یہاں پر بھی آپ نے لوہار کا کام شروع کیا تھا اور آپ کے آنے سے اس ایریا کی ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی تھی۔

ملٹری سے لڑائی بند ہو جانے پر محمد اسحٰق صاحب واپس گھر آئے تو اس وقت حضور کی طرف سے خدام کو قادیان کے لئے بلایا گیا تھا۔ آپ بھی قادیان آ گئے۔ آپ کے والد صاحب پہلے ہی قادیان میں موجود تھے۔ قادیان سے جماعت کی ہجرت کے

وقت آپ بھی بطور درویش قادیان رہ پڑے۔ دیہاتی مبلغین کلاس جاری تھی پہلے ان کا یہ خیال ہوا کہ میں بھی یہ کورس کروں انہوں نے پڑھنا شروع کیا مگر جلد انہیں محسوس ہو گیا کہ یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ قرآن کریم بہت اچھی طرح پڑھتے تھے اور بہت سی سورتیں زبانی یاد تھیں۔ اس لئے بعض اوقات جب حافظ بیمار ہوتے تو نماز تراویح اور تہجد بھی پڑھا دیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ درویشان میں مولوی محمد اسحٰق صاحب کے نام سے معروف تھے سورۃ الرحمٰن بہت اچھی آواز اور لحن میں پڑھا کرتے تھے۔

ملٹری میں آپ بطور منٹر بھرتی ہوئے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں جب بارشوں کی وجہ سے ایریا کے بہت سے مکان گر گئے تھے۔ اس وقت معماروں کی اشد ضرورت تھی۔ کئی درویشوں نے یہ کام سیکھا۔ مکرم مولوی محمد اسحٰق صاحب نے بھی سیکھ لیا اور ایک عرصہ تک معماری کا کام کرتے رہے۔ کیونکہ آپ بھی صدر انجمن احمدیہ کی تحریک پر فارغ ہو چکے ہوئے تھے۔ پھر آپ بغرض ملاقات پاکستان گئے تو آپ کے بڑے بھائی محمد یوسف صاحب ایاز طب کی پریکٹس کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی ان کے ساتھ رہ کر اس فن میں مہارت حاصل کر لی۔ ۱۹۶۲ء کے بعد آپ نے بھی یونانی دواؤں کی پریکٹس شروع کر لی۔

جب دیگر درویشان کے اہل وعیال پاکستان سے آئے تو آپ کی اہلیہ مع ایک بچی کے قادیان آ گئی تھیں۔ قادیان میں اس اہلیہ سے آپ کی اور اولاد نہیں ہوئی۔ بچی کی شادی آپ نے لاہور میں کر دی تھی۔ آپ کی اہلیہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ ایک لمبا عرصہ علیل رہ کر وہ وفات پا گئیں۔ تب آپ نے دوسری شادی اڑیسہ میں کی۔ اس کے بطن سے ایک بچی ہو کر وفات پا گئی تھی اور ایک لڑکی زندہ موجود ہے۔

آپ خود عموماً صحت سے رہتے رہے، مگر آپ کا یہ طریقہ تھا کہ سبزی لیتے تو کتاب

میں اس کے خواص اور تاثیرات دیکھ کر اس کو استعمال کرتے اس قدر احتیاط کے باوجود کوئی نہ کوئی خوراک ناموافق ہو جاتی ۔ یوں ہی حالات چل رہے تھے ۔ ۶۵ سال کی عمر کے بعد آپ کو بھی فیملی سکیل گزارہ بطور پنشن مل رہا تھا ۔ اور اپنی پریکٹس سے بھی کچھ نہ کچھ کما لیتے تھے ۔ اس لئے آسودگی سے گزر اوقات ہو رہی تھی ۔ آخری دنوں آپ نے کمزوری کے باعث باہر آنا جانا ترک کر دیا ہوا تھا ۔ مؤرخہ ۲۱ فروری ۲۰۰۱ء کو اچانک اطلاع ملی کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب وفات پا گئے ہیں ۔ ان کی اہلیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا تکلیف لاحق ہوئی تھی تو اس نے بتایا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں ہارٹ فیل ہو کر موت واقع ہو گئی ۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات عطا فرمائے ۔ آپ کی یادگار اہلیہ دوم اس کی ایک بچی قادیان میں ہیں ۔ اور اہلیہ اول میں سے ایک بچی جس کی شادی لاہور میں ہو چکی ہوئی ہے اور گھر خوش حال صاحب اولاد ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کا خود کارساز ہو اور اپنی رحمت کے سایہ تلے رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے ۔ مولوی محمد اسحٰق صاحب موصی تھے مؤرخہ ۲۱ فروری ۲۰۰۱ء بعد نماز عصر آپ کا جسم خاکی بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک کے سپرد کر دیا گیا ۔

مکرم مولوی بشیر احمد صاحب خادم

ولد مکرم حکیم الٰہ بخش صاحب قادیان

مؤرخہ ۲۶ جولائی ۲۰۰۱ء عصر کی نماز کے بعد کسی نے مجھے مطب میں بتایا کہ مکرم بشیر احمد صاحب خادم کو کچھ ہو گیا ہے اور انہیں ڈاکٹر محمود احمد صاحب بٹ کے کلینک میں داخل کرایا گیا ہے ۔ بڑی حیرانی ہوئی ۔ صبح ہی وہ میرے پاس مطب میں بیٹھے ہوئے تھے یہ کیا ماجرا ہوا ۔ چند منٹوں بعد رکشا آ گیا اور میں سوار ہو کر مکرم ڈاکٹر بٹ صاحب کے کلینک گیا ۔ وہاں پہنچا تو برآمدہ میں عزیز مکرم مولوی ظہیر احمد صاحب خادم کھڑے تھے ۔ میں نے پوچھا خادم صاحب کہاں ہیں ۔ تو بتایا کہ خادم صاحب اللہ میاں کے پاس جا چکے ہیں ۔ آپ کی میّت اندر پڑی ہے ۔ اندر پورا خاندان جمع تھا ۔ میں نے جا کر دیکھا خادم صاحب واقعی وفات پا چکے تھے ۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

کچھ دیر تو میری یہ حالت ہوئی کہ جیسے کوئی سدھ بدھ ہی نہ رہی ہو پھر آہستہ آہستہ گزرے واقعات ایک ایک کر کے ذہن کی سکرین پر اجاگر ہونے لگے ۔

مولوی صاحب ان دنوں مالیر کوٹلہ میں متعین تھے ۔ یہ اگست ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے ۔ میں مالیر کوٹلہ گیا ۔ مجھے مسجد کا تو پتہ معلوم تھا کیونکہ قبل ازیں میں ایک مرتبہ جب امیر احمد صاحب وہاں متعین تھے ۔ آ چکا ہوا تھا ۔ جب میں بس سے اتر کر چلتا ہوا سرہندی گیٹ سے اندر جانے لگا تو وہاں پر کھڑے ایک دوست نے مجھے اجنبی پا کر پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں ۔ میں نے بتایا قادیان سے تو وہ گویا ہوئے تب تو

آپ کو قادیانی مولوی صاحب کے ہاں جانا ہوگا میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے بتایا کہ مولوی صاحب کے گھر کا دروازہ باہر سڑک پر ہی ہے آپ کو اندر جانے کی ضرورت نہیں میں نے کہا بتائیں تو اس نے ساتھ جا کر دروازہ بتا دیا۔ مولوی بشیر احمد صاحب ایک کرایہ کے مکان میں مقیم تھے اور آپ کی تیسری بیوی آپ کے ساتھ تھیں۔ دستک دینے پر مولوی صاحب نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اندر بلایا قادیان کا حال چال دریافت کیا۔ اتنی دیر میں آپ کی اہلیہ صاحبہ نے دوپہر کا کھانا تیار کر دیا جو ہم نے مل کر کھایا اور دوپہر کو کچھ دیر آرام کر کے بعد نماز عصر پھر باہر گھومنے نکلے۔ مولوی صاحب نے کئی زیر تبلیغ دوستوں سے ملوایا۔ بعض نے چائے پانی سے تواضع بھی کی اور مغرب کی نماز ہم دونوں نے مسجد احمدیہ میں پڑھی جو انتہائی خستہ حالت میں تھی۔ اور پھر واپس گھر آ کر رات کا کھانا کھایا اور سو گئے۔ آدھی رات گزری ہوگی کہ مجھے سخت سردی کا احساس ہوا۔ میں نے مولوی صاحب کو آواز دی وہ آئے اور مجھ کو گرم کمبل اوڑھا دیا گرم پانی پلایا تب کچھ سکون ہوا اور مجھے ایک دم بخار ۱۰۳ تک ہوگیا۔ اگلے روز ایک ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا انہوں نے تشخیص کیا کہ ملیریا اور ٹائیفائیڈ ہے۔ اس کے مطابق علاج شروع ہوا اور پانچ روز بعد بخار ٹوٹ گیا۔ اس دوران مولوی صاحب اور آپ کی اہلیہ نے جس خلوص سے میری تیمارداری کی میں ان کو کبھی بھول نہیں سکا۔

بخار اتر جانے پر میں مزید پندرہ روز وہاں رہا اور پھر آگے روانہ ہوگیا۔ پھر مولوی صاحب قادیان آگئے اور آپ کی ڈیوٹی دفتر زائرین میں لگ گئی اور ریٹائرمنٹ تک آپ اسی دفتر میں خدمت بجا لاتے رہے۔ جب ۱۹۸۳ء میں مضافات قادیان میں تبلیغ کا کام باقاعدہ سکیم بنا کر شروع ہوا تو مکرم خادم صاحب جو اس وقت ریٹائر ہو چکے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ طوعی طور پر اس میں میرا ساتھ

دیں۔ میں اس مہم کا نگران مقرر ہوا تھا۔ مولوی صاحب بخوشی تیار ہو گئے۔ تبلیغ کرنے کا تو آپ کو شوق بلکہ جنون تھا۔ آپ ہمہ وقت اس کے لئے تیار رہتے۔ آپ اس مہم میں سخت گرمی میں سخت سردی میں بلند بالا پہاڑوں اور وادیوں میں میرے ساتھ گھومے اور ہر صعوبت بڑی خوشی سے برداشت کی کئی دفعہ پورا پورا دن بھوکے رہ کر گزارنا پڑا۔ بڑی خوشی سے قبول کیا اور اگلے ہی دن کسی اور جانب کا پروگرام بنا تو بلاتوقف تیار ہو گئے۔

دو مرتبہ مکرم خادم صاحب نے میرے ساتھ بھدرواہ کا سفر اختیار کیا۔ ایک مرتبہ تربیتی دورہ میں اور ایک مرتبہ ایک جائیداد کی تقسیم کا مقدمہ تھا۔ میری درخواست پر کہ مکرم خادم صاحب کو بھی ساتھ دے دیا جائے تا جب تک میں جائیداد کا جھگڑا سنوں یہ جماعت میں وعظ و نصیحت کریں۔ منظور کر لیا گیا اور یہ دونوں یادگار سفر مجھے ہمیشہ ذہن میں تازہ رہے اور سوچ کر ایک سرور سا حاصل ہوتا ہے۔ ان سفروں کے دوران مسجد احمدیہ جموں میں آتے جاتے چار راتیں گزارنے کا اتفاق ہوا اور مسجد کی خستہ حالت دیکھ کر یہ احساس پیدا ہوا کہ اس کی طرف توجہ دی جانی ازبس ضروری ہے۔ میں نے مکرم خادم صاحب سے مشورہ کر کے حضور انور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ رپورٹ بھجوائی کہ جموں شہر جو ریاست جموں و کشمیر کی سرمائی راج دھانی ہے۔ یہ کشمیر دہلی سے قادیان آنے والوں کے سفر کے درمیان میں پڑتا ہے۔ سری نگر سے جموں تک بس بارہ گھنٹہ میں پہنچتی ہے اور مسافر جموں میں رات گزار کر اگلے روز قادیان پہنچتے ہیں۔ اس میں جماعت احمدیہ کی جو مسجد موجود ہے وہ نہائیت خستہ حالت میں ہے اور ہے نہائیت موزوں جگہ پر اور گنجان علاقہ میں ہے اس کی توسیع کا بظاہر جلد کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہاں ایک صورت ممکن ہے۔ مسجد خستہ ہے عمارت کو از سر نو بنانا ازبس ضروری ہے۔ ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اس کو نئے سرے

سے تعمیر کرتے وقت اس کی نچلی منزل کو مہمان خانہ و دفتر کے طور پر تعمیر کیا جائے اور اوپر والی منزل میں مسجد اور مبلّغ کے قیام کے لئے کوارٹر تعمیر کرلیا جائے۔ اس صورت میں اگلے پچاس سال کے لئے موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے گزارہ کی صورت نکل آئے گی۔ حضور کی توجہ اور راہنمائی درکار ہے۔ اس پر حضور پرنور کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ نقشہ اور پوری سکیم کے اخراجات اندازہ کے ساتھ بھجوائیں۔ سو اس کے لیئے نقشہ تخمینہ حضور کی خدمت میں بھجوایا گیا۔ جو حضور نے منظور فرمالیا اور اس کی تعمیر شروع کردی گئی۔ چونکہ میں پورا ٹائم وہاں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ میں نے مکرم خادم صاحب سے درخواست کی کہ وہ بطور نگران جموں میں قیام کرکے اس کی نگرانی کریں۔ انہوں نے یہ بار اٹھانا منظور کرلیا اور تا تکمیل جموں میں قیام کیا۔ میں خود مہینہ میں ایک دو چکر لگاتا رہا اس موقعہ پر یہ اظہار کرنا بھی ضروری ہے کہ مکرم مستری منظور احمد صاحب نے بھی اس کام کی تکمیل میں بھرپور تعاون دیا۔ نیز عزیز مکرم مولوی عبدالرشید صاحب جو اس وقت جموں میں بطور مبلّغ متعین تھے۔ نے بھی بڑا تعاون دیا اور اب مسجد خدا تعالیٰ کے فضل سے دومنزلہ تیار ہوچکی ہے۔

تبلیغ کے علاوہ خادم صاحب کو بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کا بھی جنون تھا۔ ان کے پاس اکثر بچے پڑھنے آتے رہتے تھے۔ جب ۹۲ء میں مکرم خادم صاحب ہر ایک دفتری خدمت سے فارغ ہوچکے ہوئے تھے تو پھر بھی زیر تعلیم معلمین میں سے جو کمزور ہوتے ان کو پڑھانے کا پروگرام بنا کر بعض اوقات ان کو گھر بلا کر اور بعض اوقات ان کے ہاں جاکر جاری رکھتے۔ فارغ ہونے کے بعد کئی سال بلا معاوضہ زیر تعلیم معلمین کو گیسٹ ہاؤس جاکر پڑھاتے رہے۔ اور جب کمزوری کے باعث نہ جاسکتے تو اپنے گھر بلا کر ٹائم دیتے۔ جس روز آپ کی وفات ہوئی ہے اس روز

بھی چند بچوں کو پڑھا کر پھر اخبار لے کر لیٹ گئے کہ لیٹ کر مطالعہ کرتا ہوں اور لیٹے لیٹے ہی دماغ کی رگ پھٹ کر دماغ کے اندر جریان خون ہوگیا اور آپ کی وفات ہوگئی۔

خادم صاحب کی زندگی کا سطحی جائزہ لیا جائے تو دو باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آٹھ بیٹے عطا فرمائے اور آپ نے سب لڑکوں کو سلسلہ کی خدمت میں لگادیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹیاں دیں اور آپ نے چاروں ہی درویشان کے بیٹوں سے بیاہ دیں۔ گویا آپ کی پوری زندگی خدمتِ دین اور تبلیغ اور تعلیم قرآن کریم سے عبارت ہے۔

آپ کی شادی ۱۹۴۷ء سے قبل ہوچکی ہوئی تھی جب درویشان کی فیملیاں پاکستان سے قادیان آئیں تو آپ کی اہلیہ بھی آگئی تھیں۔ اس اہلیہ کے بطن سے آپ کے چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ اس خاتون کی وفات ایک بچے کی پیدائش پر کیس بگڑ جانے اور قادیان میں کسی لیڈی ڈاکٹر یا مردسرجن کے نہ ہونے کی وجہ سے کیس امرتسر لے جانا پڑا اور امرتسر جاتے ہوئے رستہ میں وفات پاگئیں۔ دوسری شادی آپ نے ایک معمر خاتون سے حیدرآباد میں کی تھی جن کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی وہ اولاد پیدا کرنے کی عمر سے تجاوز کرچکی تھیں۔ صرف ان کی خدمت کے جذبہ کے تحت شادی کی تھی۔ ان کے بچوں نے کمال ہمدردی سے اس والدہ کی یوں خدمت کی جیسے ان کی اپنی ماں ہو۔ وہ کئی سال تک بستر پر رہیں مگر کسی بچے کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ تیسری شادی آپ نے حیدرآباد میں ہی ایک جواں سال خاتون سے کی اس کے بطن سے بھی کوئی بچہ نہیں ہے۔ اس اہلیہ سے بعد میں تنازعہ ہوگیا اور آپ نے اس کو اپنی زوجیت سے آزاد کردیا۔ چوتھی شادی آپ نے اڑیسہ میں کی۔ یہ بھی معمر خاتون ہیں ان کی پہلے خاوند سے ایک بیٹی ہے۔ اور خادم صاحب کو اس

بیوی کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے دو لڑکے عطا فرمائے ہیں۔ جو مدرسہ احمدیہ میں زیرِ تعلیم ہیں۔ مکرم خادم صاحب کی ایک خصوصیت جو انہیں سارے درویشوں سے ممتاز کرتی ہے یہ بھی ہے کہ اپنے نہ صرف آٹھ لڑکوں کو مولوی فاضل تک تعلیم دلا کر سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا بلکہ اپنی دو لڑکیوں ایک سب سے بڑی اور دوسری سب سے چھوٹی بیٹی کو بھی مولوی فاضل تک تعلیم دلائی اور یہ دونوں قادیان میں دو درویشوں کے بچوں سے بیاہی ہوئی ہیں۔ آپ مہمان نواز بھی تھے۔ اور یہ وصف آپ کی اولاد میں بھی موجود ہے۔

ایک خاص وصف آپ میں یہ بھی تھا کہ یتیم غریب بے سہارا بچیوں کی شادیوں کا کچھ خرچ خود اٹھا کر کچھ بعض دوستوں کو تحریک کر کے اور کچھ صدر انجمن احمدیہ سے مدد دلا کر کرتے رہتے تھے۔ بیسیوں بچیوں کے نکاح اور شادیاں آپ نے کرائیں اور آگے اپنی اولاد کو بھی اس کی ترغیب دی اور وہ بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔

جب ۱۹۸۳ء میں پنجاب میں سلسلہ تبلیغ شروع ہوا تو پہلے ہی سال مضافات سے چار لڑکے پڑھنے کیلئے آگئے تھے۔ اور یہاں نہ کوئی بجٹ تھا اور نہ ہوسٹل کی سہولت۔ اس مسئلہ میں بھی مکرم خادم صاحب نے پہل کی اور دو بچوں کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور ایک خاکسار نے اور ایک مولوی محمد احمد صاحب کالا افغانان نے اپنے گھر میں رکھ لیا اور ان کی پڑھائی و خوراک کے اخراجات خود برداشت کئے۔ اللہ تعالیٰ یہ خدمت قبول فرمائے۔

جنگ عالم گیر ثانی میں آپ ملٹری میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جنگ ختم ہونے پر واپس گھر آئے تو دیہاتی مبلغین کلاس نمبر ۳ میں داخلہ لے لیا اور جب یہ پوری کلاس درویشوں میں شامل کر دی گئی تو آپ بھی درویشوں میں آگئے۔ اور جب جنوری

۱۹۵۰ء میں پہلا گروپ اس کلاس سے ہندوستان کی جماعتوں میں بھجوایا گیا تو آپ کو بھی بھجوا دیا گیا تھا۔ آپ حیدر آباد، بہار، یوپی پنجاب اور کئی اور مقامات میں تبلیغ اور تربیت کا فرض ادا کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اپنے حضور بلند درجہ عطا فرمائے۔

مؤرخہ ۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ کو آپ کا جسم بہشتی مقبرہ کی مقدس زمین کے حوالہ کر دیا گیا۔

مکرم مرزا ظہیر الدین منور احمد صاحب

ولد حضرت مرزا برکت علی صاحب قادیان

حضرت مرزا برکت علی صاحب کے والد بزرگوار بھی صحابی تھے اور والدہ محترمہ بھی صحابیہ تھیں۔ آپ ابھی گود میں ہی تھے کہ آپ کے والد صاحب وفات پا گئے اور آپ کی والدہ بیوہ ہو کر قادیان آ گئیں۔ عین انہی ایام میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب بھی سکھوں میں سے احمدی ہو کر فوج کی نوکری ترک کر کے قادیان آئے ہوئے تھے۔ احمدی ہو جانے کی وجہ سے آپ کی پہلی بیوی نے آپ کی زوجیت میں رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور آپ کا بچہ بھی انہوں نے رکھ لیا تھا۔ گویا آپ بیوی اور ایک بچہ احمدیت قبول کرنے پر قربان کر کے آئے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز آپ سے کہا میاں عبدالرحیم آپ ان سے شادی کر لیں۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا۔ اس خاتون کے بیوہ ہونے کی وجہ سے انہیں کچھ انقباض تھا اور ایک بچہ بھی ساتھ تھا۔ چند روز اور گزر گئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ کہا کہ میاں عبدالرحیم آپ ان سے شادی کر لیں آپ کو بہت آرام ملے گا۔ تب حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور یہ شادی ہو گئی۔ گویا آپ جو بیوی اور ایک بچہ چھوڑ کر آئے تھے وہ آپ کو مل گئے۔ حضرت بھائی جی فرمایا کرتے تھے کہ واقعی مجھے اس شادی سے اتنا سکھ اور آرام ملا کہ میں اپنی سابقہ بیوی کے ساتھ زندگی میں اس کا

تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیوی سے اور بھی اولاد عطا فرمائی جو نہایت نیک اور احمدیت کی فدائی تھی۔ مرزا برکت علی صاحب بھی آپ کی ہی شفقت پدری سے پلے۔ وہ آپ کو ابا جان کہہ کر ہی پکارا کرتے تھے۔

مرزا ظہیر الدین منور احمد صاحب آپ کو دادا جان کہہ کر پکارتے تھے۔ مرزا ظہیر الدین صاحب نے میٹرک کر کے صدر انجمن احمدیہ کے سروس کمیشن کا امتحان دیا تھا۔ اور بہت اچھے نمبر آئے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت کا ارادہ رکھتے تھے کہ اس دوران جنگ عالم گیر ثانی شروع ہو گئی اور آپ ملٹری میں بھرتی ہو گئے۔ ملٹری میں انہیں ریلوے میں ایڈجسٹ کیا گیا۔ اور یہاں N.W.R میں انہیں ٹکٹ بابو ٹکٹ چیکر گارڈ اور اسٹیشن ماسٹر کی ٹریننگ دی گئی اور پھر آگے بھجوا دیا گیا جہاں آپ مختلف پوسٹوں پر کام کرتے رہے۔ اور جنگ ختم ہونے پر گھر آئے۔ اور ۱۹۴۷ء میں درویشان میں رہ پڑے۔

آپ کی شادی درویشی میں آنے سے قبل ہو چکی تھی آپ کا جو رشتہ والدہ اور آپ کے والد صاحب نے طے کیا تھا آپ کو کچھ انقباض تھا۔ اس لڑکی کا رنگ گندم گوں تھا اور یہ چاہتے تھے کہ اس سے اجلے رنگ والی لڑکی ہو۔ جب حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ منور احمد کو میرے پاس بھیجو میں اس کو سمجھاتا ہوں۔ چنانچہ مرزا ظہیر الدین صاحب کو حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب (دادا جان) کے پاس بھجوایا گیا۔ آپ نے ان کے کان میں ایک بات کہی اور مرزا صاحب اس شادی پر راضی ہو گئے۔ (یہ بات میں یہاں نہیں لکھوں گا۔ نہ بتاؤں گا ہاں اگر کوئی وعدہ کا پکا درویش جو مجھ سے یہ عہد کرے کہ میں اس بات کو عام نہیں کروں گا تو میں انکے کان میں وہ بات بتا دوں گا۔) اس اہلیہ کے بطن سے آپ کی ایک بیٹی بھی ۱۹۴۸ء کے شروع میں ہوئی۔ اور جب پاسپورٹ ویزا شروع ہوا تو

آپ کی اہلیہ اور بچی بھی قادیان آئی تھیں۔ بعد میں باہمی تعلقات میں کچھ خرابی آجانے سے مرزا صاحب نے ہندوستان میں دوسری شادی کر لی اور پہلی بیوی نے بذریعہ قضاء علیحدگی حاصل کر لی۔ دوسری بیوی کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹیاں اور تین بیٹے عطا فرمائے۔ جن میں سے ایک بیٹا فوت ہو چکا ہے۔ اور باقی بچے شادی شدہ اپنے گھروں میں خوش خرم ہیں۔ سب بچوں کی شادیاں بیرونی ملک ہوئی ہیں۔ قادیان میں جو بچہ تھا وہ وفات پا گیا ہے اور اس کی بیوہ اور دو بچیاں قادیان میں موجود ہیں۔

درویشی دور میں جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی تنظیم نو ہوئی تو مرزا ظہیر الدین منور احمد کو انسپکٹر بیت المال مقرر کیا گیا اور آپ نے بڑی جانفشانی سے جماعتوں کو منظم کرنے اور مالی معاملات میں بیدار کر کے چندہ جات کے نظام کو مستحکم کرنے کا کام بڑی خوش اسلوبی سے کیا۔ دس سال تک آپ نے فیلڈ میں کام کیا ازاں بعد آپ کا دفتر تعلیم میں نائب ناظر کے طور پر تقرر ہوا۔ آپ نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس طرح بطور آڈیٹر اور نائب ناظر بیت المال آمد کے طور بھی خدمات کا موقعہ ملا۔ اور ۱۹۷۸ء میں آپ ریٹائر ہو گئے۔ چونکہ آپ کو دمہ کا عارضہ تھا صحت خاصی کمزور ہو چکی تھی۔ آپ نے ری ایمپلائی ہو کر سروس کرنا پسند نہیں کیا۔ علمی ذوق رکھتے تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد آپ کو خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ میں ایم اے کر لوں آپ نے تیاری شروع کر لی اور دو سال بعد امتحان دینے چلے گئے۔ امرتسر میں سنٹر تھا ابھی انتظار میں بیٹھے تھے وہاں کچھ لڑکیاں بھی اپنی سیٹیں دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ وہ پوچھنے لگیں بابا جی آپ کی کوئی پوتی امتحان دے رہی ہے۔ مرزا صاحب نے کہا نہیں بیٹا میں خود امتحان دے رہا ہوں۔ وہ ہنس کر کہنے لگیں اس عمر میں آپ نے کہا ہاں اس عمر میں اس لئے امتحان دے رہا ہوں کہ نوجوانوں کو شرم دلاؤں کہ

انہیں اس وقت بہت سی سہولتیں موجود ہیں پڑھنا چاہیئے۔ مگر وہ پڑھنے سے دل چراتے ہیں۔ مجھے دیکھیں کہ میں بڑے اعتماد سے امتحان دے رہا ہوں۔ اور واقعی آپ نے سیکنڈ ڈویژن میں امتحان پاس کر لیا۔

ذکر آ چکا ہے کہ انہیں دمہ کا عارضہ تھا اسی وجہ سے کمزور ہوتے چلے گئے اور جوں جوں عمر اور کمزوری بڑھتی دمہ کے دورے بھی جلد جلد اور زیادہ شدت سے ہوتے چلے گئے۔ اور آخر ۲۴ اگست ۲۰۰۱ء کو آپ نے دورہ کے دوران ہی سفر آخرت اختیار کیا اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی دوسری اہلیہ بھی چند سال قبل وفات پا چکی تھیں۔ دو بیٹے اور دو لڑکیاں بیرونی ممالک میں آباد ہیں۔ ایک بیٹا بہو اور اس کی ایک کم سن بچی گلشنِ احمد میں چھوڑ کر آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں جا بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔ آمین

مکرم محمد اسمٰعیل صاحب ننگلی درویش

ولد مکرم فقیر محمد صاحب ننگل باغباناں قادیان

قد درمیانہ سینہ فراخ مضبوط آہنی جسم رکھنے والے تھے۔ خطرات میں بھی بڑی جرأت سے آگے بڑھنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ایک توڑی کے موسل کو آگ لگ گئی۔ کئی لوگ جمع تھے سوچ رہے تھے کہ کیا کیا جائے اتنے میں محمد اسمٰعیل صاحب بھی وہاں آ گئے اور اپنے آتے ہی صورت حال کو دیکھا اور فوراً ایک درانتی ہاتھ میں لے کر موسل سے کچھ فاصلہ پر جا کر وہاں سے دوڑتے ہوئے آئے اور اونچی چھلانگ لگا کر موسل کے اوپر والا بیٹر کاٹ دیا جس سے جل رہا ناڑ سب نیچے گر گیا اور پاس کھڑے افراد نے ڈنڈوں سے کوٹ کر آگ بجھا دی اور موسل جلنے سے بچ گیا۔

آپ تقسیم ملک سے قبل قادیان کے مشہور کارخانہ میک ورکس میں ملازم تھے۔ آپ کی ڈیوٹی نکل ہونے والی باڈیز کو چمڑے کی سان پر رگڑ کر نکل کے قابل بنانے پر تھی۔ آپ یہ کام بڑی توجہ اور پھرتی سے کرتے تھے اور آپ کی قوت کا یہ حال تھا کہ کارخانہ میں ۲۵۰ ہارس پاور کی موٹر تھی جس کی شافٹ پر تیس مشینوں کے پٹے یکدم چلتے تھے۔ آپ اپنے اڈہ کی شافٹ کو اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ دباتے جاتے اور پورے کارخانہ کو بریک لگا دیا کرتے تھے۔ کارخانہ کی جانب مشرق صلاح پور گاؤں تھا۔ یہاں کے سکھ جاٹوں میں ایک دوسرے سے دشمنیاں تھیں۔ ہر سال جب گندم کی فصل کٹتی تو یہ لوگ ایک دوسرے کے کھلواڑے کو آگ لگا دیا کرتے تھے۔ اور اکثر

اوقات جب آگ لگتی تو کارخانہ میں گھنٹی بجتی اور تمام کاریگر آگ بجھانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوتے اور ان میں مکرم محمد اسمٰعیل صاحب آگ سے باقی فصل کو بچانے میں اہم رول ادا کرتے۔

ننگل باغباناں قادیان کے جنوب میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کاغذات مال کے لحاظ سے بندوبست اراضی ۱۸۶۵ء کے مطابق یہ قادیان میں ہی شامل ہے۔ سکھوں کے دور میں جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان قادیان سے ہجرت کر کے بیگووال چلا گیا تھا۔ قادیان کے گرداگرد اس خاندان کی جاگیر جو اس وقت تک صرف ۸۰ گاؤں رہ گئی تھی۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے زمانہ میں حضرت اقدس کا خاندان پھر قادیان آ کر آباد ہوا تو مہاراجہ ہی نے پانچ دیہات بحال کر دئے تھے۔ باقی دیہات بحال نہیں ہوئے یہ پانچ دیہات ننگل باغباناں، ننگل خورد، قادر آباد، احمد آباد اور قادیان تھے۔

تقسیم ملک کے وقت جب مضافات قادیان بھی فسادات کی زد میں آ گیا تو دیہات کی آبادی اٹھ اٹھ کر قادیان میں جمع ہونا شروع ہو گئی۔ ننگل باغباناں پورا گاؤں احمدی آبادی والا تھا۔ یہ سب سے آخر میں اٹھ کر آیا اور جب قادیان میں ۳۱۳ افراد رکھے جانے کے لئے افراد چنے گئے تو ننگل کے بھی افراد درویشان میں رہ پڑے تھے۔ مکرم محمد اسمٰعیل صاحب انہی میں سے تھے۔ آپ کی شادی ہو چکی ہوئی تھی بچے ایک لڑکا ایک لڑکی بھی تھے بیوی بچے پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں جا کر آپ کی اہلیہ وفات پا گئی تھیں۔ اس لئے جب درویشان کی شادیاں ہوئیں تو آپ نے بھی اپنی دوسری شادی حیدرآباد دکن کے علاقہ میں کر لی۔ اس اہلیہ کے بطن سے پانچ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ کل ملا کر آپ کی اولاد چھ لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں۔ پہلی بیوی کے دونوں بچے پاکستان میں ہیں۔ دوسری بیوی کی اولاد میں سے دو لڑکے اور دو

لڑکیاں بیرونی ممالک میں ہیں اور باقی قادیان میں شادی شدہ برسر روزگار آسودہ حال زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔

محمد اسمٰعیل صاحب پڑھے ہوئے نہیں تھے تاہم اپنے خاندانی کام میں بڑے ماہر تھے۔ سبزیوں کی کاشت اور دیکھ بھال اور پھل دار درختوں کی پرورش اور دیکھ بھال میں ماہر تھے اس لئے آپ کی ڈیوٹی زیادہ تر بہشتی مقبرہ میں ہی رہی۔ جہاں پرانے درخت بھی تھے اور جو باغ بوڑھا ہو چکا تھا اس کی جگہ پر نئے آم کے درخت لگائے گئے اور اب وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھا پھل دے رہے ہیں۔ جب تک آپ کی صحت نے اجازت دی آپ خدمت کرتے رہے۔ پھر آپ ریٹائر لائف گزار رہے تھے آپ کو دیگر درویشان کی طرح فیملی سکیل گزارہ ملتا تھا۔ آخری دو سالوں میں بڑے کمزور ہو گئے تھے۔ بواسیر کا عارضہ تھا خون اس کثرت سے جاتا تھا کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اور قبض کی سخت شکایت تھی۔ احمدیہ شفاخانہ سے علاج ہوتا رہا۔ امرتسر لے جا کر بواسیر کا اپریشن بھی کرایا گیا تھا مگر اس سے بھی فائدہ نہیں ہوا۔ اسی عارضہ سے چلنا پھرنا بند ہو گیا اور بستر کی زینت بن گئے۔ آخر کو ۱۶ ستمبر ۲۰۰۲ء کو آپ نے رات کو نہایت خاموشی کے ساتھ عالم جاودانی کے لئے سفر اختیار کیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اسی روز بعد نماز عصر آپ کے جسم خاکی کو بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک کے سپرد کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب گھٹیالیاں

ولد مکرم چوہدری غلام احمد صاحب بمقام گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ

شاہدرہ لاہور سے نارووال جانے والی ریلوے لائن پر بدوملہی سٹیشن پر اتر کر مغرب کی طرف چھ میل جائیں تو گھٹیالیاں نظر آتا ہے اور اگر بذریعہ سڑک مریدکے سے بدوملہی جانے والی سڑک پر سفر کریں تو داتہ زید کا قلعہ اور گھٹیالیاں بعد میں بدوملہی آتا ہے۔ گھٹیالیاں ایک بڑا نگر ہے اس کی نو پتیاں ہیں اور ۹ نمبردار ہیں۔ عام طور پر ایک ہزار یا ۱۲ سو ایکڑ رقبہ والے گاؤں میں ایک نمبردار ہوتا ہے اور اس نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو گھٹیالیاں 9/10 ہزار ایکڑ اراضی کا ایک گاؤں ہے۔ آبادی بھی خاصی ہے۔ اور احمدیہ جماعت بھی اچھی بڑی جماعت ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں جماعت کا اپنا ہائی سکول ہے اور انٹر کالج بھی تھا۔ جب جماعت احمدیہ گھٹیالیاں میں یہ تحریک پہنچی کہ قادیان میں خدمت کے لئے رضاکارانہ خدمت کے لئے خدام کی ضرورت ہے تو مکرم بشیر احمد صاحب باوجودیکہ آپ اپنے باپ کے اکیلے لڑکے تھے خدمت کے لئے قادیان آ گئے۔ اور جب قادیان میں ہجرت کے بعد ۳۱۳ افراد کے ٹھہرنے کا پروگرام بنا تو آپ بھی درویشان میں شامل ہو گئے۔ ابتدائی دو سال تو پہرہ اور بہشتی مقبرہ کی دیوار کی تعمیر میں گزرے۔ پھر جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی تنظیم نو ہوئی تو آپ کو دفتر محاسب میں بطور کلرک متعین کیا گیا اور آپ کو یہ دفتر اس قدر پسند آیا اور دفتر کو آپ اس قدر پسند آئے کہ ساری سروس ہی اسی دفتر میں گزار

دی۔ اوّل اوّل چند سال فیملی سکیل درویشی گزارہ پر رہے۔ بعد ازاں جب صدر انجمن احمدیہ نے درویشان کے لئے اس سہولت کا اعلان کر دیا کہ جو درویش چاہیں کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کی مستقل ملازمت اختیار کرلیں وہ صدر انجمن احمدیہ کے سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے سروس میں آسکتے ہیں۔ اس پر کئی درویشان نے سروس حاصل کر لی۔ مکرم بشیر احمد صاحب بھی باقاعدہ سروس میں آ گئے۔ اور ریٹائر ہونے پر پنشن حاصل کی۔ آپ کا ذہن بہت اچھا تھا جو بات ایک بار آپ کے علم میں آجاتی وہ گویا آپ کو حفظ ہو جاتی۔ مالی معاملات کے اکثر قواعد وضوابط آپ کو زبانی یاد تھے اور جن دفعات میں صدر انجمن احمدیہ نے ترامیم کی ہوئی تھی وہ بھی آپ کو یاد تھے نیز زمینوں کی پیمائش اور ہر قسم کی زمین چوکور ہو یا تکون یا پانچ پہلو ہر ایک کا رقبہ نکالنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ غرض کہ زمیندارہ کام میں جملہ معلومات اور تجربہ رکھتے تھے۔ اسی طرح دودھ والے جانوروں اور ہالی جانوروں کی پہچان ان کی دیکھ بھال ان کی بیماری میں علاج معالجہ میں بھی خوب معلومات اور تجربہ رکھتے تھے۔

جب تک آپ کی صحت نے اجازت دی آپ بھینس پالتے رہے اور صحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر اچھی تھی کہ بعض اوقات آپ چارہ لے کر سر پر اٹھا کر آ رہے ہوتے رستہ میں احمدی نوجوان والی بال کھیل رہے ہوتے تو آپ دومن وزن اٹھائے ہوئے ہی کھڑے ہو کر دیکھتے رہتے اور اس امر کی پرواہ نہ کرتے کہ میرے سر پر بوجھ ہے اگر کوئی کہہ دیتا کہ چاچا جی آپ بوجھ اتار کر رکھ کر دیکھیں تو کہتے کوئی بات نہیں میں یہ گیم پوائنٹ دیکھ کر چلا جاؤں گا۔

آپ کی بھی شادی ہونے والی تھی۔ جب ۱۹۵۳ء میں پاسپورٹ ویزا جات شروع ہو گئے تو آپ پاسپورٹ پر پاکستان گئے اور شادی کر کے آ گئے۔ آپ کی اہلیہ کا ابھی پاسپورٹ ویزا تیار نہیں تھا بعد میں جب ان کا پاسپورٹ ویزا بن گیا تو آپ

کی اہلیہ صاحبہ مکرم چوہدری نبی احمد صاحب کے ساتھ قادیان آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اہلیہ کے بطن سے دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں عطا فرمائے۔ آپ کے سب بچے شادی شدہ برسرِ روزگار اپنے گھروں میں آباد اور فرحاں ہیں۔

کئی سال قبل آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ فوری طور پر علاج سے ایک حد تک سنبھل گئے۔ چلنے پھرنے بھی لگ گئے تھے پھر بھی بائیں طرف اثر قائم رہا جو چلنے میں صاف نظر آتا تھا۔ ماہ دسمبر میں آپ پر دوبارہ فالج کا حملہ ہوا یہ پہلے سے شدید تر تھا چلنے پھرنے سے بھی آپ معذور ہو گئے۔ یہ حملہ بائیں طرف تھا دایاں حصہ پہلے ہی متاثر تھا فوری طور پر علاج کے لئے امرتسر لے جایا گیا وہاں کچھ اور علاج ہوتا رہا پھر وہاں سے ادویہ تجویز کر کے یہ کہہ کر ڈسچارج کر دیا گیا کہ اب لمبا عرصہ علاج چلے گا ادویات گھر پر رہ کر استعمال کرتے رہیں۔ اور درمیان میں جب ضرورت پڑے یہاں لا کر معائنہ کرا جایا کریں۔ اس ہدایت کی روشنی میں یہاں قادیان میں علاج ہوتا رہا۔ اور مؤرخہ ۲۳ دسمبر ۲۰۰۲ء کو رات کو آپ پر تیسرا حملہ ہوا اور اس حملہ کے دوران ہی آپ کا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کے چھوٹے بیٹے آسٹریلیا میں ہوتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ خبر سنتے ہی چل پڑے ہیں۔ اس لئے جنازہ ایک روز کے لئے برف لگا کر محفوظ رکھا گیا اور آپ کے بیٹے کے قادیان پہنچ جانے پر آپ کا جسم بہشتی مقبرہ کی مقدس مٹی کے حوالہ کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے بچوں کا مستقبل روشن بنائے۔

مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب

ولد مکرم سیٹھ فضل کریم صاحب صحابی (حضرت مسیح موعودؑ) گوجرانوالہ

مکرم سیٹھ فضل کریم صاحب گوجرانوالہ شہر کے قدیمی باشندوں میں سے تھے۔ آپ نے بذریعہ خط ۱۹۰۵ء سے احمدیت قبول کی اور ۱۹۰۶ء میں قادیان آکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کپڑے کے تاجر تھے اور اس کاروبار میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہیں اچھا تجربہ حاصل تھا اور اس وقت کے لحاظ سے خوب چلتا ہوا کاروبار تھا۔ آپ کے احمدیت قبول کر لینے کے بعد آہستہ آہستہ مخالفت ہونے لگی اور جوں جوں وقت گزرتا گیا مخالفت بڑھتی ہی چلی گئی۔ سلطنت انگلشیہ میں آزادی کے بعد والی طور طریقہ والی مخالفت کا تو امکان نہیں تھا در پردہ سکیمیں بنا کر نقصان پہنچایا جا سکتا تھا اور تمام مخالفین احمدیت اسی طور طریقہ پر عمل پیرا تھے۔ آخر کئی سال کی مخالفت کے باوجود جب مخالفین نے دیکھا کہ ان پر کچھ اثر نہیں ہوا ہے۔ تو پھر انہوں نے زبانی مخالفت کی بجائے کوئی ٹھوس نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا اور ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ایک روز رات کو آپ کی دوکان لوٹ لی گئی۔ اگلے روز جب علم ہوا تو اس کی رپورٹ پولیس میں درج کرائی گئی۔ پولیس انکوائری میں بھی کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ ہو سکا۔ شک کی بناء پر چند افراد کو گرفتار کیا گیا تھا۔ انہیں بھی تھوڑی بہت سزا کے بعد چھوڑ دیا گیا۔

کاروبار خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں ایک حصہ مالک کا اپنا راس المال کے طور پر

ہوتا ہے اور کچھ مال کریڈٹ پر ہوتا ہے۔ آپ کی دوکان پر جو آپ کا اپنا مال تھا وہ تو آپ نے راہ مولا پر قربان تصور کر لیا مگر جو مال کریڈٹ پر تھا اس کا قرض تو چکانا ہی تھا۔ عام دنیاداروں کا یہ طریق ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر دوپہر کو دوکان میں دیا جلا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو دیوالیہ شو کر کے جن افراد کا قرضہ قابل ادا ان کے سر پر ہوتا ہے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر یہ صحابہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اس رسم کا سہارا لے کر قرض سے جان چھڑا لیتے۔ آپ نے وہ کیا جو آپ کے مقام و مرتبہ کو زیب دیتا تھا۔ آپ نے اپنا رہائشی مکان فروخت کر کے سب قرضہ چکا دیا۔ اس وقت آپ کے ہاں تین بیٹیاں اور چار بیٹے پیدا ہو چکے تھے۔ اور کچھ تو آپ پہلے سے ہی علیل تھے اور کچھ آخر عمر میں کاروبار کا سلسلہ تباہ ہو جانے کا اثر۔ خواہ آدمی کس قدر ہی مضبوط اعصاب کا مالک ہو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کی اہلیہ نے بڑا حوصلہ دکھایا آپ کو تسلیاں دیتی رہیں۔ مگر آپ کی صحت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی اور بالآخر آپ وفات پا گئے۔ لڑکوں میں سے آپ کے بڑے بیٹے عبدالسلام صاحب درزی کا کام کرنے لگ پڑے ہوئے تھے۔ لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بیاہی جا چکی تھیں۔ باقی سب بچے ابھی پرورش اور والدین کے سایہ کے محتاج تھے۔

آپ کی اہلیہ نے ہمت نہیں ہاری اور دو باقی لڑکیوں کی بھی شادیاں جلد اپنی برادری میں کر دیں۔ اور دوسرے بڑے لڑکے محمد ابراہیم کو بھی خیاطی کے کام میں لگا دیا۔ محمد ابراہیم صاحب کا ذہن بہت اچھا تھا بہت جلد اس کام میں مہارت حاصل کر لی اور ان دونوں بھائیوں (عبدالسلام صاحب و محمد ابراہیم صاحب) نے گھر کا بوجھ اٹھا لیا۔ اور اپنے سے چھوٹے دونوں بھائیوں کی تعلیم جاری رکھی۔ ان چھوٹے بھائیوں میں سے سب سے چھوٹا محمد اسحٰق جوانعمری میں ہی وفات پا گیا اور مولوی محمد

اسمٰعیل صاحب منیر پڑھ کر بطور مبلغ کئی ممالک میں اور مرکز میں خدمت سلسلہ کرتے
رہے ہیں۔

جب دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو مکرم ماسٹر صاحب (محمد ابراہیم) اپنے
ایک عزیز مکرم صدر الدین صاحب کھوکھر کے ساتھ ملٹری میں ٹیلرنگ کے ایک ٹھیکہ
میں شامل ہو کر جنگ ختم ہونے تک ملٹری میں وردیوں کی سپلائی کا کام کرتے رہے
ہیں۔ جنگ ختم ہونے پر واپس آئے تو رقم بھی معقول پاس تھی سوچا کہ مکان اب
قادیان میں ہی بنانا چاہیئے۔ چنانچہ محلہ دار الفضل میں ایک بنا بنایا مکان منشی عبد الغنی
صاحب محرر محاسب صدر انجمن احمدیہ سے خرید لیا اور قادیان میں دوکان کرایہ پر لے
کر کام شروع کر دیا۔ قریب ایک سال قادیان میں رہائش رکھی۔ بعد ازاں کراچی
میں کام مل گیا تو کراچی چلے گئے۔ جب قادیان میں خدام کی ضرورت محسوس ہوئی اور
اس بارہ میں بذریعہ اخبار تحریک کی گئی تو آپ کراچی سے قادیان آ گئے اور خدمت
کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ کراچی سے قادیان آ کر آپ خدام حلقہ مسجد اقصیٰ
میں شمار ہوئے۔ ابتداء میں ان کی ڈیوٹی حضرت اماں جانؓ کی کوٹھی میں لگی بتایا کرتے
تھے کہ ایک روز پچاس ساٹھ سکھ بھائیوں کا ایک گروپ آیا اور کوٹھی کے دروازوں کو
توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے
ایک معمر بزرگ سکھ کھڑے تھے۔ میں نے ان سے کہا بزرگو بات سنیں وہ قریب آئے
تو میں نے کہا کہ کوٹھی کے دروازے توڑنے کی ضرورت نہیں ہم کھول دیتے ہیں۔
صرف میری ایک بات کا جواب دیں اور وہ بات یہ ہے کہ آپ یہ بتائیں کہ
گروصاحبان میں سے کس گرو صاحب کا حکم ہے کہ مسلمانوں کو مارو ان کا مال
اسباب لوٹ لو۔ یہ بتا کر آپ کے سامنے ہم چھ سات آدمی حاضر ہیں۔ ہمیں بے شک
مار دیں۔ اور سامان بھی لوٹ لیں۔ اس نے کہا کہ کسی گرو کا حکم نہیں ہے۔ تو میں نے

کہا پھر اگر آپ ضرورت مند ہیں تو ہم کھانے پینے کی جو اشیاء موجود ہیں۔ آپ کو
دے دیتے ہیں۔ اور اگر برتنوں کی ضرورت ہے تو وہ بھی حاضر ہیں۔ کپڑوں کی
ضرورت ہو لے جائیں چارپائیوں کی ضرورت ہے تو لے جائیں۔ یہ باتیں سن کر وہ
سکھ بزرگ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے سب کو بلا کر کہا سنو یہ کام اچھا نہیں
چلو ہم واپس جاتے ہیں۔

۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو قادیان سے ہجرت کر کے جانے والوں کا آخری کنوائے
چلا گیا اور صرف ۳۱۳ درویش قادیان میں رہ پڑے۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بھی ان
میں شامل تھے۔ جب صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے یہ تحریک کی گئی کہ جو درویش اپنا
کاروبار کر کے اپنا گزارہ چلا سکتے ہیں۔ وہ فارغ ہو کر اپنا کام شروع کر لیں اور
صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ سے اپنے خرچہ کا بوجھ ہلکا کر دیں تو مکرم ماسٹر محمد ابراہیم
صاحب بھی فارغ ہو گئے اور احمدیہ چوک میں ٹیلرنگ کی دوکان کھول لی۔ آپ جیسا
ماہر درزی کاریگر قادیان میں اس وقت نہیں تھا۔ اس لئے آپ کا کاروبار جلد چمک
اٹھا اور علاقہ میں آپ کی شہرت ہو گئی۔ کالج کے پروفیسر صاحبان آپ کے گاہک
ہو گئے۔ اور چند ایک شاگرد بھی آپ کے پاس کام سیکھنے لگے۔ ۱۹۶۶ء تک آپ نے
درزی کا کام کیا۔ بعد ازاں نظر کی کمزوری اور بعض اور وجوہ کے باعث آپ نے
درزی کا کام چھوڑ دیا اور ان ایام میں ریڈیو اور ٹرانسسٹر کا کام زوروں پر تھا۔ آپ
نے بھی یہ کام شروع کر کے اس میں اچھی مہارت حاصل کر لی اور آپ قادیان کے
اردگرد ریڈیو مکینک کے طور پر مشہور ہو گئے۔ دس پندرہ سال آپ کا یہ کام بھی خوب
چلا پھر ایک دم مارکیٹ کا رخ بدلا اور ٹیلی ویژن نے آ کر ریڈیو کی مارکیٹ مندی
کر دی۔ اور صورت حال اس طرح ہو گئی کہ ایک بڑی فیملی کا گزارہ ہونا مشکل ہو گیا۔
اس پر ماسٹر صاحب نے کاروبار کو ایک نیا رخ دیا اور پنساری کی دوکان شروع کر لی

اور ساتھ ساتھ ریڈیو کا بھی جو تھوڑا بہت کام آتا وہ بھی جاری رکھا اور یوں کوئی نہ کوئی صورت گزارہ کی پیدا کرتے چلے گئے۔ تا آنکہ آپ کی عمر ریٹائرمنٹ کی عمر تک پہنچ گئی اور صدر انجمن احمدیہ نے حسب قواعد آپ کو بھی فیملی سکیل گزارہ الاونس بطور پنشن دینے کا فیصلہ کر دیا۔

آپ جب کراچی سے قادیان عارضی طور پر خدمت کے لئے آئے تھے تو آپ کی شادی کے لئے ابتدائی بات چیت ہو چکی تھی اور پروگرام یہ تھا کہ قادیان سے واپسی پر ہی شادی کرلیں گے قادیان آکر حالات روز بروز نیا رخ اختیار کرتے چلے گئے اور نوبت ایں جا رسید کہ آپ مستقل طور پر قادیان رہ پڑے اور جب دیگر درویشان کی فیملیاں قادیان آئیں تو سات آٹھ کیس ایسے بھی تھے جن کے یا تو نکاح ہو چکے ہوئے تھے یا شادی کی بات چیت پکی ہو چکی تھی۔ ان کی بیویاں قادیان آگئیں اور یہاں ان کا رخصتانہ عمل میں آیا۔ مکرم ماسٹر صاحب نے بھی اپنے عزیزوں کو لکھا کہ وہ ان کی بیوی کو بھی بھجوا دیں مگر انہوں نے اصرار کیا کہ آپ واپس آجائیں۔ اس پر ماسٹر صاحب نے انہیں لکھ دیا کہ آپ آزاد ہیں جہاں چاہیں اپنی بچی کی شادی کر دیں میں نہیں آسکتا۔ اور خود یہاں ہندوستان میں بریلی میں مکرم ماسٹر حبیب احمد صاحب کی بیٹی سے شادی کرلی۔ اس اہلیہ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں عطا فرمائیں۔ ایک لڑکا کم سنی میں وفات پا گیا چار بیٹوں اور چار بیٹیوں کی شادیاں یہاں اپنی زندگی میں ہی کر دیں۔ ایک بیٹی۔ شادی کے چند سال بعد وفات پا گئی باقی بچے بقید حیات ہیں۔ اور برسر روزگار ہیں۔

کھیلنے کا بھی شوق تھا والی بال کی ٹیم میں روزانہ بعد نماز عصر شوقیہ طور پر کھیلتے تھے۔ باقاعدہ میچوں میں عموماً حصہ نہیں لیتے تھے باوجود اس کے کہ آپ اپنا کام کر کے خود گزارہ کرتے تھے پھر بھی دینی کاموں کے لئے بھی وقت دیتے تھے۔ ایک

مرتبہ ۱۹۷۰ء میں خاکسار کے ساتھ دہلی، مرادآباد، بریلی شاہجہانپور، کانپور، لکھنو اور کلکتہ کا دورہ جماعتی کام سے کیا پھر دو مرتبہ مجلس انصار اللہ کیلئے ایام وقف کئے۔ دینی کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے میرے ساتھ متعدد مرتبہ تبلیغی دوروں میں ساتھ گئے۔ راجستھان اور یوپی کی نئی احمدی جماعتوں میں دورہ کے لئے ایک وفد بھجوایا گیا تھا غالباً ۱۹۸۷ء میں اس دورہ میں بھی ایک ماہ وقف کر کے گئے۔

عام صحت اچھی تھی۔ شاذ و نادر ہی بیمار ہوتے تھے۔ ستمبر ۲۰۰۳ء کو ایک روز میں نے رکشا پر سوار ہو کر احمدیہ شفا خانہ جاتے ہوئے دیکھا جب میرے مطب کے سامنے سے گزرے تو میں نے پوچھا کیا بات ہے بتایا کہ پیٹ میں درد ہے اور چلے گئے اگلے روز میں نے آپ کے بیٹے سے پوچھا کہ ابا کا کیا حال ہے تو اس نے بتایا کہ وہ ہسپتال میں داخل ہیں۔ میرے پاس مطب میں اور بھی دو تین درویش بیٹھے تھے ہم سب اٹھ کر ہسپتال حال پوچھنے گئے پتہ چلا کہ قبض بہت تھی انیما کیا ہے دوائیاں جاری ہیں۔ اور ڈرپ لگی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ دو روز مزید گزر گئے۔ فکر پیدا ہوئی۔ اور خود مکرم انچارج صاحب احمدیہ شفا خانہ نے بھی محسوس کیا کہ آخر درد کو کیوں آرام نہیں آرہا۔ انہوں نے الٹراساؤنڈ کروانے بٹالہ بھجوایا وہاں معلوم ہوا کہ انہیں تو اپنڈے سائیٹس تھا اور ناڑی پھٹ کر مواد اندر پھیل گیا ہے۔ واپس آئے تو ماسٹر صاحب نے خود خواہش کی کہ مجھے مکرم ڈاکٹر بٹ صاحب نے اگلے روز صبح ہی بٹالہ جا کر اپریشن کروانے کا مشورہ دیا خود ساتھ گئے اور سرجن سے کیس کے بارہ میں مشورہ کیا۔ اس مریض نے کہا کہ فلاں فلاں دوائیاں اور انجکشن بذریعہ ڈرپ دیئے جائیں۔ مزید دو روز تک ان کو وہاں (قادیان) رکھیں امید ہے جو مواد اندر لیک کر گیا ہے وہ جل جائے گا پھر اپریشن کے بارہ میں قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے دو روز مزید گزر گئے۔ پھر مکرم ڈاکٹر بٹ صاحب کے مشورہ پر امرتسر سکیننگ سنٹر لے جایا گیا

انہوں نے ٹسٹ کرنے کے بعد بذریعہ فون ڈاکٹر بٹ صاحب کو پوزیشن بتائی اور مشورہ دیا کہ امرتسر میں پاروتی دیوی کلینک میں داخل کرایا جائے اس کے مطابق امرتسر میں داخل کرایا گیا دو روز وہاں بھی علاج ہوا۔ پھر انہوں نے بھی معذرت کر دی کہ ان کی کنڈیشن ایسی نہیں کہ اپریشن کیا جاسکے اور علاج کی بھی مزید کوئی صورت نہیں اگر آپ کہیں اور کوشش کرنا چاہتے ہیں تو بے شک کر دیکھیں۔ اتنی دیر میں قوما کی پوزیشن میں آگئے تھے اس پر ڈاکٹر بٹ صاحب نے ہی یہی مشورہ دیا کہ انہیں واپس لے آیا جائے چنانچہ رات کو انہیں واپس قادیان لے آیا گیا اور اسی رات مورخہ ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳ء صبح قریب دو اڑھائی بجے آپ عالم فانی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں جا بسے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حضور بلند مقام سے نوازے۔ اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ دو لڑکیاں اور تین لڑکے قادیان میں ہیں۔ خدمت دین کرنے والے ہیں۔ ایک بچی جو امریکہ میں بیاہی ہوئی ہے۔ وہ بھی گزشتہ تین سال سے بیمار اور بے ہوشی کی حالت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ اسی روز بعد نماز عصر آپ کا خاکی جسم بہشتی مقبرہ کی مقدس سرزمین کے سپرد کر دیا گیا۔ بوقت وفات آپ کی عمر ۸۷ سال تھی۔

۱۰-۷-۲۰۰۴

پانی بھرن پنہاریاں دنوں دن گھڑے
بھر یا اسدا جانئے جسدا توڑ چڑھے

۲۰۰۴ء طلوع ہوتے ہی پے در پے تین غم واندوہ کی خبریں لے کر آیا جیسا کہ یہ سال عام الحزن کے طور پر آیا ہو۔ ماہ جنوری کے دوسرے ہفتہ میں تین درویشان کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور وہ ایک ہفتہ کے اندر ہی اپنی اپنی باری پر اپنی جانوں کا نذرانہ لئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گئے۔ درویشان کے دلوں میں اپنی یادیں اور اپنی خوش بو چھوڑ گئے۔

مکرم صوفی غلام احمد صاحب

ولد سردار محمد صاحب سٹھیالی تحصیل و ضلع گورداسپور

سٹھیالی گاؤں قادیان کے شمال مشرق میں دس کلومیٹر پر واقع ہے۔ اس مقام پر نہر اپر باری دواب کی مشرقی شاخ دو حصوں میں بٹ جاتی ہے ایک شاخ قادیان کے شمال مشرق سے گزرتی ہے اور دوسری شاخ جنوب مغرب سے گزرتی ہے۔ اور یہ دونوں شاخیں تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ جنوب مغرب والی نہر تک حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کئی مہمانوں کو الوداع کرنے جاتے رہے ہیں۔ اور خاص کر حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کابل کو بھی اسی نہر تک رخصت کرنے گئے۔ اور خود حضور اقدس مسیح موعود علیہ السلام بٹالہ تک پیدل سفر کرتے ہوئے سینکڑوں مرتبہ اس

نہر پر سے گزرتے رہے۔

دوسری شاخ جو شمال مشرق سے گزرتی ہے اس کو ہرچووال والی نہر کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ڈلہوزی جاتے ہوئے اسی نہر کے کنارے سفر کرتے ہوئے گورداسپور تک جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ایک دو مرتبہ کی بات نہیں سینکڑوں مرتبہ حضور نے اس کے کنارے کنارے سفر کیا ہے۔ جب حضور نے ڈلہوزی جانا ہوتا تھا تو اس وقت قادیان سے ہرچووال نہر تک کچی سڑک تھی۔ حضور انور کی کار کے ساتھ ساتھ سائیکل سوار خدام نہر تک جایا کرتے۔ نہر سے جب نہر کی صاف ستھری پٹری پر سفر شروع ہوتا تو پہلے سے چھ یا آٹھ سائیکل سوار وہاں مستعد موجود ہوتے وہ ڈیوٹی سنبھال لیتے اور قادیان سے ہرچووال تک گئے خدام واپس لوٹ آتے۔ پھر ہرچووال والا دستہ ستھیالی تک جاتا اور وہاں پر موجود تازہ دم خدام کا دستہ کار کے ساتھ ہو کر سفر شروع کر دیتا اور گورداسپور تک ساتھ رہتا۔ گورداسپور سے آگے پختہ سڑک تھی۔ کار اس پر ڈلہوزی کے لئے رواں دواں رہتی۔

ستھیالی ایک بڑا گاؤں ہے دونوں نہروں کے سنگم پر واقعہ ہے۔ اس گاؤں کی اکثر آبادی احمدی تھی۔ اور یہاں اکثر جلسے مناظرے اور مباحثے ہوا کرتے تھے اور قادیان سے بھی خدام ان میں شامل ہونے کے لئے جایا کرتے تھے۔ خود مجھے بھی چند مرتبہ حضور کی کار کے ساتھ ہرچووال سے ستھیالی تک اور کئی مناظروں اور جلسوں میں وہاں جانے کا موقع ملا ہے۔

صوفی غلام احمد صاحب کی پیدائش اسی گاؤں میں ہوئی۔ اور جیسا کہ ان دنوں رواج تھا زمیندار اپنے بچوں کو اتنا ہی پڑھاتے تھے کہ وہ خط و کتابت کر سکیں اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔ صوفی صاحب بھی اسی حد تک تعلیم پا کر پھر اپنے والد صاحب کے ساتھ زمیندارہ کام میں ہاتھ بٹانے لگے تھے۔ جب دوسری عالمی جنگ

شروع ہوئی تو آپ بھی ملٹری میں بھرتی ہو گئے اور جنگ ختم ہونے پر چھانٹی میں آ کر فارغ کر دیئے گئے۔ واپس گھر آئے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ آزادئ وطن کے آثار نمودار ہوئے اور یہ آثار نمودار ہوتے ہی ملک کی فضاء میں بدامنی قتل و غارت ساڑ پھونک کے بادل چھا گئے۔ جو دیہات میں احمدیوں کی یا عام مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی وہ تو اپنی جگہ قائم تھے مگر جن جگہوں پر چند گھر مسلم تھے وہ اپنے گاؤں چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت ستھیالی گاؤں بھی ایک حد تک محفوظ تھا۔ یہاں بھی نزدیک کے چھوٹے دیہات کے افراد آ کر جمع ہو گئے تھے۔

جب قادیان میں پناہ گزین افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تو بیرونی جماعتوں سے ان کی خدمت کے لئے خدام کو طلب کیا گیا اس تحریک پر صوفی غلام احمد صاحب بھی قادیان آ گئے تھے۔ آہستہ آہستہ حالات مزید خراب ہوتے چلے گئے اور پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ موضع ستھیالی میں جمع افراد بھی گھیرے میں آ گئے ہیں۔ تب ان کو پولیس کی مدد لے کر بحفاظت قادیان لانے کے لئے یہاں سے بھی خدام کو بھجوایا گیا۔ خدام کے پہنچنے پر وہاں فسادی افراد نے رات کے وقت شدید حملہ کر دیا جس سے قادیان سے گئے خدام میں سے ایک اور مقامی خدام میں سے ایک کل دو خدام شہید ہو گئے۔ اور متعدد زخمی بھی ہوئے اگلے روز پولیس کی مدد کے ساتھ گاؤں کے اور وہاں پناہ کی غرض سے آئے جملہ افراد کو لے کر قادیان پہنچ گئے۔ الحمد للہ

صوفی صاحب چونکہ یہاں کے رہنے والے تھے اور دیہات میں واقفیت بھی رکھتے تھے اور رستوں سے بھی بخوبی واقف تھے۔ بیرون کی جماعتوں سے آئے خدام کی راہنمائی کے لئے بھی ان مہمات میں ساتھ رہے اور گراں قدر خدمات کی توفیق پائی۔

فسادات کے ایام میں بعض احمدی اور مسلمان لڑکیاں اغوا کر لی گئی تھیں۔ ان کی

بازیابی میں بھی بعض اور درویشان کی طرح علاقہ میں واقفیت کی وجہ سے مکرم صوفی صاحب نے بھی گراں قدر کام کیا ہے۔ اور متعدد لڑکیوں کی بازیابی میں یہ ممد ومعاون ثابت ہوئے۔ اسی قسم کی ایک مہم کے دوران یہ تین درویش تھے۔ مکرم صوفی غلام احمد صاحب، علی محمد صاحب ننگلی اور جلال دین صاحب بٹ ایک گاؤں میں پہنچے تو وہاں ایک سکھ بھائی نے بتایا کہ یہاں جب ایک قافلہ پر جو مسلمانوں کا قافلہ تھا حملہ ہوا اور قتل وغارت لوٹ مار شروع ہوئی تو یہ بچہ ڈر کے مارے ایک بھٹیارن کی بھٹی میں جو اس وقت ٹھنڈی تھی اور صرف راکھ اس میں موجود تھی۔ گھس گیا دوسرے دن گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بچہ سہا ہوا بھٹی سے نکل کر بیٹھا ہے۔ مجھے اس پر ترس آیا اور میں اس کو گھر لے گیا اور پیار دلاسا دیا کھانا کھلایا یہ مسلمان ہے۔ اس کے والدین کا کچھ پتہ نہیں۔ اگر آپ لے جانا چاہیں تو لے جائیں۔ یہ ۱۹۴۸ء یا پھر مارچ اپریل ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ یہ اس بچہ کو ساتھ لے آئے ابتدا میں مکرم چوہدری عبدالغفور صاحب کوٹ الہہ دین منٹگمری نے اس کو اپنے پاس رکھا پھر بعض خاندانی مجبوریوں کے باعث جب انہیں پاکستان جانا پڑا تو مکرم صوفی عبدالقدیر صاحب اور ماسٹر محمد ابراہیم صاحب اکٹھے ہانڈی وال تھے۔ انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ تھوڑے عرصہ بعد صوفی عبدالقدیر صاحب بھی پاکستان جانے کے لئے مجبور ہو گئے تو پھر اس بچہ کو مکرم خواجہ عبدالستار کے سپرد کر گئے۔ مکرم خواجہ صاحب نے بہت پیار اور محنت سے اس کی پرورش کی بعد میں خواجہ صاحب کی فیملی بھی پاکستان سے آگئی۔ خواجہ صاحب کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ ان کی اہلیہ نے بھی اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شمار کیا کہ اس نے ہماری کمی پوری کر دی ہے۔ یہ بچہ خواجہ صاحب کی فیملی کا ایک فرد بن چکا ہوا ہے۔ اور اب تک درویشان میں موجود ہے۔ مکرم صوفی صاحب بھی زیادہ پڑھے ہوئے نہیں تھے اس لیئے دفاتر میں کوئی ڈیوٹی آپ کے سپرد نہیں رہی۔ پہرہ وغیرہ کی

ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ صدر انجمن احمدیہ کو جب مانے پور میں زمین الاٹ ہوئی تو آپ وہاں بھی زمین پر قبضہ اور اس پر کاشت کی نگرانی کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ اسی طرح جب بعض وجوہ کی بناء پر صدر انجمن احمدیہ نے یہ رقبہ مانے پور سے رجوعہ بہادر پور میں تبدیل کرالیا تو آپ رجوعہ میں بھی اس زمین کی نگرانی کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ بھینس پالنے کا بھی شوق تھا جب تک صحت نے اجازت دی بھینس بھی پالتے رہے۔

جب دریشان کی شادیاں ہندوستان میں ہوئیں تو آپ نے بھی حیدر آباد دکن کے علاقہ میں شادی کر لی اس میں سے آپ کے ایک لڑکا دو لڑکیاں ہیں۔ یہ اہلیہ چند سال کے بعد وفات پا گئیں تو اسی خاندان نے اپنی دوسری بیٹی صوفی صاحب کے عقد میں دے دی۔ اس ہلیہ میں سے بھی دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئے سب بچے شادی شدہ اور خوش حال ہیں۔

چند سال قبل آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ علاج سے آپ سنبھل گئے اور پھر تندرستوں کی طرح عبادات اور دیگر دینی کاموں میں حصہ لینے لگے۔ پھر دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا۔ اس مرتبہ حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی تھی پھر سنبھل گئے لیکن اب کی بار بڑی احتیاط اور پرہیز سے بسر اوقات کرتے تھے۔ تیسری مرتبہ پھر ہارٹ اٹیک ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اور آپ نے ۷ جنوری ۲۰۰۴ء کو اپنی جان بارگاہ الٰہی میں پیش کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ موصی تھے قطعہ درویشان بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور جرأت مند تھے۔ ایک مرتبہ مسجد احمدیہ ناصر آباد جو توسیع کر کے دوبارہ تعمیر کی جا رہی تھی میں اخراجات کی کمی محسوس ہوئی تو آپ نے کہا کتنی ضرورت ہے بتایا گیا تو آپ نے فوراً ایک خطیر رقم پیش کر دی۔ ابتداء میں دیگر درویشان کی

طرح آپ کو بھی مالی تنگی برداشت کرنی پڑی۔ یہ ایک لمبی داستان ہے کہ کس کس درویش نے کس کس رنگ میں مالی مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اب آخری ایام میں صوفی صاحب کے بچے بیرون ممالک گئے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مالی فراخی بھی عطا فرما دی ہے۔ آپ نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنا رہائشی مکان بھی بڑا خوبصورت تعمیر کرایا تھا۔

مکرم نذیر احمد صاحب

ولد الٰہی بخش صاحب ساکن ننگل باغباناں نزد قادیان

ننگل باغباناں قادیان کی حد بست میں ہی واقعہ چھوٹے چھوٹے دو گاؤں ہیں۔ دراصل یہ ایک ہی گاؤں تھا بعض انقلابات کے نتیجہ میں چند گھر ایک ہو کر چار پانچ سو گز دوری پر اپنے الگ مکان بنا کر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ آگے اولادوں کی نسل بڑھنے سے الگ گاؤں کی شکل اختیار کر گئے۔ مغلیہ سلطنت جب برائے نام رہ گئی تھی تو کئی علاقوں پر افراتفری اور طوائف الملوکی کا رواج ہو گیا تھا۔ پنجاب میں سکھوں کی بارہ مِسلوں نے اپنا اپنا محاذ کھول دیا ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ پنجاب کا زیادہ سے زیادہ علاقہ ہتھیا لے اس خانہ جنگی میں عام آبادی کا جو حشر ہوا سو ہوا مگر ان مِسلوں کی خانہ جنگی میں خود آپس میں عظیم خون خرابہ ہوا۔ آخر مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کی مِسل نے زور پکڑا اور تمام مسلوں کو زیر کر کے پنجاب میں سکھ راج کی بنیاد ڈالی۔ اس افراتفری کے دور میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کو ریاست کپورتھلہ کے ایک قصبہ بیگووال میں ہجرت کرنا پڑی تھی۔ اور اس خاندان کی جاگیر جو ۸۰ گاؤں پر مشتمل تھی قبضہ سے نکل گئی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب نے ملک میں امن اور استحکام ہو جانے پر اس خاندان کو پھر واپس قادیان آکر بسنے کی سہولت فراہم کی اور انکی جاگیر میں سے پانچ گاؤں پر مشتمل خاندان کے گزارہ کے لئے مخصوص کر دیئے۔ یہ پانچ گاؤں (۱) قادیان (۲) ننگل خورد (۳) ننگل

کلاں (۴) قادر آباد عرف ترکھاناں والی اور (۵) احمد آباد یہ گاؤں حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کی کوٹھی سے جانب شمال ریلوے لائن کے ساتھ ہے اب اس میں صرف چند گھر ہی رہ گئے ہیں جب انگریزوں نے پنجاب پر بھی قبضہ کرلیا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوگئی۔ اور پورے ہندوستان پر برطانوی پرچم لہرانے لگا تو پھر گورنمنٹ انگریزی نے اپنے اقتدار میں پہلا بندوبست اراضی کرایا اور مذکورہ بالا پانچوں گاؤں جن کے مالک اعلیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے افراد تھے کو ایک حد بست میں جمع کردیا۔

مکرم نذیر احمد صاحب ننگلی کی پیدائش ننگل باغباناں کلاں میں ہوئی۔ ننگل میں ارائیں برادری آباد تھی اور ان کی زیر کاشت زمینیں ہر خاندان کی کفالوں میں ہی اور اس کم زمین سے نہایت محدود آمد ہو پاتی تھی۔ اس لئے ان بھائیوں نے سبزیاں بونے کو ترجیح دی تھی کہ تھوڑی جگہ میں مختلف اقسام کی سبزیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اور ان کی فروخت سے گزارہ کیا جاسکتا ہے۔ جن گھرانوں کے پاس فردی قوت زیادہ ہوتی وہ دیگر پڑوسی دیہات کی زمین ٹھیکہ پر لے کر مزید آمد پیدا کر لیتے۔ پڑھائی کے ذرائع بھی کم تھے اور بچوں کو پڑھانے کی طرف عام توجہ بھی نہ تھی۔ مکرم نذیر احمد صاحب بھی پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی اپنے والد صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام میں مدد کرنے لگ گئے تھے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک پنجاب میں جماعت احمدیہ کے خلاف مخالفین کی کڑھی میں ابال آیا اور اس میں اس وقت کی صوبائی سرکار کے بھی بڑے بڑے افسران ملوث ہوگئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس موقعہ پر تحریک جدید کا آغاز فرمایا اور اسی تحریک کے تحت یہ بھی تجویز جماعت کے سامنے رکھی کہ پنجاب کے علاوہ دیگر صوبہ جات میں بھی جماعت جائیداد خریدے اور صاحب حیثیت افراد بھی زرعی جائیدادیں خریدیں۔ اس پر

جہاں انجمن تحریک جدید نے سندھ میں زرعی پلاٹ خرید کئے وہاں خود حضرت مصلح موعودؓ کے خاندان حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے خاندان مکرم حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے خاندان اور حضرت نواب محمد الدین صاحب کے خاندان نے بھی زمینوں کے بڑے بڑے پلاٹ خرید کئے۔ وہاں ان زمینوں کو آباد کرنے کے لئے سندھی مزارعین کا تجربہ ناکام رہا۔ یہ لوگ غیر صوبہ جات کے مالکوں سے عناد رکھتے تھے اور فرمانبرداری اور وفا شعاری سے کام نہیں کرتے تھے۔ تب یہ خیال آیا کہ کیوں نہ پنجاب سے مزارعین لے جائے جائیں۔ اس موقعہ پر جو لوگ سندھ گئے ان میں مکرم نذیر احمد صاحب ننگلی کا کنبہ بھی تھا۔ ان لوگوں نے وہاں خوب محنت کی نہ صرف مالکان کو فائدہ پہنچایا بلکہ زیادہ محنت کر کے زیادہ کمائی کی اور خود اپنی بھی زرعی جائیداد وہاں پیدا کرلی۔ گاہ بگاہ یہ لوگ اپنے آبائی گاؤں میں میل ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا مکرم نذیر احمد صاحب بغرض ملاقات ننگل آئے ہوئے تھے فسادات کی وجہ سے واپسی کے لئے راستے مخدوش ہوگئے۔ بلکہ محدود ہوگئے۔ ہجرت شروع ہوگئی اور آخر پر جب قادیان میں ۳۱۳ افراد کے قیام کی تحریک پر جہاں ننگل کے اور متعدد افراد نے بطور درویش قیام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مکرم نزیر احمد صاحب نے بھی اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کردیا۔ چونکہ آپ پڑھے ہوئے نہیں تھے اس لئے کسی دفتری خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ البتہ پہرہ وغیرہ کی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ خاموش طبع سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ عبادت گزار تھے چونکہ یہ بھی حلقہ مسجد مبارک درویشان میں تھے جنہیں کوئی مقررہ گزارہ نہیں ملتا تھا اور درویشی دور کے دس سال گزر جانے پر فیملی سکیل گزارہ منظور ہوا تھا آپ کی شادی بھی خاصی لیٹ ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں آپ کی شادی نصرت بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ آپ کا تعلق سابق ریاست حیدرآباد دکن سے

تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثرت سے اولاد عطا فرمائی۔چار لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔
ایک یورپی خاتون لیڈی ڈاکٹر قانتہ صاحبہ کے ہاں اولاد نہیں تھی انہیں خواہش ہوئی کہ کیوں نہ میں درویشان کے بچوں میں سے چند بچے اڈاپٹ کرلوں وہ قادیان آئیں اور اس خواہش کا اظہار بعض افراد سے کیا لیکن وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔وہ قریباً مایوس ہو چکی تھیں کہ کسی مقامی فرد نے ان کی رہنمائی مکرم نذیر احمد صاحب کی طرف کی وہ آپ کے ہاں گئیں اور اپنی خواہش کا اظہار کیا آپ خود اور آپ کی اہلیہ صاحبہ راضی ہوگئے۔انہوں نے آپ کے دو بچوں کو اڈاپٹ کرنے کی خواہش کی آپ نے دونوں ہی پیش کر دیئے۔بعض اور خواتین نے اس امر کو ناپسند کرتے ہوئے ان پر اظہار کیا کہ بچے بھی بھلا کوئی کسی کو دیتا ہے۔آپ کی اہلیہ ایک روز ہمارے گھر آئیں تو میری اہلیہ سے مکرم نذیر احمد صاحب ننگلی کی اہلیہ صاحبہ نے یہ ذکر کیا۔میری اہلیہ نے پوچھا پھر آپ نے ان کو کیا جواب دیا ہے۔تو بتایا کہ میں نے کہا کہ جن کے پاس روپیہ پیسہ ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ہمارے پاس اولاد کی دولت ہے ہم اسے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کے لئے دیتے ہیں۔شاید ہمارا یہ عمل مقبول ہو کر باعث نجات ہو۔یہ بہت ہی اچھا مومنانہ جواب تھا۔سن کر خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔آمین

خاموش طبع تھے۔ثقلِ سماعت بھی لاحق تھا۔آخری مہینوں میں خوراک کم کرنی شروع کر دی تھی اور بار بار اصرار کے باوجود بھی زیادہ خوراک نہیں لیتے تھے۔اس وجہ سے کمزور ہوتے چلے گئے۔آخر کمزوری اس حد تک بڑھ گئی کہ نمازوں میں بھی مسجد نہیں جا پاتے تھے۔گھر پر ہی نماز ادا کرتے۔نقاہت اس قدر بڑھ گئی کہ بستر کی زینت ہو کر رہ گئے اور آخر مؤرخہ ۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو نہایت خاموشی سے اپنی مہک گلدستہ درویشان

میں چھوڑ کر اپنا آب حیات ابدی سے بھرا ہوا ساغر لئے صوفی غلام احمد صاحب کے پیچھے پیچھے بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو گئے۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ابھی ایک روز قبل صوفی غلام احمد صاحب کو درویشان کے لئے مخصوص قطعہ بہشتی مقبرہ میں دفن کر کے آئے تھے۔ایک دن بعد ساتھ والی قبر میں مکرم نذیر احمد صاحب واسی ننگل باغباناں کو بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک کے سپرد کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کو بلند درجات سے نوازے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور ان کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے۔

مکرم بشیر احمد صاحب حافظ آبادی

ولد محمد مراد صاحب تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ

حافظ آباد شہر شیخوپورہ سے وزیر آباد جانے والی شاہراہ پر واقعہ ہے۔ اور یہ ضلع گوجرانوالہ کی ایک تحصیل ہوا کرتا تھا۔ تحریک پاکستان پر پچاس سال پورے ہونے پر پاکستان کے بڑے بڑے اضلاع کو تقسیم کر کے دو دو ضلعے بنائے تھے۔ ضلع گوجرانوالہ بھی ایک بڑا ضلع تھا اور اس کی تحصیلوں میں حافظ آباد ایک بڑی تحصیل تھی۔ اس لئے حافظ آباد کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا ہوا ہے۔ مکرم میاں محمد مراد صاحب حافظ آباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کپڑے کی دوکان کرتے تھے اور تبلیغ کا آپ کو شوق بلکہ جنون تھا۔ دوکان پر سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر ہر وقت موجود رکھتے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہر آنے والے کو تبلیغ زبانی طور پر بھی کرتے آپ کی تبلیغ سے بہت سے افراد کو حق قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکرم شیخ عبد القادر صاحب جنہوں نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ طیبہ لکھی ہے اور اسی طرح تاریخ احمدیت لاہور کے بھی مصنف ہیں۔ آپ کی تبلیغ سے ہی احمدی ہوئے تھے آپ ہندو قوم میں سے احمدی ہو کر غلامان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام میں شامل ہوئے تھے۔ آپ کا سابق نام سوداگر مل تھا۔ اسلام قبول کر کے آپ نے دینی تعلیم حاصل کی اور پھر عمر بھر تبلیغ اسلام اور خدمت سلسلہ عالیہ احمدیہ میں مصروف رہے۔

مکرم بشیر احمد صاحب کی پیدائش حافظ آباد میں ہوئی۔ پڑھائی کی عمر کو پہنچے تو

مقامی سکول میں ہی تعلیم حاصل کی۔ باوجود تعلیم کی سہولیات کے آپ زیادہ پڑھ نہیں سکے آپ کی تعلیمی قابلیت کا اندازہ مڈل تک ہے۔ پھر آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو خیاطی کا کام سیکھنے کیلئے ایک ماہر درزی کے پاس شاگرد کر دیا جہاں آپ نے یہ کام سیکھا مگر مکمل دستگاہ حاصل نہ کر پائے تھے کہ دوسری عالمی جنگ شروع ہو گئی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خصوصی طور پر احمدی نوجوانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ برطانوی فوج میں بھرتی ہو جائیں اس تحریک پر جہاں اور بہت سے احمدی نوجوان فوج میں بھرتی ہوئے مکرم بشیر احمد صاحب بھی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ جنگ ختم ہونے تک فوجی خدمات کیں اور جنگ کے اختتام پر فارغ ہو کر ۱۹۴۶ء کے آخر میں واپس حافظ آباد آ گئے۔ ۱۹۴۷ء کے شروع میں ہی آزادی وطن کی سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں۔ جوں جوں آزادی کا دن قریب آتا جا رہا تھا ملک میں فسادات اور خانہ جنگی کی کیفیت بھی قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی اور صورت حال بایں جارسید کہ ماہ اپریل میں ہی رات کو قادیان آنے والی گاڑی پر قادیان سے ایک سٹیشن قبل حملہ ہوا۔ جس سے ریل گاڑی کا ڈرائیور سخت زخمی ہو گیا اور فائر مین ہمت کر کے گاڑی بھگا کر قادیان لانے میں کامیاب ہو گیا ان حالات میں جن دیہات میں مسلمان کمزور حالت میں تھے وہ محفوظ مقامات کی طرف نکل کھڑے ہوئے تھے اور قادیان میں ایک بڑی جمعیت پناہ گزینوں کی آ گئی تھی۔ اتنی بڑی تعداد کو صرف مقامی خدام کنڑول نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے سید حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بیرون جماعتوں سے خدام کو قادیان آ کر خدمت کرنے کی تحریک کی۔ اس تحریک پر مکرم بشیر احمد صاحب بھی خدمت کے لئے قادیان حاضر ہو گئے۔

قادیان میں ابتدائی دو سال قریباً ہر ایک درویش کے پہرہ کی ڈیوٹیوں اور وقار عمل میں ہی گزرے ہیں۔ ۱۹۴۹ء کے جلسہ سالانہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ

کا ارشاد موصول ہوا تھا کہ اب دفاتر کی تنظیم نو کریں اور ہندوستان کی جماعتوں کو سنبھالیں۔ تب درویشان کو مختلف دفاتر میں ایک حصہ کو اور باقی ایک حصہ کو پہرہ وغیرہ کی ڈیوٹیوں پر قائم رکھا گیا۔ مکرم بشیر احمد صاحب بھی پہرہ اور وقار عمل کی متفرق ڈیوٹیوں والے گروپ میں ہی رہے۔ مزید چند سال گزرنے کے بعد مختلف تبدیلیوں کی وجہ سے انہیں مدرسہ ٹی آئی پرائمری سکول، محاسب، بیت المال دفتر جائیداد میں خدمات کا موقعہ ملتا رہا۔ فرضی ڈیوٹیوں کے علاوہ فارغ وقت میں ٹیلرنگ کا کام بھی کر لیا کرتے تھے۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد مبارک کی دریاں پرانی ہوگئی تھیں ان کے کناروں سے دھاگے نکلنے لگ گئے تھے مکرم بشیر احمد صاحب نے ان دریوں کو نئے سرے سے کناروں پر مغزی لگا کر پھرنئی کی طرح کر دیا اور کئی سال تک یہ دریاں کار آمد ہو گئیں آپ کا تعلق درویشان حلقہ ناصر آباد سے تھا۔

جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے درویشان کو ہندوستان میں شادیاں کر لینے کا ارشاد موصول ہوا تو آپ نے بھی اپنی شادی موودھا ضلع ہمیر پور یوپی میں مکرم محمد شفیع صاحب کی دختر سے کرلی۔ یہ شادی آپ کے لئے بڑی بابرکت ہوئی اور اس اہلیہ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکیاں اور دو لڑکے عطا فرمائے۔ تینوں لڑکیاں پاکستان میں بیاہی ہوئی ہیں اور صاحب اولاد اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔ دونوں بیٹے قادیان میں ہیں۔ بڑے بیٹے مکرم منیر احمد صاحب قادیان میں انجمن احمدیہ تحریک جدید میں وکیل الاعلیٰ کے عہدہ پر خدمت بجالا رہے ہیں اور دوسرے بیٹے ڈاکٹر نصیر احمد صاحب اپنی پریکٹس کرتے ہیں۔ اچھا روزگار ہے اور صاحب جائیداد ہیں۔

مکرم بشیر احمد صاحب اچھی صحت کے مالک اور خوش خوراک تھے۔ چند سال قبل ان کو پراسٹیٹ گلینڈ بڑھ جانے سے پیشاب میں بندش کا عارضہ ہوا تھا جس کا بذریعہ

لیزر ریز علاج کرایا گیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے صحت یاب ہو گئے۔ اب چند سال سے پیٹ کی خرابی اور شوگر سے علیل تھے اور صحت خاصی گر چکی تھی۔ علاج کے لئے احمدیہ ہسپتال میں داخل کرایا ہوا تھا۔ آپ کا بیڈ اوپر والی منزل میں تھا۔ مورخہ ۱۲ اور ۱۳ جنوری کی درمیانی رات پچھلے پہر کسی ضرورت کے لئے اٹھے۔ غالباً بے آرامی کا خیال کر کے اپنے تیماردار کو نہیں جگایا اور خود کمرہ سے باہر نکلے سمت کا ٹھیک اندازہ نہ کر سکنے کے باعث ہسپتال کے صحن میں گر پڑے اور ایک ہی جست میں تمام فاصلے طے کر کے آب حیات سے بھرا ساغر لئے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مورخہ ۱۳ جنوری ۲۰۰۴ء کو بہشتی مقبرہ کے درویشان کے لئے مخصوص قطعہ میں بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک کے سپرد کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور ان سب کا مستقبل روشن اور تابناک بنائے اور مقبول خدمات کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

سال ۲۰۰۸ء میں ماہ جنوری میں ہی تین درویشان نے دنیائے فانی کو خیر باد کہا اور پھر مارچ۔ اپریل۔ جون اور اگست ۲۰۰۸ء میں مزید چار درویشان عالم ابدی کو سدھار گئے۔ جنوری ۲۰۰۸ء تک کے درویشان کا ذکر خیر آ چکا ہے۔ اب بقیہ چار درویشان کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

مکرم غلام حسین صاحب

ولد مکرم نظام دین صاحب محلہ دارالبرکات قادیان

محلہ دارالبرکات کی مسجد کے عین مغرب کی طرف مکرم نظام دین صاحب والد مکرم غلام حسین کا مکان تھا۔ غلام حسین صاحب نوجوان جوان ہمت۔ جفاکش اور عزم وحوصلہ والے کڑیل جوان تھے۔ اکثر قادیان سے باہر رہا کرتے تھے۔ ابتداء زمانہ درویشی میں درویشوں میں آنے سے قبل کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا کرتے تھے کہ میں نے پہاڑی علاقہ میں خاص کر ڈلہوزی اور چمبہ میں بڑا عرصہ بار برداری کا کام کیا ہے۔ میرے پاس پانچ خچر ہوا کرتے تھے جو بڑے صحت منداور مضبوط ہوتے تھے۔ اسی طرح میرے ساتھ کام کرنے والوں کے پاس بھی کسی کے پاس تین کسی کے پاس دو کسی کے پاس چار خچر ہوتے۔ کل ملا کر ۲۵،۲۰ خچروں کا کنوائے ہوتا

تھا۔ ہم سامانِ رسد آٹا تیل چاول وغیرہ ضروریات زندگی ڈونیر (میدانی پڑاؤ) سے اٹھا کر ڈلہوزی۔ چمبہ اور اس سے بھی اوپر علاقوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ بتایا کرتے کہ میں قافلہ کا مہری (سب سے آگے چلنے والا) ہوتا تھا اور میرے خچر بھی سب سے عمدہ ہوتے تھے۔ چلتے چلتے جب رات چھا جاتی تو میں لال ٹین جلا کر اپنے سب سے آگے والے خچر پر رکھ دیتا تھا۔ اس سے پیچھے آنے والوں کو سہولت رہتی تھی۔ اور ہم منزل بمنزل سفر کرتے اپنے آخری پڑاؤ تک جاتے تھے۔ وہاں جا کر لدا ہوا سامان اگلے بیوپاری کے سپرد کر دیتے اور ایک روز آرام کرتے خچروں کو بھی آرام اور دانہ پانی خوب کھلا پلا کر پھر واپسی میں پہاڑوں سے میدانی علاقوں کی طرف آنے والا سامان لاد کر واپسی کا سفر کرتے۔ خچر جس رستہ سے ایک مرتبہ گزر جاتے ہیں اس کو یاد رکھتے ہیں اور پھر اگلے سفر میں انہیں زیادہ گائیڈ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ خود بخود چلے آتے ہیں۔ بتایا کرتے کہ میں نے بہت سے سفر ان علاقوں میں کیئے ہیں۔ بعض اوقات بارش بھی آجاتی اور پانی برسنے کی وجہ سے چلنا مشکل ہو جاتا۔ پہاڑوں میں جگہ بجگہ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی ہیں۔ ہم کسی نہ کسی قریبی آبادی میں بارش کا وقت گزار لیا کرتے اور جن کے ہاں قیام کرتے ان کی کچھ مدد بھی کر دیا کرتے۔ اس طرح ہماری پہاڑی علاقوں میں اچھی خاصی واقفیت بھی ہو چکی ہوئی تھی۔ آخری سفر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کرتے کہ میں اپریل ۱۹۴۷ء میں واپس گھر آیا تو میں نے سولہ ہزار روپیہ جو کما کر لایا تھا اپنے باپ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور کہا یہ لو روپیہ اس سے اپنا مکان جو گروی رکھا ہوا تھا چھڑا لو۔ اور باقی رقم اپنے کام میں لگاؤ۔ اور یہ ہیں آپ کی پانچوں خچریں۔ میں آج سے آپ سے اپنا بال بچہ لے کر الگ ہوتا ہوں میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا ہاں اگر آپ کچھ دینا پسند کریں تو یہ دونوں کھوتیاں (گدھیاں) مجھے دے دو۔ والد صاحب نے دونوں کھوتیاں مجھے دے دیں اور میں اندرون شہر

پکی گلی میں آ کر کرایہ پر مکان لے کر الگ رہنے لگ گیا۔

ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ملک کی آزادی کا پروگرام بن گیا اور بعد آزادی وہ حالات رونما ہوئے جن کے ذکر سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضور سیدنا المصلح الموعودؓ کے ارشاد کے مطابق پہلے عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قادیان سے بھجوایا گیا۔ غلام حسین صاحب کے بیوی بچے بھی چلے گئے اور خود یہاں رہے۔ جب قادیان میں قیام کے لئے ۳۱۳ افراد کا انتخاب ہوا تو غلام حسین صاحب نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

ابتداء میں غلام حسین صاحب بھی دیگر درویشان کی طرح پہرہ کی ڈیوٹی اور وقار عمل میں حصہ لیتے رہے۔ غلام حسین صاحب بھی بعض دیگر درویشان کی طرح سوکھے ان پڑھ تھے۔ سکول کا منہ تک نہ دیکھا تھا قرآن کریم ناظرہ بھی نہیں جانتے تھے۔ ابتداء درویشی میں ہی ان کو خیال آیا کہ کم از کم قرآن کریم ناظرہ تو ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔ آپ نے اپنے ماموں مکرم امیر الدین صاحب سے پڑھنا شروع کر دیا۔ پڑھائی کا انداز یوں تھا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ ٹھیک آ کہ نہیں۔ ٹھیک سے پڑھتے جاؤ ماموں جواب دیتے اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ ٹھیک آ کہ نہیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے آگے بڑھو بالغیب ٹھیک آ کہ نہیں۔ ٹھیک ٹھیک آ۔ آگے پڑھو۔ اسی رفتار سے ایک ایک آیت پڑھ کر آپ نے پورا قرآن مجید ناظرہ پڑھ لیا۔ بڑی ہمت اور لگن کے ساتھ کئی سال تک کوشش کر کے آخر کامیاب ہو گئے۔ ایک مشہور ضرب المثل ہے۔

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار
دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لے کر سو بار
ہر بار گرا وہ لب بام پہنچ کر
آخر وہ چڑھا لے کے اسے آخری بار

غلام حسین صاحب نے بھی ایسی ہی سعی پیہم کرتے ہوئے قرآن مجید سے اپنا سینہ منور کر لیا۔ شروع درویشی میں ہی غلام حسین صاحب نے ۱۹۴۸ء میں اپنا گزارہ خود کمانا شروع کر دیا تھا۔ مدرسہ احمدیہ کے سامنے جس میں اب ذوالفقار احمد صاحب مرحوم کی دوکان ہے اس دوکان میں دودھ دہی کی دوکان کھول لی تھی اور اپنا گزارہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں جب ان کے ماموں امیر الدین صاحب اپنی مجبوریوں کے باعث پاکستان چلے گئے تو غلام حسین صاحب نے بھی دوکان بند کر دی کیونکہ آپ ان پڑھ تھے اور دوکان کا حساب نہیں رکھ سکتے تھے۔ ازاں بعد غلام حسین صاحب نے اینٹ پکانے کے ایک بھٹہ پر ملازمت کر لی۔ آپ بھٹہ کے اندر اینٹ بھرنے کے فن سے ماہر تھے۔ ایسے طور پر اینٹ بھرتے کہ ہر ایک اینٹ کو برابر گرمی پہنچے اور خوب پک جائے۔ اس فن کا اس علاقہ میں خال خال ہی ماہر تھا۔ غلام حسین صاحب کے کام سے بھٹے والے بڑے خوش ہوئے اور انہیں معقول تنخواہ پر ملازم رکھ لیا۔ مکرم غلام حسین صاحب نے نہ صرف خود اس فن سے اچھی کمائی کی بلکہ اور بھی چند درویشان کو جو فارغ ہو کر اپنا گزرہ خود کرنے میں لگے ہوئے تھے مدد دے کر ٹرینڈ کر دیا اور انہیں دوسرے بھٹوں پر ملازمت مل گئی۔ مکرم محمد شفیع صاحب اور مکرم عمر الدین صاحب درویشان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ محمد شفیع صاحب کام سیکھ کر بسرائے کے بھٹہ پر اور عمر الدین صاحب کھوکھووال کے بھٹہ پر ملازم ہوئے اور خوب کمائی کی۔

انہی ایام میں درویشان کی فیملیز پاکستان سے آ رہی تھیں۔ چونکہ غلام حسین صاحب فارغ تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ اپنا بال بچہ منگوانا چاہتے ہیں۔ اور کہ آپ ان کا خرچ برداشت کر لیں گے تو بڑی جرأت سے کہا ضرور منگوا دیں اور جب بال بچہ میرا ہے تو خرچ کوئی دوسرا کیوں اٹھائے گا میں خود کما کر انہیں کھلاؤں گا۔ چنانچہ بال بچے آ جانے پر کئی سالوں تک فارغ رہ کر اپنا گزارہ خود کما کر کرتے

رہے۔ آپ کی اہلیہ آئیں تو ان کے ساتھ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں بھی آئی تھیں۔ گویا پانچ افراد کا کنبہ تھا۔ ان کی پیاری پیاری بچیاں یہاں آئیں تو بعض اور بچے بھی آ چکے تھے اس طرح متاہل زندگی کا آغاز ہوا جو بڑی حسین تبدیلی تھی۔ غلام حسین صاحب کی بچیوں کی آمد سے یہ بھی رونق ہوئی کہ ان میں سے ایک کہتی

"ککڑوں کوں دوسری کہتی تیرے بودے وچ جوں۔ پھر دونوں مل کر

کہتیں کڈن والیاں ماسیاں کڈالے کا کاتوں"

جب بھی راہ چلتے کوئی درویش ان بچیوں سے فرمائش کرتا بچیاں بلاتوقف یہ دہرا دیتی تھیں۔ اور بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔

غلام حسین صاحب بھینس بھی رکھتے تھے تا خالص دودھ گھی گھر میں میسر آئے اور یہ آپ کی وفات تک قائم رہا۔ بھینس کے لئے چارہ حاصل کرنے کے لئے ٹھیکہ پر زمین بھی لے کر کاشت کرتے چارہ بھی بو لیتے اور اپنے لئے غلہ بھی کاشت کر لیتے۔ اس طرح مختلف کام کر کے وہ بہت اچھی کمائی کر لیتے تھے۔ گھر میں کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہیں آئی۔ ایک عرصہ تک آزادانہ کام کر کے گزارہ چلانے کے بعد صدر انجمن احمدیہ نے ان فارغ درویشان کو پھر واپس بلا کر مختلف ڈیوٹیوں میں لگا لیا تھا۔ مکرم غلام حسین صاحب پڑھے ہوئے نہیں تھے پہرہ اور کچھ عرصہ دفاتر میں مددگار کارکن کے طور پر کام کرنے کا بھی موقع ملا۔ ۷۰ سال سے عمر تجاوز کر جانے کے بعد صدر انجمن احمدیہ نے تمام ڈیوٹیوں سے فارغ کر دیا تھا البتہ جو فیملی سکیل گزارہ مل رہا تھا۔ وہ تا حیات بطور پنشن جاری رہا۔

۱۹۸۳ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر جب مضافات قادیان میں تبلیغ کا کام باقاعدہ شروع کیا گیا اور اس کا انچارج خاکسار کو بنایا گیا (یہ پورا کام طوعی تھا) کئی دوستوں اور عزیزوں نے اپنے اوقات وقف کر کے

اس مہم میں حصہ لیا۔ اس وقت مکرم غلام حسین صاحب بھی میرے پاس آئے اور کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس لئے کوئی علمی کام تو نہیں کر سکتا میں دفتر میں حاضر رہا کروں گا۔ آپ مجھ سے کوئی بھی کام جیسے کسی کو بلانا ہو یا پیغام پہنچانا ہو وغیرہ لے لیا کریں۔ مجھے بھی ثواب کا موقعہ ملے گا۔ اس طرح چھ سات سال تک یہ ڈیوٹی بڑی مستعدی سے کرتے رہے۔

ساری زندگی آپ نے سخت مشقت کی اس وجہ سے جسم مضمحل ہو ہی چکا تھا اس پر مستزاد یہ کہ آپ کا جواں سال بیٹا پنجاب میں انتہا پسندی کے دور میں قتل کر دیا گیا۔ اس صدمہ سے آپ کی صحت پر خاصا اثر پڑا اور صحت روز بروز گرتی ہی چلی گئی۔ اور گزشتہ پانچ سال سے آپ چارپائی کی زینت ہو کر رہ گئے تھے۔ تمام گوشت سوکھ کر صرف ہڈیاں اور کھال ہی باقی تھا۔ تب بھی اگر طبیعت ذرا بھی سنبھالا کھاتی تو لاٹھی لئے بازار چلے آتے اور دوست احباب سے مل کر خوشی محسوس کرتے اور حال پوچھنے پر کہتے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہمیں کیا ہونا ہے ہم چھوٹی موٹی تکلیف کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں۔ گویا بڑے حوصلہ سے وقت گزارتے چلے گئے اور آخر وہ مقدر وقت آن پہنچا کہ اس مستعار زندگی کے گھونسلہ سے آپ کا طائر روح پرواز کر گیا۔ اس روز ماہ مارچ ۲۰۰۴ء کی ۲۱ تاریخ تھی۔ انا للہ و انا لیہ راجعون

موصی تھے بہشتی مقبرہ کے قطعہ درویشان میں تدفین عمل میں آئی۔ وفات کے وقت آپ کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں یادگار ہیں۔ سب شادی شدہ اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جناب میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضاء کی راہوں پر چلائے۔ آمین

مکرم مستری دین محمد صاحب ننگلی

ولد محمد عبداللہ صاحب ساکن ننگل باغبانان قادیان

ننگل باغباناں ایک ایسا گاؤں ہے جو درحقیقت قادیان کا ہی حصہ ہے۔اس کے مالکان اعلیٰ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی خاندان ہے۔ محلِ وقوع کے لحاظ سے یہ جانب جنوب مشرق قادیان سے جڑا ہوا ہے اور اب پھر اس میں احمدی احباب کی آبادی اکثریت کے قریب پہنچ گئی ہے۔ تقسیم ملک سے قبل پورا گاؤں احمدی تھا۔اور دیگر سب دیہات سے آخر میں یہ لوگ گاؤں خالی کر کے قادیان آئے تھے۔اور قادیان کے مقامی خدام کے ساتھ مل کر پہرہ کی حفاظتی ڈیوٹیاں دیتے رہے ہیں۔ان سب کے بھی بوڑھے عورتیں اور بچے حسب ترتیب پاکستان بھجوادیئے گئے تھے اور قادیان میں ۳۱۳ افراد میں ۱۴ خدام ننگل باغباناں کے بھی چن لیئے گئے تھے۔شروع درویشی میں ہی مخالفین کی طرف سے درویشان کا جو بائیکاٹ کیا گیا تھا اس موقعہ پر امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان نے ننگل کے ان خدام کو بلا کر حکم دیا کہ گندم اور دالوں کا سٹاک ہمارے پاس موجود ہے۔آپ لوگ سبزیاں اگانے کے ماہر ہیں۔بہشتی مقبرہ اور بڑے باغ کے ساتھ جو افتادہ زمین ہے آپ اس میں سبزیاں لگائیں۔اس سے بھی ہمیں بائیکاٹ کا مقابلہ کرنے میں مدد ملے گی۔چنانچہ ان خدام نے بلاتوقف کام شروع کر دیا اور چند ہفتوں میں اپنی سبزی لنگر میں آنے لگی۔

گو کہ ننگل کے ۱۴ خدام درویشان میں شامل ہوئے تھے مگر بعد میں اپنی خانگی مجبوریوں کے باعث باقی افراد اجازت لے کر پاکستان چلے گئے۔صرف چار درویشان کو اب تک قادیان میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ان کے نام اس طرح ہیں۔مکرم محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم، مکرم نذیر احمد صاحب مرحوم، مکرم مستری دین محمد صاحب مرحوم اور مکرم چوہدری محمد صادق صاحب جو (حین حیات خدمتِ سلسلہ میں مصروف ہیں)

۱۹۵۲ء میں بجٹ کی کمی کے باعث درویشان میں فارغ ہو کر اپنا گزارہ کمانے کی جو تحریک کی گئی تھی۔اس میں مکرم مستری دین محمد صاحب بھی فارغ ہوئے تھے اور تین سال تک فارغ رہ کر اپنا گزارہ چلاتے رہے۔۱۹۵۵ء میں شدید بارشوں کی وجہ سے احمدیہ ایریا کے اکثر مکانات قابل مرمت ہو گئے تھے۔اس لئے اپنی جماعت کے جو مستری صاحبان فارغ ہو کر اپنا کام کر رہے تھے ان سب کو واپس صدر انجمن احمدیہ کی ڈیوٹیوں پر لگا لیا گیا۔اس طرح مستری محمد دین صاحب کو بھی صیغہ تعمیرات میں بطور معمار خدمت سپرد کی گئی اور وہ ریٹائر ہونے تک یہ خدمت بطور احسن ادا کرتے رہے۔

۱۹۵۲ء میں جب دیگر درویشان کے اہل وعیال پاکستان سے انڈیا آئے تھے تو ان میں چار خواتین ایسی بھی آئی تھیں جن کے نکاح بذریعہ خط وکتابت ہو چکے ہوئے تھے مگر رخصتانہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ان میں سے ایک مکرم مستری دین محمد صاحب کی اہلیہ بھی تھیں۔تین کا رخصتانہ تو یہاں قادیان میں مکرم ومحترم امیر صاحب جماعت احمدیہ قادیان کی نگرانی میں اسی روز کر دیا گیا تھا۔مکرم مستری دین محمد صاحب کی اہلیہ کے والدین مصطفیٰ آباد ضلع انبالہ میں تھے اور ان کے والد حکیم محمد رمضان صاحب اپنی بیٹی کو لینے قادیان آئے ہوئے تھے۔وہ اپنے ساتھ اپنی بچی کو مصطفیٰ آباد لے گئے تھے

اور پھر چند ماہ بعد قادیان سے بارات لے کر مستری صاحب مصطفیٰ آباد گئے تھے اور اس طرح آپ کی شادی ہوئی تھی۔ مارچ کا مہینہ تھا۔ غالباً مستری صاحب کی بارات میں مکرم حضرت بابا سلطان احمد صاحب ؓ، مکرم محمد اسمٰعیل صاحب ننگلی، مکرم چوہدری عبدالقدیر صاحب، مکرم ممتاز احمد صاحب ہاشمی، مکرم علی محمد صاحب ننگلی اور خاکسار حکیم بدرالدین عامل بھٹہ شریک تھے۔ امرتسر سے ہم ہردوار میل میں سوار ہوئے۔ اور چونکہ اس گاڑی میں اکثر ہندو بھائی ہردوار کی یاترا کے لئے جارہے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے گروپ کے ساتھ رات بھر بھجن گاتے ہوئے سفر کرتے ہیں۔ اور اس طرح رات بڑی آسانی سے گزر جاتی ہے۔ اس گاڑی نے ہمیں رات کو تین بجے مصطفیٰ آباد اتار دیا اور گاڑی کے روانہ ہوتے ہی ایک دم اندھیرا چھا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سٹیشن تھا۔ لائیٹ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ نہ مسافر خانہ تھا۔ کھلے میدان میں ہمیں تین گھنٹہ گزارنے پڑے تب کہیں صبح کی سفیدی نمودار ہوئی۔ مکرم حضرت بابا سلطان احمد صاحب کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی گئی وہاں وضو کے لئے پانی کی تلاش شروع کی۔ ابھی خاصا اندھیرا تھا باباجی نے آواز دی کہ ادھر آجاؤ نلکہ یہاں ہے۔ سب بھاگ کر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ فرشی کنڈے کا ہینڈل ہے جسے باباجی پکڑ کر سمجھے کہ یہ نلکہ ہے۔ پانی نہ مل سکنے کے باعث تیمّم کر کے نماز پڑھی۔ اتنی دیر میں وہاں تانگے آگئے اور شور مچانا شروع کر دیا چلو شہر چلو شہر۔ ہم نے بھی دیکھا کہ ریلوے سٹیشن تو ویران جگہ پر ہے۔ مصطفیٰ آباد کی آبادی دور فاصلے پر ہے۔ چلو شہر چلتے ہیں۔ وہاں کوئی نہ کوئی چائے کی دوکان ہی کھلی مل جائے گی۔ ہم نے تانگہ والوں سے پوچھا کہ شہر میں اس وقت دوکانیں کھل گئی ہوں گی تو انہوں نے بتایا کہ ہاں آج تو بازار کا دن ہے بازار لگے گا خوب رونق ہوگی۔ اس پر ہم نے تین تانگے لئے اور شہر کی طرف چل پڑے۔ شہر ریلوے سٹیشن سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ جا کر دیکھا کہ ایک ویرانہ ہے

اور کھنڈرات پر عارضی دوکانیں کوئی کھلونے بیچنے، کوئی دیسی جوتے بیچنے کی، کوئی دیسی کھڈی کا بنا ہوا کپڑا بیچنے کی لگی ہیں۔ کھانے پینے والی اور چائے کی کوئی دوکان نہیں ہے۔ ابھی وہاں کھڑے ہو کر سوچ ہی رہے تھے کہ دو بیل گاڑیاں آ کر رکیں اور معلوم ہوا کہ یہ بارات کو لینے آئی ہیں۔ اس میں سامان رکھا اور گاؤں تلاکور کی طرف چل پڑے۔ گاڑی کے اندر ایک ترپال بھی رکھا تھا یہ غالباً اس لئے لایا گیا تھا کہ باراتی ان کو گاڑی میں بچھا کر آرام سے بیٹھ جائیں گے ادھر باراتی شادی کے شوق میں اس قدر جلدی میں تھے کہ جلد از جلد اڑ کر تلاکور پہنچ جائیں۔ ترپال کھولے بغیر ہی جھٹ گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ ترپال غالباً کئی ماہ سے تہہ کئے ہوئے تھے اور گھر سے چلتے ہوئے بھی ان کی تہہ کو کھول کر نہیں دیکھا تھا اس کے اندر بھونڈوں (ان کو بعض علاقوں میں تتیا اور بعض میں بھڑیں بھی کہا جاتا ہے) کا چھتہ لگا ہوا تھا۔ اوپر آدمی بیٹھنے سے ہل جل ہوئی تو یہ باہر نکل پڑے سب سے پہلے چوہدری عبدالقدیر صاحب کو کاٹا۔ وہ ایک دم گاڑی سے کود کر اتر پڑے پھر ایک دو اور کو کاٹا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب گاڑیوں سے اتر پڑے سامان گاڑیوں پر ہی رہا خود پیدل چلتے ہوئے ایک گھنٹہ بعد تلاکور پہنچ گئے۔ حکیم صاحب کو معلوم ہوا تو گاڑی بانوں پر سخت ناراض ہوئے۔

حکیم صاحب نے بارات کے لئے چائے مٹھائی انڈے وافر مقدار میں تیار کئے ہوئے تھے۔ بارات کا گرد سے بُرا حال تھا۔ سب کو گرم پانی سے منہ ہاتھ پاؤں دھلائے گئے پھر ناشتہ پیش کیا گیا۔ دو روز بارات تلاکور میں ٹھہری۔ محترم حکیم صاحب نے جی بھر کر بارات کی تواضع مٹھائیوں کھانوں اور دودھ انڈے چائے سے کی اور پھر تیسرے روز گاڑیاں جنہیں سکھ پال کہا جاتا ہے منگوائی گئیں۔ ایک گاڑی میں دلہا دلہن اور گھر کے چند افراد سوار ہوئے اور دوسری میں باراتی۔ یہ قافلہ تیسرے پہر مصطفیٰ آباد ریلوے سٹیشن پر پہنچا اور شام کو ڈیرہ دون ایکسپریس میں سوار ہو کر امرتسر

کے لئے روانہ ہوا۔حکیم صاحب نے رات کا کھانا پکوا کر ساتھ دے دیا ہوا تھا جو انبالہ چھاؤنی ریلوے سٹیشن پر کھایا گیا اور بچا ہوا فقراء میں تقسیم کر دیا گیا۔صبح امرتسر پہنچ کر قادیان کی گاڑی جو دوپہر کو قادیان پہنچی قادیان آ گئے اور یہ پہلی شادی تھی جو قادیان سے باہر باقاعدہ بارات لے جا کر پنجاب کی شادیوں کے طریق پر ہوئی۔اگلے روز مستری صاحب کی طرف سے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ شادی مستری صاحب کے لئے بڑی بابرکت ہوئی۔اس میں سے اللہ تعالیٰ نے مستری صاحب کو دو لڑکے اور دو لڑکیاں عطا فرمائیں۔یہ سب بچے شادی شدہ صاحب اولاد اپنے گھروں میں خوشحال زندگیاں گزار رہے ہیں۔

مستری صاحب صدر انجمن احمدیہ کے صیغہ تعمیرات سے وابستہ تھے۔اور آپ بڑی تن دہی سے معماری کی خدمات بجالاتے رہے۔اور عام صحت بہت اچھی تھی۔ عموماً بیمار نہیں ہوا کرتے تھے۔ریٹائر ہو جانے کے بعد بھی تعمیرات انچارج سٹور کے طور پر خدمات کرتے آ رہے تھے۔۲۰۰۲ء کے شروع میں ہی آپ یک دم علیل ہو گئے۔بظاہر دیکھنے میں اچھے بھلے معلوم ہوتے تھے۔مگر پوچھنے پر بتلاتے تھے کہ جسم کا توازن ٹھیک نہیں رہا بس یوں محسوس کرتا ہوں کہ گر جاؤں گا۔گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ کبھی کبھار بچے ساتھ ہو کر باہر لے بھی آتے تو ان کے ساتھ اچھے بھلے چلتے ہوئے معلوم ہوتے۔لیکن خود گھر سے نکلنے کی خواہش نہ کرتے تھے۔اسی حال میں وقت گزارتے چلے آئے تھے۔احمدیہ شفاخانہ سے علاج بھی باقاعدہ جاری تھا۔احمدیہ شفاخانہ میں بعض ٹیسٹ لینے پر معلوم ہوا کہ آپ کو عارضہ قلب بھی لاحق ہے۔اس کے مزید تسلی بخش علاج کے لئے آپ کو امرتسر لے جایا گیا جہاں امراض قلب کے ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج ہوا اور ڈاکٹر آپ کے علاج سے مطمئن تھے اور اظہار کیا کہ دو روز بعد ان کو ہسپتال سے چھٹی مل جائے گی۔آپ کے بڑے بیٹے مکرم

بشیر الدین صاحب پاس تھے وہ اپنے بیٹے کو امرتسر چھوڑ کر خود قادیان آئے کہ میں وہاں سے گاڑی لے کر دو روز بعد آ جاؤں گا۔ان کے آنے کے ایک روز بعد مستری صاحب نے اپنے پوتے کو جو پاس تھا کہا کہ میرا بازو دباؤ مجھے بائیں بازو میں سخت درد ہو رہی ہے۔بچے نے بازو دبانا شروع کر دیا تھوڑی دیر کے بعد اس کو منع کر دیا کہ چلو بس کرو۔اس کے چند منٹ بعد ہی آپ کی روح اپنے عہد وفا کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کی طرف پرواز کر گئی۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

یہ ماہ اپریل ۲۰۰۲ء کی ۲۸ تاریخ تھی۔آپ کا جنازہ امرتسر سے قادیان لایا گیا اور اگلے روز مقبرہ بہشتی میں درویشان کے لئے مخصوص قطعہ خاص میں تدفین عمل میں آئی۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔آمین

مکرم مولوی غلام نبی صاحب

ولد چوہدری فضل دین صاحب مانگا ضلع سیالکوٹ

آپ کی پیدائش موضع مانگا میں ہوئی اور گاؤں میں ہی مڈل تک تعلیم پائی۔ اس قدر تعلیم کے بعد اپنے والد صاحب کے ساتھ زمیندارہ کام میں ہاتھ بٹانے لگے۔ جلد ہی جنگ عالم گیر شروع ہوگئی اور آپ برطانوی فوج میں بھرتی ہوگئے۔ اختتام جنگ تک فوجی خدمت ادا کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء کے آخر میں فوج سے فارغ ہو کر گھر آگئے۔ ۱۹۴۷ء میں قادیان آکر دیہاتی مبلغین کلاس میں داخلہ لے لیا۔ ابھی چند ماہ ہی تعلیم شروع ہوئی تھی کہ ہندوستان کی آزادی کی کاروائی شروع ہوگئی۔ اور ابھی آزادی کا کوئی اعلان بھی نہیں ہوا تھا کہ ہندوستان میں آباد دو بڑی قوموں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور قبل اس کے کہ آزادی کا اعلان ہوتا لاکھوں افراد اپنی جانوں کی بھینٹ آزادی کی دیوی کے سامنے پیش کر چکے تھے۔ کئی لاکھ خواتین بیوہ ہوئیں۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔ ہزاروں دوشیزاؤں کو اپنی عصمت کی قربانی دینا پڑی اور اسی منظر میں ملک دو حصوں میں تقسیم ہو کر بھارت اور پاکستان نام کی دو آزاد مملکتوں کا وجود آزاد ملک کی حیثیت سے نمودار ہوا تھا۔ آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی دونوں طرف کے فسادی عناصر کو اپنے علاقہ کی اقلیتوں کے جان و مال اور عزت کو برباد کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ پھر کیا تھا کچھ کہنے کی بات نہیں جو جس کے دل میں آیا وہ کر گزرا۔ دو ماہ کی مسلسل تگ و دو کے بعد دونوں طرف قتل و غارت میں کچھ کمی آئی۔

اور اس وقت تک دونوں ممالک کے قریب دو کروڑ عوام مہاجرین بن چکے تھے اور ابھی ہجرت کا عمل جاری تھا جو بعد میں بھی کئی سالوں تک جاری رہا۔

اسی گھلو گارہ (بدامنی) میں جماعت احمدیہ کی اکثر آبادی کو پنجاب سے پاکستان ہجرت کر جانا پڑی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی دوربین نگاہ نے الٰہی نوشتوں کے مطابق سب حالات پر نگاہ رکھ کر فیصلہ فرمایا کہ قادیان کو بکلّی طور پر خالی نہ کیا جائے بلکہ یہاں بیج کے طور پر کم از کم ۳۱۳ افراد کو قائم رکھا جائے۔ جو موجودہ حالات میں شعائر اللہ کو آباد رکھنے کا موجب ہوں اور پھر وقت آنے پر یہ بیج یہاں مزید نشوونما پا کر قادیان میں متاہل آبادی میں تبدیل ہو کر تخت گاہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پھر سے فعال روحانی مرکز بنانے کا باعث ہو۔

حضور پرنور کے اس فرمان کی تعمیل میں جن ۳۱۳ افراد کو قادیان رکھے جانے کا فیصلہ ہوا ان میں دیہاتی مبلغین کلاس کے جملہ طلباء کو بھی رکھا جانا طے ہوا۔ اس کلاس میں ۴۰ مبلغین زیر تعلیم تھے اور ان کے اساتذہ میں سے ایک۔ یہ کل ۴۱ افراد درویشان قادیان کی ابتدائی فہرست میں تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ اس کلاس نے محض ایک دیہاتی معلّم کے طور پر ہی کام نہیں کرنا تھا بلکہ آزادی کے دور میں ہوئے فسادات میں ہندوستان بھر کی احمدی جماعتیں جو ان ایام میں مرکز سے رابطہ کمزور ہونے کی وجہ سے نیم مردہ حالت کو پہنچ چکی تھیں ان کو پھر سے بیدار کر کے قادیان کے مرکز کو مضبوط کرنے کا فریضہ بھی ادا کرنا تھا۔ ابتدائی پروگرام کے مطابق ان کی تعلیم ایک سال میں پوری ہو کر انہیں دیہاتی جماعتوں میں بھجوایا جانا تھا مگر ان خصوصی حالات کی وجہ سے اس کلاس کی تعلیم کا عرصہ چار سال تک جاری رہا۔ جس سے یہ کلاس اچھی طرح زیور تعلیم سے مزیّن ہو کر ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں جماعت ہائے احمدیہ کو پھر سے بیدار منظّم اور مضبوط کرنے کے فریضہ کو بااحسن ادا

کرنے کا موجب بنی اور جب حالات نے اجازت دی اس کلاس کے معلمین کو ہندوستان کی جماعتوں میں متعین کر دیا گیا۔ مکرم مولوی غلام نبی صاحب کو بھی جماعت ہائے راٹھہ، مودھا اور مکرا میں مقرر کیا گیا۔ جہاں آپ نے شاندار کام کیا اور اس علاقہ میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔

جب سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے درویشان کو شادیاں کر لینے کی ہدایت فرمائی اور جن درویشان کی شادیاں ہو چکی تھیں اور ان کے بال بچے پاکستان میں تھے، کو بھی قادیان بلوانے کا حکم دیا۔ چند ایک درویشان ایسے بھی تھے جن کے رشتے طے ہو چکے ہوئے تھے مگر شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور چند درویش ایسے تھے جن کے نکاح یا شادی طے پا چکے تھے مگر رخصتانہ عمل میں نہیں آیا تھا۔ ان کی بیویاں قادیان آ گئیں اور یہاں پر رخصتانہ عمل میں آیا۔ تین درویش ایسے تھے جن کے رشتے طے شدہ تھے وہ ۱۹۵۳ء میں ویزا سسٹم جاری ہو جانے پر پاسپورٹ بنوا کر خود پاکستان آ گئے اور اپنی بیویوں کو بیاہ کر لے آئے۔ مولوی غلام نبی صاحب بھی ان تین درویشوں میں سے تھے۔ بیوی کے ساتھ وہ بغرض تبلیغ راٹھہ، مکرا اور مودھا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو بچے بھی عطا فرمائے۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔ تیسرا بچہ ہونے والا تھا اہلیہ کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے آپ نے یہ خیال کیا کہ یہاں تین بچوں کو سنبھالنا ان کے لئے مشکل ہوگا۔ اس حال میں کہ اہلیہ کو بھی زچگی کے ایام میں خدمت کی ضرورت ہوگی ویزا بنوا کر زچگی کے ایام گزارنے کی غرض سے رخصت لے کر پاکستان چلے گئے وہاں آپ کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا لیکن اہلیہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اب یہ مشکل آن پڑی کہ ویزا ختم ہو رہا ہے۔ اور اس قدر چھوٹا بچہ ساتھ لے کر سفر کرنا بھی مشکل اور یہاں آ کر اس کو پالنا بھی مشکل جبکہ پہلے دو کم سن بچوں کی بھی پرورش اور دیکھ بھال کا ابھی کئی سالوں تک بار انہی پر آن پڑا تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں

دعائیں کر رہے تھے اور بار بار حضور انور کی خدمت میں بھی دعا کی درخواستیں کر رہے تھے کہ جب صرف چند روز ویزا باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے مدد فرمائی اور فوری طور سے آپ کا رشتہ ایک اپنے ہی گھرانہ میں طے پا گیا اور خاص بات یہ ہوئی کہ آپ کی اہلیہ ثانی ان تینوں بچوں کو بھی سنبھالنے پر بخوشی رضامند ہو گئیں اور شادی کر کے تینوں بچے اپنی اہلیہ ثانی کے سپرد کر کے خود ویزا کی معیاد ختم ہونے سے قبل قادیان پہنچ گئے۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک اور پھر اہلیہ کا پاسپورٹ ویزا تیار ہو جانے پر خود پاکستان جا کر اہلیہ اور بچوں کو ساتھ لے آئے۔

جن درویشان کے بچے اور بیویاں مستقل شہریت کے پرمٹ پر پاسپورٹ سسٹم شروع ہونے سے قبل قادیان آئی تھیں انہیں تو آمد کی تاریخ سے ہی انڈین شہریت مل گئی تھی۔ لیکن جو پاسپورٹ پر آئی تھیں انہیں بین الاقوامی قانون کے مطابق پانچ سال بعد اور بعض کو اس سے بھی زیادہ عرصہ بعد انڈین شہری حقوق مل پائے تھے۔ مولوی غلام نبی صاحب کی اہلیہ بھی پاسپورٹ پر آئی تھیں اور جب تک شہریت نہ مل جاتی وہ قادیان حدود کمیٹی سے باہر نہیں جا سکتی تھیں اور کم سن بچوں کو چھوڑ کر مولوی صاحب کا بھی قادیان سے بھجوانا مشکل تھا اس لئے مولوی صاحب کو قادیان میں ہی رکھ کر بعض خدمات سپرد کی گئی تھیں۔ کچھ عرصہ بعض دفاتر میں اور بعد ازاں دفتر زائرین میں خدمت بجا لانے کا موقعہ ملا۔ اور ریٹائرمنٹ تک دفتر زائرین میں ہی خدمت بجا لاتے رہے۔

مویشی پالنے اور کھیتی باڑی کا مولوی صاحب کو شوق بھی تھا اور تجربہ بھی۔ آپ دودھ دینے والی بھینس بھی پالتے رہے اور ٹھیکہ پر اراضی لے کر بھی کاشت کرتے رہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی آمد پیدا کر لیا کرتے تھے اور خوشحالی سے گزر اوقات کرتے تھے۔ دوسری اہلیہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار لڑکے اور چار

لڑکیاں عطا فرمائیں جو سب کے سب شادی شدہ برسر روزگار اور خوشحال ہیں۔

چند سال قبل آپ شدید طور پر بیمار ہو گئے تھے۔ احمدیہ شفاخانہ میں خاصی مدت تک داخل رہ کر علاج ہوتا رہا۔ حالت زیادہ کمزور ہونے پر امرتسر بھی لے جایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے طبیعت سنبھل گئی اور پھر کئی سال آپ چلتے پھرتے نمازوں میں اور دیگر جماعتی تقاریب میں آتے رہے۔ ۲۰۰۴ء کے ماہ مارچ میں اپنی بیٹی سے ملنے ''دوبئی'' گئے تھے کہ وہاں پر ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ کمزور تو پہلے ہی تھے حالت تشویشناک ہو گئی۔ قادیان اطلاع آنے پر ان کے لئے بڑے دردِدل سے دعائیں کی گئیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس درویش بھائی کو بخیریت قادیان لائے۔ علاج بھی پوری توجہ سے جاری تھا اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور آپ اس حد تک سنبھل گئے کہ سفر کر کے قادیان واپس آجائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ ماہ بعد آپ واپس قادیان آگئے۔ کمزوری بہت تھی اور خیال تھا کہ آہستہ آہستہ طاقت بحال ہو جائے گی۔ مگر یہاں پھر شدید اٹیک ہوا۔ اور ہر طرح کی دوڑ دھوپ اور علاج معالجہ کے باوجود ہر آنے والا دن مزید کمزوری پر منتج ہوتا رہا اور آخر ماہ جون ۲۰۰۴ء کی سات تاریخ کو آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

آپ موصی تھے۔ بہشتی مقبرہ کے درویشان کے لئے مخصوص قطعہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب میں قیام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور ان کا مستقبل روشن اور تابناک ہو۔ آمین

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب گجراتی

ولد فتح دین صاحب شیخ پور ضلع گجرات

شیخ پور ضلع گجرات کے تین افراد ۳۱۳ درویشان میں چلے گئے تھے۔ ان میں سے دو درویش بھائی قبل ازیں اپنا عہد وفا نبھا کر اللہ کی ازلی جنتوں میں جا بسے ہوئے ہیں۔ ایک اس گاؤں کی یادگار اور شناخت موجود تھے اور یہ تھے چوہدری ظہور احمد صاحب گجراتی۔ آپ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا اپنے والد صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ شروع ہو گئی جس کی وجہ سے فوجی خدمات کے لئے دھڑا دھڑ رنگروٹ بھرتی کرنا شروع کر دیئے گئے۔ بعض لوگ فوجی ملازمت سے کتراتے تھے۔ اس لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی جماعت کے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک فرمائی۔ اس تحریک کے نتیجہ میں بہت سے احمدی نوجوان برطانوی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ مکرم ظہور احمد صاحب بھی اس تحریک پر فوج میں بھرتی ہو گئے اور چھ سال تک لگاتار فوجی خدمات بجالاتے رہے۔ اس کے بعد جنگ بند ہو گئی اور جن سپاہیوں کی سروس کم تھی انہیں فوج سے ریلیز کر دیا گیا۔ مکرم ظہور احمد صاحب بھی ریلیز ہو کر گھر آگئے۔ انہی ایام میں قادیان میں ضرورت تھی کیونکہ مضافات قادیان سے دیہات فسادات کی وجہ سے خالی ہو کر بہت سے لوگ پناہ کی غرض سے قادیان آگئے تھے اور یہ تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ صرف قادیان کے خدام انہیں سنبھالنے کے

لئے ناکافی تھے۔ اس لئے بیرون جماعتوں میں تحریک کی گئی تھی کہ خدام قادیان آئیں۔ مکرم ظہور احمد صاحب بھی اس تحریک پر قادیان آگئے اور جماعت کی اکثریت قادیان سے بامرِ مجبوری ہجرت پر مجبور ہوگئی اور صرف ۳۱۳ افراد قادیان میں مقاماتِ مقدسہ کی آبادی کے لئے رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تو مکرم ظہور احمد صاحب بھی درویشان میں رہ پڑے۔ ۴۷ء سے دسمبر ۴۸ء تک تمام درویشان کا معمول یہ تھا کہ اپنے ایریا کی پہرہ کی ڈیوٹیاں دینا۔ قابلِ مرمت مکانات کی مرمت کرنا اور بہشتی مقبرہ کے گرد ایک مضبوط کچی دیوار تعمیر کرنا۔ عبادات بجالانا تعلیم القرآن کلاسوں میں پڑھنا۔ ۱۹۴۸ء کے جلسہ سالانہ پر حضور انور کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ اب بیٹھ رہنے کا وقت ختم ہوگیا ہے۔ اب دفاتر کی تنظیم نو کریں اور ہندوستان کی جماعتوں کو سنبھالیں۔ اس ارشاد کی تعمیل صدر انجمن احمدیہ کے تمام ادارہ جات کا از سر نو قیام عمل میں آیا اور جو پڑھے لکھے دریشان تھے انہیں دفاتر میں مختلف ڈیوٹیوں پر مقرر کیا گیا اور جو بھائی ان پڑھ تھے انہیں پہرہ کی ڈیوٹیوں پر قائم رکھا گیا اور بعض کو دفاتر میں مددگار کارکن کے طور پر خدمت تفویض ہوئی۔ مکرم ظہور احمد صاحب بھی چونکہ پڑھے ہوئے نہیں تھے پہرہ کی خدمات پر ہی قائم رہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ پہرہ کوئی معمولی کام تھا بلکہ یہ ایک نہایت اہم ڈیوٹی تھی اور اعتماد والے درویش اس خدمت پر متعین کئے جاتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارشاد فرمایا کہ جن درویشان کے اہل وعیال پاکستان میں ہیں انہیں قادیان بھجوانے کا انتظام کیا جائے اور جو قابل شادی ہیں اور ان کی ابھی تک شادیاں نہیں ہوئیں وہ ہندوستان میں شادیاں کرلیں۔ مکرم ظہور احمد صاحب کی بھی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی اور اب بھی مسئلہ یہی تھا کہ نہ جائیداد ہے۔ نہ والدین کا سایہ سر پر ہے۔ نہ پڑھے لکھے ہیں۔

کوئی بھی تو خصوصیت ایسی نہیں جس کا لحاظ کر کے کوئی شخص اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص کے پلے باندھ دے۔ جس سے نہ ذات برادری کا کوئی تعلق ہو۔ نہ علاقہ ایک ہو۔ نہ رہن سہن میں برابری ہو آخر کیوں وہ اپنی جواں سال بیٹی جس کے دل میں آئندہ زندگی کے بارہ میں بے شمار خوش آئند خوابیں اور خواہشیں ہوں ایک ایسے فرد جس کا علاقہ اور بول چال الگ اور کسی قسم کی بھی ذہنی مناسبت بھی نہ ہو؟ صرف اور صرف سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا ارشاد پا کر بیاہنے کے لئے تیار ہو جائے۔ آفرین ہے ان ماں باپ پر اور دعا ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے یہ قربانی پیش کردی۔ دنیا میں ماں باپ اپنی بچی کا رشتہ کرتے ہوئے سوچتے ہیں کہ ایسی جگہ بچی جائے جہاں اس کو والدین کے گھر سے بھی زیادہ سکھ چین ملے۔ لیکن بندگانِ خدا نے اپنی پارہ لخت جگر کو فقیرانہ زندگی گزارنے کے لئے وقف کر دیا۔

مکرم محمد شریف صاحب گجراتی جو کہ شیخ پور ضلع گجرات کے ہی رہنے والے تھے۔ پہلے ان کا رشتہ بھاگل پور بہار میں ہوا اور پھر ان کی ہی تجویز پر مزید دو درویشان مکرم ظہور احمد صاحب و مکرم غلام قادر صاحب کا رشتہ اسی گھرانہ میں طے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رشتہ کو بڑی برکت عطا فرمائی۔ ان کے اس اہلیہ کے بطن سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ ظہور احمد صاحب خود تو ان پڑھ تھے مگر انہوں نے اپنی اولاد کو جی بھر تعلیم دلوائی۔ آپ کے سب لڑکے گریجویٹ تک تعلیم یافتہ ہیں اور بیٹی میٹرک۔ اس طرح آپ نے اپنے ان پڑھ ہونے کا ازالہ کر دیا۔

آپ بڑی اچھی صحت کے مالک تھے۔ جسم یوں تھا جیسے سٹیل کا بنا ہوا اور خوش خوراک بھی تھے۔ جب تک خدام میں تھے اجتماع کے موقعہ پر رسہ کشی میں حصہ لیا کرتے تھے اور انصار اللہ میں آنے کے بعد دو مرتبہ جلدی اور زیادہ کیلئے کھانے کے مقابلہ میں فسٹ انعام حاصل کیا۔ دو سال قبل پیشاب بند ہونے کے عارضہ سے علیل

ہوئے۔ضروری ٹیسٹوں کے بعد معلوم ہوا کہ مثانہ میں کینسر ہے۔اس کا علاج جاری رہا اور آپ بڑے صبر سے اس موذی مرض کو برداشت کرتے چلے گئے اور روز بروز کمزور ہوتے چلے گئے۔آخری ایام میں لگ بھگ ۸،۷ ماہ ویل چیئر پر گزارے اور یہ صبر وقناعت کا مجسمہ مورخہ ۲۸ اگست ۲۰۰۴ء کو گلشن احمد میں پانچ پھول اور ایک مرجھائی ہوئی کلی چھوڑ کر باغ ارم کی طرف پرواز کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

موصی تھے مقبرہ بہشتی میں درویشان کے لئے مخصوص قطعہ میں مدفون ہوئے۔

اللہ تعالیٰ انہیں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔آمین